جامع القواعد
حصّۂ نحو
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ
مرکزی اردو بورڈ

جامع القواعد

(حصہٴ نحو)

جامع القواعد

(حصۂ نحو)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ
ایم - اے - ایل ایل بی ، پی ایچ ڈی ، ڈی لٹ
صدر شعبۂ اُردو - سندھ یونیورسٹی - حیدر آباد

مرکزی اردو بورڈ ، گلبرگ ، لاہور

بار اول: جنوری ۱۹۷۳ء

تعداد : گیارہ سو

قیمت : ۸/= روپے

ناشر : اشفاق احمد - ڈائرکٹر مرکزی اُردو بورڈ ،
۱ - اے گلبرگ ، لاہور

طابع : عبدالرحمان گوہڑوی - نیو حبیب پرنٹنگ پریس ، لاہور

فہرست

مقدمہ

نحو عربی لفظ ہے ۔ اس کے لغوی معنی طریق ، راہ ، قصد ، ارادہ اور اسلوب کے ہیں ، مگر اصطلاحی معنی اور ہیں ۔ متاخرین نحاۃ عرب کے نزدیک یہ اس علم کا نام ہے جس سے کلام عرب کے اعراب معلوم ہوتے ہیں ۔ مولانا شبلی نے اس تعریف پر اعتراض کیا ہے اور بہتر تعریف پیش کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : ''نحو کی تعریف متاخرین نے یہ کی ہے ۔ علم باصول یعرف بہا احوال اواخر الکلم ۔ لیکن اگر نحو کی یہی حقیقت ہے تو جن زبانوں میں اعراب نہیں ہے ، ان کے لیے نحو کا فن بالکل بے کار ہوگا کیوں کہ اس تعریف کی رو سے نحو کا یہ مقصد ہے کہ الفاظ کا اعراب معلوم کیا جائے ۔ اس لیے جن زبانوں میں سرے سے اعراب نہیں مثلاً موجودہ فارسی یا اہلِ زبان کی عربی جس میں تمام الفاظ ساکن الاواخر ہوتے ہیں اور عوامل کے آنے سے اُن میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا ، وہ نحو کے دائرے سے باہر ہوں گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان میں ادائے مطلب کے لیے الفاظ کی ترتیب کا خاص طریقہ ہے ۔ یہ طریقے بعض مشترک ہوتے ہیں ، بعض اور کسی دوسری زبان میں بھی پائے جاتے ہیں اور بعض غیر مشترک جو خاص ایک ہی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ انھی طریقوں کے جزئیات کا نام نحو ہے اور نحو کی تدوین کے یہ معنی ہیں کہ ان تمام جزئیات کا استقصاء کر کے ان کو کلیات کے تحت میں لایا جائے ۔ علّامہ ابن خلدون نے نحو کی تعریف ان جامع الفاظ میں کی ہے ۔ بہ یتبین اصول المقاصد بالدلالت ۔ اس تعریف سے ثابت ہوا کہ نحو کا اصلی مقصد ادائے معانی

سے متعلق ہے ، یعنی جب ہم ایک مطلب ادا کرنا چاہیں تو ہمیں فاعل ، مفعول ، متعلقاتِ فعل وغیرہ کو کس ترتیب سے لانا چاہیے ۔'' گویا نحو کا اصلی تعلق الفاظ کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر سے ہے ۔

اُردو کے قواعد نویسوں میں صاحبِ احسن القواعد نے نحو کی تعریف یوں کی ہے ۔ ''جن قواعد سے ترکیب مفردات کی حقیقت معلوم ہو اُسے نحو کہتے ہیں ۔ غرض اس سے یہ ہے کہ ترکیبِ کلمات میں خطا واقع نہ ہو اور مطلبِ عبارت بہ سہولت سمجھ لیا جاوے اور اس کا (نحو کا) موضوع کلام ہے ۔''

اور صاحبِ جامع القوانین کے نزدیک ''علم نحو وہ علم ہے جس سے ترکیبِ کلمات یعنی مفردوں کو ملا کر کلام بنانا آ جاوے اور اس کا کوئی کلمہ کس طرح کا ہے ، فاعل یا مفعول یا مبتدا یا خبر وغیرہ معلوم ہو جاوے اور غرض اس علم سے یہ ہے کہ کلام کے معنے درستی سے سمجھ لیے جاویں کہ متکلم ترکیب کلمات میں خطا نہ کرے ، یعنی جس موقع اور محل پر جو کلمہ رکھنا چاہیے اُسی جگہ رکھے تاکہ سامع کو اس کے سمجھنے میں کسی طرح کا تردد اور انتظار باقی نہ رہے اور موضوع علم نحو کا کلام (جملہ) ہے ۔''

ان تعریفات کی رو سے مرکبات یا مشتقات کی جداگانہ حیثیت واضح نہیں ہوتی اور عملاً بھی ان قواعد نویسوں نے مرکبات کو نحو ہی کے تحت شامل کیا ہے حالاں کہ ان کی حیثیت جداگانہ ہے ۔

مولوی عبدالحق کی قواعد کے حصہ نحو کی ترتیب دو حصوں پر مشتمل ہے : نحوِ تفصیلی اور نحوِ ترکیبی ۔ ان کے نزدیک نحو کا علم جملے کے اجزا کے مختلف استعمالات اور تغیرات سے اور جملے میں اجزائے کلام کے باہمی تعلق اور جملے کی ساخت سے بحث کرتا ہے ۔

مستشرقین اُردو قواعد نویسی کی طرف اہلِ زبان سے پہلے متوجہ ہوئے تھے اور ان میں سے بعض نے اپنے اپنے طور پر نحو کے حصے کی عمدہ ترتیبات قائم کیں ۔ گل کرسٹ کے رسالے قواعد زبان اُردو کو مستشرقین

کی بہت سی کتب قواعد اُردو پر تقدم حاصل ہے مگر اس میں صرف و نحو کے مباحث جدا جدا نہیں ۔ شیکسپیئر نے اپنی گرائمر کے حصۂ نحو میں سب سے پہلے جملے میں الفاظ کی ترتیب سے بحث کی ہے پھر اسم سے متعلق نحوی مباحث آتے ہیں ، اس کے بعد حروفِ جار ، صفت ، ضمیر ، فعل ، ظرف ، عطف ، ہم معنی و ہم آواز الفاظ پر مبنی مرکبات اور فرق مراتب ظاہر کرنے والے الفاظ کے نحوی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے ۔

پامر کی قواعد میں ہندستانی (اُردو) زبان کی نحو سے متعلق حصہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس لحاظ سے کہ اس میں تقابلی نحو کا انداز پایا جاتا ہے لائق ذکر ہے ۔ پامر نے اولاً جملے کی وحدتِ خیال پر زور دیا ہے ، پھر اجزائے جملہ کی اس فطری ترتیب پر ، جس کے مطابق خیال کو پیش کیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد اسم کی مختلف حالتوں کو زیرِ بحث لا کر انگریزی اور ہندستانی (اُردو) کا نحوی تقابل پیش کرتا ہے ۔ علامتِ فاعل اور علامتِ مفعول کی نحوی تشریحات کے ذیل میں وہ سنسکرت ، ہندستانی اور انگریزی تینوں زبانوں کا تقابل پیش کرتا ہے ۔ اس کے خیال میں محاورے اور اسم و فعل کے تعلق کے باب میں اُردو کو انگریزی پر ایک لحاظ سے فوقیت ہے ۔ غرض کہ تقابلی نحو کے بعض عناصر کی وجہ سے پامر کی قواعد کا حصۂ نحو دل چسپ ہے ۔ اس کے بعد پامر نے فعل کے بعض نحوی پہلوؤں کی طرف اشارے کیے ہیں ۔ آخر میں اضافی حالت اور جملے میں ترتیبِ اجزا کی طرف اشارات ہیں ۔

مبل کی جامع القوانین اگرچہ ایک پادری کے قلم سے ہے مگر مستشرق قواعد نویسوں کے عام طریقے کے برعکس اس نے یہ کتاب اُردو زبان ہی میں لکھی ہے اور اُردو کتب قواعد کے طریقے پر اس کے مباحث کو ترتیب دیا ہے مگر اس میں کچھ اس کا اپنا انداز بھی ہے ۔ حصۂ نحو میں اول مرکبات ناقصہ سے بحث ہے پھر جملے کی اقسام (اسمیہ و فعلیہ ، خبریہ و انشائیہ) سے ۔ جملۂ فعلیہ کے ذیل میں فاعل و مفعول کی پہچان اور نائب فاعل کا بھی بیان ہے ۔ پھر مفعول اور متعلقاتِ مفعول ، فعل اور متعلقاتِ فعل اور توابع کا بیان ہے ۔ اس کے بعد صفت اور ترکیب کے اعتبار سے

جملوں کی قسمیں بیان کی ہیں ۔ آخر میں ان اسموں کا بیان ہے جو دوسرے اسم سے مل کر ہی جملے کا جزو ہو سکتے ہیں ۔

پلیٹس (Platts) نے حصۂ نحو کی ترتیب یہ رکھی کہ اول جملے کے اجزا ، ترتیبِ الفاظ اور مسند و مسند الیہ کی مطابقت سے بحث ہے ۔ پھر صفت ، ضمیر ، فعل ، متعلقاتِ فعل اور حروف کے نحوی پہلوؤں کی تشریحات ہیں ۔

کیلاگ (Kellog) کی قواعد ہندی زبان سے متعلق ہے مگر اس کے حصۂ نحو کی ترتیب اُردو قواعد نویسوں کے لیے بھی ایک نمونہ فراہم کرتی ہے ۔ کیلاگ نے حصۂ نحو کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے :

(۱) Analytic Syntax (نحو تفصیلی) ۔

(۲) Synthetic Syntax (نحو ترکیبی) ۔

پہلے حصے میں اسم ، صفت ، عدد ، ضمائر ، فعل ، ظرف ، حروف اور تکرار الفاظ کے نحوی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ دوسرے حصے میں سادہ جملے کی نحو ترکیبی ، اجزائے جملہ اور اقسامِ جملہ سے بحث ہے ۔

اسی سلسلے کی ایک اور ہندی قواعد کی کتاب ایڈون گریوز (Edwin Greeves) کی ''ہندی گرامر'' ہے ۔ اس کے حصۂ نحو کی ترتیب یہ ہے کہ اول اسم کی فعل سے مطابقت سے بحث ہے پھر حالتوں کے نحوی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں جملے میں الفاظ کی ترتیب اور تکرار الفاظ سے بحث کی گئی ہے ۔ علاوہ ازیں ایک اور باب کے آخری حصے میں ضمناً فعل کے نحوی پہلو پر بھی بحث آ گئی ہے ۔ یہ ترتیب اس مستشرق نے زبان کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے قائم نہیں کی بلکہ انگریزی دانوں کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے ۔ اور اسی لیے ترتیب نامکمل ہے ۔ اس قواعد نویس نے اپنی قواعد کے بیشتر حصے میں نحوی مباحث کو جداگانہ حیثیت دیے بغیر ، صرف کے مباحث کے ساتھ ملا دیا ہے ۔ صرف ایک باب ایسا ہے جس میں تمام تر نحوی مباحث ہیں مگر وہ باب جملہ نحوی مباحث کا احاطہ نہیں کرتا ۔ کچھ یہی صورت گل کرسٹ کی قواعد زبان

اُردو کی بھی ہے بلکہ اس میں تو نحو کو جداگانہ حیثیت سرے سے دی ہی نہیں گئی ۔

ہمارے قواعد نویسوں کے لیے فارسی قواعد کی بعض کتب کی نحوی ترتیبات بھی بطور نمونہ سامنے رہی ہیں اور ان کا ذکر بھی یہاں غیر ضروری نہ ہوگا ۔ پلیٹس (Platts) نے فارسی زبان کی قواعد بھی لکھنی شروع کی تھی مگر صرف حصہ‌ٔ صرف تک لکھ سکا ۔ بعد کو اس کا حصہ‌ٔ نحو رینکنگ (Ranking) نے لکھا ۔ اس کی ترتیب قابلِ ذکر ہے ۔ حصہ‌ٔ نحو کے تمہیدی حصے میں وہ پہلے مسند الیہ اور مسند ، مفرد اور مرکب جملے اور عطف سے بحث کرتا ہے ۔ پھر جملے کی بناوٹ کو زیر بحث لاتا ہے ۔ اس ذیل میں فاعل ، مفعول ، مفعول قائم مقام فاعل اور اقسام جملہ وغیرہ کی بحثیں آ جاتی ہیں ۔ نحو کے اس حصے کو اس نے جملے کی ساخت (Sentence Construction) کا عنوان دیا ہے ۔ اس کے بعد دوسرے حصے میں ہیئتوں کے معنی (Meanings of Forms) کے عنوان کے تحت حالتوں ، زمانوں اور حروفِ جار وغیرہ سے بحث کرتا ہے ۔ یہ تقسیم نحوِ ترکیبی اور نحوِ تفصیلی کا بدل ہے ۔

اسی طرح Phillot کی فارسی قواعد کے حصہ‌ٔ نحو کی ترتیب بھی ذکر کے قابل ہے ۔ وہ اول اضافت کے استعمال اور حذف اور اسم واحد و جمع سے بحث کرتا ہے پھر ضمیر ، صفت ، ظرف ، حروف جار اور زمانوں کے نحوی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے ۔ اس کے بعد مرکب جملے کی بحث آتی ہے ۔ آخر میں فعل و فاعل کی مطابقت ، صفت اور اسم و ضمیر کی مطابقت ، جملے میں ترتیب الفاظ اور تکرار الفاظ سے بحث کرتا ہے ۔

فارسی زبان کی ایک اور قواعد ، قواعد حامدی جس کے لکھنے والے اُردو کے مشہور مصنف اور عالم نجم الغنی خاں رام پوری ہیں ، حصہ‌ٔ نحو کی ترتیب کا ایک ممتاز خاکہ پیش کرتی ہے ۔ ہر زبان میں نحو کا حصہ اپنے مباحث کی طوالت یا تفصیل کے اعتبار سے صرف کے حصے کا ثلث یا نصف ہی رہا ہے مگر نجم الغنی خاں رام پوری نے نحوی مباحث کو وہ غیر معمولی وسعت دی ہے کہ شاید و باید ، اور نحو کو تقریباً دو چند کر دیا ہے جو

قواعد نویسی میں ایک مثال ہے ۔ کاش وہ اُردو قواعد نویسی کی طرف بھی ویسی ہی توجہ کرتے تو اُردو نحو کی ترقی میں ایک نمایاں قدم ہوتا ۔

ہمارے دورِ اول کے اہلِ زبان قواعد نویسوں میں انشا فضیلتِ تقدم اور دقتِ نظر کے لحاظ سے سرفہرست ہیں ۔ انشا نے دریائے لطافت کے جزیرۂ روم کو مباحثِ نحو کے لیے مختص کیا ہے ۔ وہ اس حصۂ نحو کو چار ذیلی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ اُنھوں نے ذیلی حصے کو شہر سے موسوم کیا ہے ۔ شہر اول ، اسم کے نحوی مباحث کے لیے ہے ۔ شہر دوم میں فعل اور شہر سوم میں حروف کے نحوی مباحث آ گئے ہیں ۔ شہر چہارم میں ''در بیان فوائد ضروری'' کے عنوان کے تحت دو خاص مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس ذیل میں پہلے ان عربی فارسی سہ حرفی الفاظ کو لیا ہے جو اصلاً ساکن الاوسط ہیں مگر اُردو روزمرہ میں انھیں متحرک الاوسط کرکے ادا کیا جاتا ہے یا جمع بنانے کے لیے یا حالت ترخیم میں حروف وسطی کو ساکن کیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد دوسرا نکتہ محذوفات و مقدرات سے متعلق ہے ۔

گزشتہ صدی کی کتب میں دستور الفصاحت کے حصۂ نحو کی ترتیب بھی ، جیسا کہ مطبوعہ نسخے کے مقدمۂ مرتب ، میں اس کے مباحث کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے ، قابل توجہ ہے ۔ تمہید میں علمِ نحو کی تعریف ، ترتیب فاعل و مفعول اور علامات فاعل و مفعول سے بحث ہے پھر حال و ذوالحال ، شرط و جزا ، مرکب غیر تام اور اس کے اقسام ، مرکب اضافی ، مرکب اعدادی ، حروف ندا ، تمیز ، عطف ، تاکید و موکّد ، صلہ و موصول ، اسم فاعل ، صفت مشبّہ ، مستثنیٰ اور قسم ، الفاظ کنایہ ، معرفہ ، اسم و فعل و حرف ، ضمائر اور حروف سے متعلق بحثیں ہیں ۔ دستور کا یہ اہم حصہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے اور یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ اس نے اُردو قواعد نویسی کے ارتقا میں اپنا حصہ کہاں تک ادا کیا ۔

بعد کے دور کے قواعد نویسوں میں فتح محمد خاں جالندھری ہیں جن کی مصباح القواعد ہے ۔ یہ عربی قواعد کے طریقے پر ہے ۔ اس کے حصہ نحو کی ترتیب جامع القوانین کی ترتیب سے کچھ ملتی جلتی ہے کہ دونوں قدیم

انداز پر لکھی گئی ہیں ۔ البتہ جامع القوانین میں مرکبات ناقص کو تفصیلاً
بیان کیا گیا ہے بلکہ حصۂ نحو کا آغاز اسی بیان سے کیا ہے ۔ مصباح القواعد
میں اول جملوں کی قسموں ، خبریہ و انشائیہ ، فعلیہ و اسمیہ سے بحث ہے ۔
اسمیہ کے ذیل میں افعال ناقصہ اور فعلیہ کے ذیل میں مفعول قائم مقام فاعل ،
مفعول بہ ، ضمائر کی مفعولیت ، مفعول منہ ، مفعول لہ ، مفعول مطلق ،
ظرف ، جار و مجرور ، حال ، مستثنٰی و مستثنٰی منہ وغیرہ کی بحثیں ہیں ۔ پھر
اقسام جملہ اور آخر میں حروف کا بیان ہے ۔

اُن کے بعد کے قواعد نویسوں نے ، بالخصوص صاحب آئین اُردو نے
مصباح القواعد کے بہت سے تسامحات کی نشان دہی کی ہے لیکن حقیقت یہ
ہے کہ اُردو قواعد نویسی میں ، یہ ، بعض کمزوریوں کے باوجود ، اپنے
طرز کی ممتاز ترین قواعد ہے ۔ عربی قواعد کے طرز پر جتنی اُردو قواعد کی
کتابیں لکھی گئیں ان میں سب سے عمدہ اور مبسوط یہی ہے او ربحیثیت مجموعی
محنت سے لکھی گئی ہے ۔

مولوی عبدالحق نے اپنی قواعد اُردو میں ایک اور طرز اختیار کیا جس
کو ان سے پہلے اُردو کے کسی اہل زبان قواعد نویس نے اختیار نہیں کیا
تھا ۔ انہوں نے مصباح القواعد سے بالکل جدا راہ اختیار کی اور عربی اصول
پر قواعد کو مرتب نہیں کیا ۔ ان کی قواعد اُردو بڑی حد تک مستشرق
قواعد نویسوں کے اصول پر لکھی گئی ہے مگر چونکہ وہ اُردو کے بہترین
مزاج شناس ہیں اس لیے انہوں نے جدید مغربی اصول قواعد نویسی سے
استفادے کے ساتھ اُردو کی انفرادیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے ۔ جہاں
تک ترتیب مباحث کا تعلق ہے اُن کی قواعد میں حصۂ نحو کیلاگ کی ہندی
گرامر کے حصۂ نحو سے بہت کچھ مستفاد و مماثل ہے ، مگر اہم نحوی
مسائل پر دسترس اور اصابت رائے کے لحاظ سے مولوی صاحب بہت آگے
ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ 'قواعد اُردو' مولوی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ ہے
اور اس معیار کی کتابیں دوسری آریائی زبانوں میں بھی مشکل سے ملیں گی
کیونکہ وہ زبان کے مزاج کو خوب پہچانتے تھے ۔ اس کے باوجود یہ نہیں
کہ یہ کتاب تسامحات سے خالی ہو ۔ صاحب آئین اُردو نے مصباح القواعد

کی طرح قواعد کو بھی بخشا نہیں ہے اور بڑی دقت نظر کے ساتھ مولوی صاحب کی متعدد لغزشوں کی نشان دہی کی ہے ۔ ان میں بعض تو طرز نظر میں جدت و قدامت کے فرق کی وجہ سے لغزش معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن بعض مسائل میں صاحب آئین اُردو کی گرفت درست ہے ۔ مولوی عبدالحق کی طرح وہ بھی اُردو زبان کی انفرادیت اور اس کے مزاج کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس لحاظ سے مولوی عبدالحق کی قواعد اردو کے بعد منصہ شہود پر آنے والی کتب قواعد میں آئین اُردو بہت نمایاں ہے ۔ جہاں تک اس کے (آئین اُردو کے) حصہ نحو کی ترتیب کا سوال ہے قدیم انداز کی ہے ۔

اُردو کتب قواعد میں قواعد کشوری اور اساس اُردو بھی قابل ذکر ہیں ۔ جہاں تک حصہ نحو کا تعلق ہے ان کتب میں اگرچہ نحوی مباحث کی ترتیب ایک بڑی حد تک محض تقلیدی انداز کی ہے ، تاہم بعض مباحث میں جدّت بھی ہے ۔ مثلاً قواعد کشوری میں جملوں کی اقسام کی درجہ بندی (۱) باعتبار فعل ۔ (۲) باعتبار حالت فعل ، اور (۳) باعتبار صفحات کی گئی ہے ۔ اساس اُردو میں مرکبات اور جملوں کی قسموں کی بحثیں تو وہی قدیم انداز کی ہیں جیسی مصباح القواعد میں ، مگر جدید انداز کی کچھ بحثیں بھی ہیں مثلاً محذوفات ، مطابقتیں ، جملہ میں الفاظ کی ترتیب ۔ یہ مولوی عبدالحق کی قواعد اُردو کے اثر سے ہے ۔

مولانا شبلی نے فن نحو کی تدوین جدید سے متعلق جو فکر انگیز اور مجتہدانہ شان رکھنے والی تجاویز الندوہ میں پیش کی تھیں اگرچہ وہ بنیادی طور سے عربی نحو سے متعلق تھیں لیکن اُردو نحو کی تدوین کے سلسلے میں بھی ان کے فکر انگیز اور کارآمد ہونے میں شبہ نہیں اور ہمارے قواعد نویسوں کو ایک حد تک ان تجاویز نے متاثر بھی کیا ۔ افعال ناقصہ کے باب میں صاحب آئین اُردو پر مولانا شبلی کی تجاویز کا اثر نمایاں ہے ۔ نحو کی ترتیب کے بارے میں مولانا شبلی کا یہ خیال ہے کہ ”نحو کا اصلی تعلق الفاظ کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر سے ہے تو نحو کی ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ کلام کے جو اجزا سب سے متقدم ہیں ان کا حال پہلے بیان کیا جائے پھر ان سے

کم درجے کے اجزا کا حال ، پھر ان سے کم کا ، اس لحاظ سے پہلے مسند الیہ کا حال بیان کرنا چاہیے ، پھر مسند کا ، پھر متعلقات کا پھر توابع کا ۔"
دوسری تجویز وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ کلمات کے بہت سے اقسام اور اصطلاحات جو بے فائدہ ہیں انھیں ترک کر دینا چاہیے ۔ ان کے نزدیک مفعول مالم یسم فاعلہ یا مفعول قائم فاعل کی اصطلاح (جسے اُردو نحو میں صاحب مصباح القواعد نے رواج دیا) غیر ضروری ہے ۔ یہ کوئی الگ چیز نہیں بلکہ فعل مجہول کے فاعل کا نام ہے ۔ فاعل کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اس سے فعل کا ارتکاب ہوا ہو بلکہ اصطلاح نحو میں فاعل کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ فعل یا شبہ فعل کا مسند الیہ ہو ۔

ان کی تیسری تجویز افعال ناقصہ کے بارے میں ہے وہ کہتے ہیں کہ افعال ناقصہ کو تمام افعال سے جداگانہ قرار دینا اور اس کے معمول کے لیے بالکل ایک نئی اصطلاح اسم و خبر کے نام سے قائم کرنا محض لغو ہے ۔ یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ افعال ناقصہ کو فعل لازم سمجھا ہے ، حالانکہ وہ در حقیقت متعدی ہیں ، کیوں کہ ان کا مفہوم تنہا فاعل سے سمجھ میں نہیں آتا ۔ ان کے نزدیک افعال ناقصہ کے اسم و خبر در حقیقت فاعل اور مفعول ہیں ۔ اسی طرح وہ افعال مقاربت اور افعال مدح و ذم کی جداگانہ اصطلاحات کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ۔ اُردو نویسوں میں انشا نے ان جداگانہ اصطلاحات کو دریائے لطافت کے حصہ نحو میں داخل کیا ہے مگر بعد کے قواعد نویسوں نے اس باب میں انشا کی پیروی نہیں کی ۔

پنڈت برج موہن و تاتریہ کیفی نے بھی کیفیہ میں اُردو نحو سے متعلق بعض خیال انگیز تجاویز پیش کی ہیں ۔ وہ نحو کی تدوین میں اسلوب کی اہمیت سے صرف نظر نہ کرنے پر زور دیتے ہیں ، جو قدیم علمائے فن کے ہاں علم معانی کی ایک چیز ہے ، اور قواعد نحو کو اسلوب کے تابع قرار دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک قاعدے جو اسلوب کے نفسیاتی اصول اور ذوق سلیم سے سرکشی کریں کلام کو فصیح نہیں بنا سکتے ۔ قواعد زبان سے بنتی ہے ، زبان قواعد سے نہیں ۔ قواعد یا فن کے اصول وہیں تک قابل قبول ہیں جہاں تک وہ زبان کی نمائندگی کے مزاحم نہ ہوں اور ترمیم اور آئندہ ترقی کے راستے میں

حائل نہ ہوں ۔ نحو کے قواعد میں اتنی لچک ہونی چاہیے کہ وہ اسلوب پر صاد کریں ۔ اگر وہ قواعد یہ استعداد نہیں رکھتے تو ترمیم کے قابل ہیں ۔ ہمارے خیال میں پنڈت کیفی کی یہ تجویز قابل غور ہے ۔ نحو کا کام جملے کے اجزا کے مختلف استعمالات سے بحث کرنا ہے ۔ بعض الفاظ جملوں میں آ کر تصریفی قواعد کے برخلاف معنی دے جاتے ہیں ۔ نحو ، ان اختلافات سے بحث کرتی ہے ۔ اسی طرح بعض فقرے اور مرکبات جملوں میں آکر مختلف معنی دیتے ہیں ۔ ان کی بحث بھی نحو میں شامل ہونی چاہیے مراد یہ کہ نحویوں کو ایک حد تک اسلوب سے بھی بحث کرنا چاہیے اور نحو میں معانی کے بعض ضروری نکات کو داخل کرنا چاہیے اور ایک حد تک ایسا کیا بھی گیا ہے ۔ حروف کے اغراض استعمالات کی بحث جو در حقیقت علم معانی سے تعلق رکھتی ہے اور جس کو ذوالفقار علی دیوبندی اور نجم الغنی خاں رام پوری نے اپنی اپنی کتب بلاغت میں بڑی عمدگی سے لکھا ہے ، مولوی عبدالحق اور فتح محمد خاں جالندھری نے نحو میں شامل کر لیا ہے ۔ بلکہ بعض فاضلوں نے تو صرف میں بھی معانی کی یہ بحث چھیڑ دی ہے ۔ بہرکیف ، اس باب میں قواعد نویسوں کو کچھ آزادی ملنی چاہیے ۔

اسی طرح نحو اور منطق کے تعلق پر غور کرنے سے نحو کی ترتیب میں نئے رجحانات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے ۔ کلام یا جملہ ، نحویوں اور منطقیوں دونوں کا موضوع رہا ہے ۔ اگرچہ ان علوم کی اصطلاحات جدا ہیں ۔ جس کو نحوی کلمہ اور کلام کہتے ہیں ۔ منطقیوں کے ہاں وہ تصدیق اور تصور ہیں ۔ اوٹویس پرسن نے جو قواعد نویسی کے جدید ترین رجحانات کا سب سے نمایاں علم بردار ہے ۔ قواعد کے نظام میں منطق کے استعمال کی اہمیت پر خاصا زور دیا ہے ۔ بعض مغربی منطقین نے نحو کے منطقی پہلو کو اپنا موضوع بنایا ہے ۔ چنانچہ (Rudolf Carnap) کی کتاب (The Logical Syntax of Language) اسی نوعیت کی کوشش ہے ۔ اگرچہ اس کا میدان کار جدا ہے ، مگر نحویوں کو اس سے بعض نئے خیالات مل سکتے ہیں ۔ اس کتاب کے مصنف نے نحو کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) نحو خصوصی (Special Syntax) اور (۲) نحوعمومی (General Syntax) نحو خصوصی

اس کی مراد وہ خاص نحوی اصول و قواعد ہیں جو خاص اس زبان سے متعلق ہیں اور اپنی ہم خاندان زبانوں میں اس کی انفرادیت کو نمایاں کرتے ہیں ۔ نحو عمومی کے تحت وہ عام نحوی قواعد آتے ہیں جو اور دوسری سب زبانوں یا خاندان کی دوسری زبانوں سے بھی متعلق ہیں ۔ نحو جملے کی تفصیلی یا ترکیبی نوعیت سے بحث کرتی ہے ۔ Carnap جو منطقی ہے ۔ منطق کے زیر اثر جملے کی ایک اور نوعیت سے (Contradictory) کو بھی زیر بحث لاتا ہے ۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یسپرسن نے (Negation) کی بحث میں منطق سے فائدہ اٹھایا ہے اور Contradictory کو (Contrary) سے ممیّز کرنے کے لیے منطقی فرق ہی کی نشان دہی کی ہے ۔ بہر کیف ، نحو کا میدان نئے تجربات کا طالب ہے اور جسے واقعی جامع نحو کہیں وہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے ۔

تقابلی مطالعے کو نحو میں کتنی جگہ ملنی چاہیے ، یہ بھی غور طلب ہے ۔ مولوی عبدالحق اُردو کے پہلے اہل زبان قواعد نویس ہیں جنھوں نے تقابلی نحو کے بعض نکات کو اپنے حصہٴ نحو میں جگہ دی ہے ۔ ابھی تقابلی مطالعے کو اُردو نحو میں زیادہ زیادہ اور مناسب جگہ ملنی اب بھی باقی ہے ۔ تقابلی نحو کی ترتیب نو پر مغرب کے نحویوں نے فکر انگیز خیالات پیش کیے ہیں ۔ یسپرسن نے جملے کی ہیئت کو نقطہٴ آغاز بنانے کے بجائے معنی کو نقطہٴ آغاز بنا کر ہئیت پر پہنچنے پر زور دیا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب تک سامع کو نحوی نظام میں بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے جس کو پہلے جملے کی ہئیت سے سابقہ پیش آتا ہے ، پھر وہ اس معنی یا خیال تک پہنچتا ہے جو قائل یا متکلم سامع تک پہنچانا چاہتا ہے ۔ جب کہ قائل یا متکلم کا معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ اس کے ہاں پہلے معنی یا خیال ہے پھر وہ مناسب الفاظ اور اسلوب کے عمل سے گزر کو ہئیت تک پہنچتا ہے ۔ اوٹو یسپرسن اس فرق کو یوں ظاہر کرتا ہے :

Speaker : Notion→Function→Form

Hearer : Form →Function→Notion

نحو کی تدوین نو میں یہ انداز جدید بھی ہے اور زیادہ بہتر اور نظری

بھی ۔ جملے کی ساخت اور اقسام پر غور کرتے وقت قائل کے مقصد کو اہمیت دینا ضروری ہے ۔

روسی مصنفہ مو نیا چرنیکووا نے ”اُردو کے صیغے“ لکھ کر اُردو نحو میں بعض جدید ترین رجحانات کو پیش کیا ہے ۔ اوٹو یسپرسن نے زمانے کے نحوی مطالعے کے سلسلے میں جو خیال انگیز اور غور طلب تجاویز پیش کی تھیں ، انھیں اس مصنفہ نے اُردو کے نحوی استعمال کی تحقیق میں کامیابی سے برتا ہے ۔ یہ اُردو قواعد نویسی میں ایک نئی چیز ہے جو اُردو نحو کے دوسرے پہلوؤں پر ایسی نوعیت کے تخصیصی و تحقیقی مطالعے کی راہیں کھولتی ہے اور اس انداز کی تحقیق مزید اُردو نحو کو ایسی وسعت دے سکتی ہے جو قواعد نویسی کے میدان میں اُردو کو بہت آگے لے جائے گی ۔

باب اول

جملے کی ساخت

جملے کی اقسام ــــ قائل کے مقصد کے پیشِ نظر

معنوی لحاظ سے جملے کی ساخت میں اوّلین اہمیت قائل کے مقصد کو حاصل ہے - پس صدق و کذب کے احتمال کو جملے کی اقسام کی بنیاد بنانے کے بجائے (جیسا کہ ہمارے قواعد نویس ، نحاۃ عرب کی تقلید میں کرتے آئے ہیں) یہاں قائل کے مقصد کے پیش نظر جملے کی اقسام پیش کی جاتی ہیں -

قائل کے پیش نظر کبھی یہ مقصد ہوتا ہے کہ مخاطب کو کسی بات سے مطلع کیا جائے ، کبھی کسی شے کے بارے میں استفہام مقصود ہوتا ہے، کبھی کسی فعل کے کرنے نہ کرنے کا حکم یا التماس یا کسی شے کے حصول کی تمنا اور کبھی فجائی جذبات کا اظہار -

اس لحاظ سے جملے کی اقسام یہ ہیں :

(۱) خبر
(۲) استفہام
(۳) امر
(۴) فجائیہ

اب ذیل میں ہر ایک کی تفصیل پیش کی جاتی ہے :

(۱) خبر

اس سے مراد وہ جملہ ہے جس کے اجزائے ترکیبی میں باہم ایسی

نسبت ہو کہ مخاطب کو کوئی خبر معلوم ہوتی ہو ۔ مثلاً رات بارش ہوئی ، آج اتوار ہے ، کل بازار بند ہے ۔

اجزائے ترکیبی میں باہم ایسی نسبت کو اسناد خبری کہتے ہیں ۔

اسناد خبری کے فوائد :

خبر سے قائل کا مقصد بعض فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے جو یہ ہیں :

۱۔ **فائدۂ خبر :** یا تو قائل کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ نا واقف سامع کو کسی بات سے مطّلع کرے ۔ اس کا نام فائدۂ خبر ہے ۔ مثلاً اب میں بالکل اچھا ہوں ۔ اسے رہنے کو ایک مکان مل گیا ۔ ایک گھنٹے بعد کھانا تیّار ہوگا ۔

۲۔ **لازم فائدۂ خبر :** یا قائل کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ واقف سامع کو اپنے علم سے آگاہ کرے کہ جس بات کو تم جانتے ہو ہم بھی جانتے ہیں ۔ مثلاً کوئی شخص کسی آدمی کی تعریف کرے اور دوسرا شخص کہے کہ وہ آدمی بہت اچھا ہے ۔ (یعنی میں بھی اس سے واقف ہوں)

(بحرالفصاحت ۳۸۹)

دوسری مثال : جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

''جانتا ہوں'' یعنی تمھاری اس بات کو میں بھی جانتا ہوں ۔

۳۔ فائدۂ خبر اور لازم خبر کے واقف کو انجان قرار دے کر قائل کوئی بات کہے جیسے وکیل ، جعلساز کو کہے کہ ''سنو ! جعلسازی بڑا جرم ہے ۔'' یا ایک بے نماز سے کہا جائے کہ ''حضرت نماز فرض ہے ۔'' یا سودا کا یہ مصرع :

منہ میں خدا نے دی ہے زباں بات کے لیے

(تذکرۃ البلاغت ۔ ۱۱)

جملۂ خبریہ کا مجازی استعمال :

کبھی مجازاً جملۂ خبریہ سے اظہارِ شان و شوکت ، تحزّن و تحسّر ،

شکر ، مدح و ثنا ، طنز وغیرہ بھی مقصود ہوتا ہے ۔ اس کی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں ۔

(الف) اظہار شان و شوکت :

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعرِ نغز گو و خوش گفتار

(غالب)

(ب) تحزّن و تحسّر :

ہے تیری ذات سزاوارِ ہر ثنا یا رب
کیا ذلیل کو تو نے جلیل کا محرم
چراغِ قافلۂ درد ہے دلِ پُر درد
صدف ہے سینے کا گنجینہ دارِ گوہرِ غم
ہجومِ شوق ہے شاعر ہے اور تنہائی
جگر فگار ، نفس سوختہ ، مژہ پرنم

(عبد العزیز خالد)

(ج) شکر گزاری :

ہمارے واسطے اے ربِ معبود
کرم ماں باپ سے تیرا ہے افزود

(سودا)

(د) مدح و ثنا :

اس کی مدد سے فوجِ ابابیل نے کیا
لشکر تباہ کعبے پہ اصحابِ فیل کا

(ظفر)

(ہ) طنز :

مثلاً حکیم رضی الدین خاں کی اس بات کے جواب میں کہ آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا ، غالب کا یہ کہنا : ”بے شک گدھا نہیں کھاتا “ ۔

مؤکّدات ِ خبر :

مؤکّدات خبر سے مراد وہ تاکیدی الفاظ ہیں جو قائل خبر میں مخاطب کے تردّد یا انکار کے پیش ِ نظر لائے - مثلاً بے شک ، اِصلا ، ہرگز ، مطلق وغیرہ -

تاکید کی تقویت کے لیے آنے والے الفاظ :

بعض الفاظ مؤکّدات ِ خبر کی تقویت کے لیے بھی آتے ہیں - مثلاً ''تو'' (جو اردو کا مخصوص لفظ ہے) تاکید کی تقویت کے لیے آتا ہے - جیسے میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا -

''کب کا'' ''کب کی'' اور ''کب کے'' کی بھی یہی صورت ہے - یہ الفاظ بھی تاکید کی تقویت کا فائدہ دیتے ہیں جیسے :

ع وہ آئے بھی اور گئے بھی کب کے ، نظر میں اب تک سما رہے ہیں
(جگر)

مؤکّدات خبر کے لحاظ سے خبر کی قسمیں :

مؤکّدات خبر کے لحاظ سے خبر کی تین قسمیں کی گئی ہیں جنہیں اصطلاح میں (۱) ابتدائی (۲) طلبی اور (۳) انکاری کہتے ہیں -

ذیل میں ہر ایک کی تعریف درج کی جاتی ہے -

۱ - ابتدائی - جب کہ خبر کے ساتھ کوئی تاکید کا لفظ نہ ہو تو اسے ابتدائی کہتے ہیں -

۲ - طلبی - جب کہ مخاطب کو شک اور تـردد ہو تو اس وقت کوئی مؤکّد لا کر خبر کو تقویت دینا مستحسن ہے - بطور استحسان تاکید آئے تو اسے طلبی کہتے ہیں -

۳ - انکاری - مخاطب کو انکار ہو تو اس صورت میں مؤکّدات کا لانا ضروری ہے - بطور وجوب کے ، تاکید کے الفاظ لائے جائیں تو اس خبر کو انکاری کہتے ہیں -

مؤکّدات کے استعمال کے سلسلے میں دو ضروری تصریحات :

(الف) بغیر مخاطب کے تـردد و انکار کے ، مؤکّدات نہیں لائے جاتے

لیکن کبھی غیر منکر کے ساتھ منکر کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔

(ب) اور کبھی منکر کو غیر منکر مان کر خبر کو بغیر تاکید کے لاتے ہیں بشرطیکہ مخاطب کے غور و تامل کرنے پر انکار کی وجہ باقی نہ رہنے کا قرینہ موجود ہو۔

(۲) استفہام

وہ جملہ جس میں قائل حقیقتاً یا مجازاً مخاطب سے طلب خبر کرے جملہ استفہامیہ ہے۔ مثلاً، تم کہاں رہے؟ کون آرہا ہے؟ ہوائی جہاز کب جائے گا؟

استفہام کی قسمیں:

حقیقی استفہام تو یہی ہے کہ قائل مخاطب سے طلبِ خبر کرے لیکن مجازاً استفہام سے مقصود طلبِ اقرار اور طلبِ انکار بھی ہو سکتا ہے۔ پس استفہام کی تین قسمیں ہیں: استخباری، اقراری، انکاری۔

(۱) **استفہام استخباری:** یہ کہ قائل مخاطب سے طلب خبر کرے، عام اس سے کہ در حقیقت قائل اس سے واقف نہ ہو یا تجاہل عارفانہ کرتا ہو۔

مثال اول: ”لو صاحب اب وعدہ وفا کب کرو گے؟ علائی کو کب بھیجو گے؟“

(غالب)

مثال دوم:

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

(غالب)

(۲) **استفہام اقراری:** اس میں بظاہر انکار ہوتا ہے اور حقیقت میں اثبات مقصود ہوتا ہے۔ قائل اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے مخاطب سے اس بات

کا اقرار چاہتا ہے جو قائل کے نزدیک ثابت ہوتی ہے مگر پیرایہ استفہام کا اختیار کرتا ہے ۔

مثال :

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے
(غالب)

(۳) استفہام انکاری : اس میں بظاہر اثبات معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت نفی ہوتی ہے ۔

مثال :

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری
(غالب)

کلمات استفہام :

کلمات جو استفہام کے واسطے آتے ہیں یہ ہیں :

آیا ، کیا ، کون ، کس لیے ، کس واسطے ، کس طرح ، کیوں کر کیسے ، کیسی ، کیسا ، کاہے کو، کب ، کدھر ، کہاں ، کے ، کتنی ، کتنا ، کتنے ، وغیرہ ۔

اب ذیل میں ان کلمات کے محل استعمال کی وضاحت مع مثالوں کے ، پیش کی جاتی ہے ، جو بحرالفصاحت سے مستفاد ہیں ۔

(۱) آیا : یہ کبھی طلب تصور کے لیے ”آتا ہے جیسے ، آیا گھر میں کوئی مرد ہے یا عورت۔“

اور کبھی طلبِ تصدیق کے لیے آتا ہے جیسے ”آیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے یا میرے بھائی کو ۔“

غرض کہ دونوں صورتوں میں اس کلمۂ استفہام کے ساتھ ”یا“ (یاے شرطیہ منفصلہ) بھی لاتے ہیں یعنی جملے کا پہلا جزو کلمۂ استفہام

''آیا'' سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا جزو یائے شرطیہ منفصلہ سے۔

مثال :

شب درد و غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا
آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا

(میر)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جملے کا دوسرا جزو جو یائے شرطیہ منفصلہ سے شروع ہوتا ہے محذوف ہوتا ہے اور جزو اول قرینے سے معلوم ہوتا ہے جیسے کہیں کہ ''آیا کوئی بچہ آیا ہے۔''

اس قول میں اگر شبہہ نفسِ فعل میں ہوگا تو دوسرا جزو ''یا نہیں آیا ہے'' محذوف سمجھا جائے گا یعنی مراد یہ ہوگی کہ آیا کوئی بچہ آیا ہے یا نہیں آیا ہے اور اگر شک فاعل میں ہوگا تو دوسرا جزو ''یا بڑا'' محذوف سمجھا جائے گا۔ یعنی مراد یہ ہوگی کہ آیا کوئی بچہ آیا ہے یا بڑا۔

(۲) کیا : یہ کبھی طلب تصور کے لیے آتا ہے جیسے کہیں کہ ''کیا برتن میں پانی ہے ؟'' اور کبھی طلب تصدیق کے لیے جیسے کہیں ''کیا چھٹی ہوگئی۔''

۔۔۔کیا ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں میں مستعمل ہے مثلاً کہا جائے ''وہ شوخ تند خو کیا ہے۔'' یا غیر ذوی العقول کے لیے یوں لائیں ''کیا تکلیف ہے ؟'' ''یہ کیا طریقہ ہے ؟''

۔۔۔کیا بطور ضمیر استفہامیہ بھی آتا ہے ، مثلاً ''کیا چاہیے؟'' ''کیا کروں ؟''

۔۔۔اور کبھی صفت کے مقام پر آتا ہے جیسے کہیں کہ''سبحان اللہ! کیا بات کہی ہے۔''

۔۔۔نیز کیا مکرر بھی لاتے ہیں یعنی ''کیا کیا''۔ یہ وقوعِ فعل کی

کثرت کے لیے آتا ہے مگر اس طور سے کہ ہر فعل فرداً فرداً واقع ہو ، ''مثلاً کیا کیا غلط بیانیاں کی جا رہی ہیں ۔''

(۲) **کون** : یہ ضمیر استفہامیہ اکثر تعین ذوی العقول کی طلب کے لیے آتی ہے مثلاً ''کون کہتا ہے کہ آپ بڑے ہیں'' ۔ ''کون چیخ رہا ہے ۔''

ع کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق

---اور کبھی دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر غیر ذوی العقول کے واسطے بھی کون آتا ہے جیسے :

وہ کون جا ہے جہاں چاہ زیر کاہ نہیں

(ناسخ)

نوٹ - یہ استعمال شاذ ہے اور وہ بھی شعر میں ، نثر میں یوں نہیں آتا ۔

---واضح رہے کہ **کون** صرف فاعلی حالت میں آتا ہے اور اس کے ساتھ علامت فاعل (نے) کبھی نہیں آتی ۔

---**کون** طلب تصور کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ ناسخ کے اس مصرعے میں جو اوپر آچکا ہے ۔

اور کبھی طلب تصدیق کے لیے بھی آتا ہے جیسے اس مثال میں

ع اوپر کا تھا کون آنے والا (گلزار نسیم)

---کبھی کون کے ساتھ ''سا'' ، یا ''سی'' یا ''سے'' لاحق کر کے بھی لاتے ہیں یعنی کون سا ، کون سی ، کون سے ۔ محل استعمال یہ ہے کہ کون سا ہمیشہ ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں کئی میں سے ایک مقصود ہو ، مثلاً بہت آدمی ہوں اور کہیں ''کون سا آدمی دیر سے آیا ہے ۔''

---**کون** اور **کون سا** کا فرق ۔ اگر کہیں ''یہ کون ہے'' تو اس کے معنی ہوں گے یہ کون شخص ہے ۔ لیکن اگر کہا جائے ''کون سا ہے'' تو یہ غیر ذوی العقول کے لیے سمجھا جائے گا کہ

کون سا مکان ہے ، کون سا شہر ہے ، کون سا قلم ہے ، وغیرہ ۔

---البتہ اگر "کون سا" مجرّد نہ ہو بلکہ کسی اور لفظ کے ساتھ مل کر آئے تو یہ تخصیص نہیں رہتی اور ذوی العقول اور غیر ذوی العقول میں مشترک ہو جاتا ہے ۔ جیسے کون سا آدمی ، کون سا مکان ۔

---کون مکرر بھی آتا ہے جیسے "کون کون ہمارے ساتھ چلے گا ۔"

---"کون سا" یا "کون سی" یا کون سے" کی تکرار نہیں ہوتی یعنی یوں نہیں کہتے کہ کون سا کون سا ، یا کون سی کون سی ، یا کون سے کون سے ؛ بلکہ کون کون کے ساتھ سا ، سی ، سے ، کو لاحق کرتے ہیں ، یعنی کون کون سا ، کون کون سی ، کون کون سے ۔"

(۴) کیوں ، کس لیے ، کس واسطے : یہ طلبِ سبب کے واسطے آتے ہیں۔ جیسے ، کیوں میرے پیچھے پڑے ہو ۔

ع یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے

کس واسطے اتنی زحمت برداشت کرتے ہو ۔

(۵) کیسا ، کیسے ، کیسی : کیفیت اور حال اور وضع و روشِ کار کی طلب کے لیے آتے ہیں ۔ مثلاً کیا برا زمانہ آ گیا ہے ۔

ع ادائے فرض پر اہلِ وفا کا شکریہ کیسا

کیسی عجیب بات کہی۔

یہ الفاظ مکرر بھی آتے ہیں مثلاً کیسے کیسے ارباب کمال اٹھ گئے۔

ع ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

(۶) کب : تعین زمانہ کی طلب کے واسطے آتا ہے ۔ "دیکھیے کب دن پھرتے ہیں "۔ "ڈاک کب آئے گی ۔"

---کب کا ، کب کی ، کب کے ، بھی آتے ہیں مثلاً "نوکر کب کا گیا ہوا ہے" ۔

---کب سے بھی مستعمل ہے جیسے کہیں کہ یہ شکایت کب سے ہے۔

کب تک بھی آتا ہے جیسے ''کب تک بیٹھنا پڑے گا''

کب مکرر بھی آتا ہے جیسے، ''بیٹھیے بھی، آپ کب کب آتے ہیں'' ''ٹیلیفون کب کب استعمال کیا گیا ہے، ساری تفصیل بتاؤ۔''

(۷) کہاں، کدھر: تعین مکان کی طلب کے واسطے آتے ہیں۔ کدھر میں سمت کا مفہوم بھی آتا ہے۔

مثال:

وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی
(غالب)

---اضافی حالت میں، کا، کی، کے، سے مل کر آتے ہیں مثلاً:

ع کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

ع مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

---کدھر سے

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ (جگر)

---کہاں سے

ع سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں (غالب)

---کدھر کو

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
(غالب)

---کہاں تک

ع کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا (غالب)

(۸) کس، کن، کنھوں: طلب تعین کے واسطے آتے ہیں۔ کس واحد ہے؛ کن، کنھوں جمع۔

(الف) کس اگر تنہا ہو تو غیر ذوی العقول پر صادق نہیں آتا ۔
اور جو کوئی دوسرا لفظ اس کے ساتھ ملا دیا جائے تو
ذوی العقول کے ساتھ خصوصیت باقی نہیں رہتی ۔ مثلاً :

ع آئے تھے دنیا میں کس دن کے لیے

مختلف حالتوں میں استعمالات :

فاعلی حالت
(کس نے)

اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے (غالب)

مفعولی حالت
(کس کو ، کسے ، کس سے)

کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے (غالب)

بے ہے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آ گہی (غالب)

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو (غالب)

اضافی حالت
(کس کا ، کس کی ، کس کے)

ع نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا (غالب)

ظرفی حالت
(کس میں)

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں (غالب)

کس مکرر بھی آتا ہے جیسے کس کس نے کھانا کھا لیا ہے ۔

(ب) کن جمع کا صیغہ ہے ، فاعلی حالت کو چھوڑ کر باقی میں
مستعمل ہے ۔ مفعولی حالت میں کن کو یا کنھیں ، اضافی

حالت میں کن کا ، کن کی ، کن کے ، ظرفی حالت میں کن
میں وغیرہ ۔

مثال :

پھول جنگل میں کھلے کن کے لیے (امیر)

کس کی طرح کن بھی مکرر آتا ہے ۔ مثال :

''کن کن چیزوں سے دنیا میں رہ کے پرہیز کیجیے۔''

اور تیری کن کن باتوں کا گلہ لے بیٹھیے۔ (دریاے لطافت)

(ج) کنھوں فاعلی حالت میں بصیغۂ جمع آتا ہے ۔ مثال :

''کنھوں نے کہا''

لیکن فصیح تر یہ ہے کہ اس مقام پر کن اسم جمع کے ساتھ یوں لگایا جائے ''کن لوگوں نے کہا ۔'' کنھوں مکرر نہیں آتا ۔

(۹) کے : صرف طلب عدد کے واسطے آتا ہے ۔ جیسے کے روپے ، کے دن

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

(غالب)

(۱۰) کتنا ۔ کتنے کتنی :

طلب عدد کے لیے بھی یہ الفاظ آتے ہیں اور اس تعین مقدار کے لیے جو غیر عددی ہو ۔

مثالیں :

کتنے روپے خرچ ہوئے ۔

ع سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن (غالب)

اتھلی ندی میں نہ ہونے پہ ہے کتنا پانی (آرزو لکھنوی)

(۱۱) کاہے کو :

زندگی کاہے کو اک خواب ہے دیوانے کا (فانی)

حذف حرف استفہام :

کبھی حرف استفہام مقدّر ہوتا ہے ، مذکور نہیں ہوتا اور صرف قرینے سے جملے کا استفہامیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے - جیسے

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا (غالب)

استفہام مجازی اور اس کے فوائد :

استفہام حقیقی وہ ہے کہ قائل کا مقصد اس سے حقیقتاً طلبِ خبر ہو - لیکن کبھی استفہام کا پیرایہ طلبِ خبر کے علاوہ اور معنے بھی رکھتا ہے- مثلاً اقرار و انکار، اظہار تعظیم و عظمت ، تعریف و تحسین ، تمسخر و خوش بختی ، تحقیر ، زجر و توبیخ ، تجاہل ، تعجب ، تأسّف و تحسّر وغیرہ - اسے استفہام مجازی کہتے ہیں -

غور سے دیکھا جائے تو استفہام مجازی سے خبر کا مقصد پورا ہوتا ہے اور قائل زیادہ وضاحت کے لیے یہ انداز اختیار کرتا ہے - ذیل میں اس کی مثالیں درج کی جاتی ہیں -

مبالغہ و کثرت کے لیے :

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہو گئی (غالب)

یعنی بہت لڑائی ہو گئی -

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

یعنی بہت خوب آدمی تھا -

تعجب کے لیے :

کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی
اف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی (جگر)

تعریف و تحسین کے لیے :

جرأت کی غزل جس نے سنی اس نے کہا واہ
کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے و اللہ (جرأت)

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی
دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی (انیس)

طنز کے لیے :

عشق و مزدوریِ عشرت گہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکونامیِ فرہاد نہیں (غالب)

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی (غالب)

حقارت کے لیے :

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے (غالب)

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے (غالب)

مساوات کے لیے :

کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا ، نالہ کیا ، فریاد کیا (مومن)

ع کیا قصیدہ کیا غزل کیا قطعہ بند (سودا)

استغنا کے لیے :

جیسے کہیں کہ " اسے لے کر کیا کروں گا " ۔

نہی کے لیے :

"میں کیا جانوں" یعنی میں نہیں جانتا ۔

اثبات کے لیے :

ع زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

یعنی ضرور بڑھ آئیں گے ۔

تفسیر کے لیے :

آدمی کیا ہے دیو کا دیو ہے

بیان کے لیے :

کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے ایک شخص شور مچاتا چلا آتا ہے ۔

تاسّف و تحسّر کے لیے :

ع کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے (درد)

(۲) امر

وہ جملہ جو طلبِ فعل پر دلالت کرے امر ہے اور یہ صرف صیغۂ امر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صیغۂ مضارع اور صیغۂ مصدر اور فعل تحریصی و ضروری (یہ اصطلاح انشا نے دریاے لطافت میں استعمال کی ہے) بھی طلب فعل پر دلالت کرتے ہیں ۔ مثلاً :

(۱) امر بصیغۂ امر :

جاؤ اپنا راستہ لو ۔ تشریف رکھیے ۔

(۲) امر بصیغۂ مضارع :

اب آپ آرام کریں ۔

ع نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

(۳) امر بصیغۂ مصدر :

سنبل مرا تازیانہ لانا ۔ شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا ۔

(۴) امر بفعل تحریصی و ضروری :

کچھ تو کیا چاہیے ۔ دیکھا چاہیے ۔

ع نامِ خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیے (میر)

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے
(غالب)

——یہاں امر کے بارے میں یہ صراحت ضروری ہے کہ وسیع تر معنوں میں ، اس میں حکم کے ساتھ التجا یا تمنّا یا دعا بھی شامل ہے اور نہی بھی کہ کسی فعل سے روکنا یا طلبِ ترکِ فعل خود طلبِ فعل ہے ۔

——صاحب بحر الفصاحت نے امر کے جملے کے لیے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ طلب فعل بطریق استعلا و بزرگی ہو۔ وہ لکھتے ہیں :
"امر موضوع ہے کسی چیز کی طلب کے واسطے جو بطریق استعلا بزرگی کے کی جائے اور دلیل استعلا و بزرگی کی یہی ہے کہ جب سامع امر کے صیغے کو سنتا ہے تو اس کے ذہن میں فی الفور گزرتا ہے کہ متکلّم کو اس کام کے واسطے مامور کرتا ہے"۔

لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں ۔ جب امر کا جملہ امر کے صیغے کے ساتھ مخصوص نہیں اور نحو کی اصطلاح میں اس میں حکم کے ساتھ تمنا ، التجا ، اور دعا بھی شامل ہے تو یہ شرط کیوں کر درست ہو سکتی ہے ۔

ادب اور تعظیم کے لحاظ سے امر کی صورتیں :

مولوی عبد الحق نے ادب اور تعظیم کے لحاظ سے امر کی کئی غیر معمولی صورتیں پیش کی ہیں جو یہ ہیں :

علاوہ معمولی صورت کے ایک صورت یہ ہے : جائیو ، آئیو۔ مگر یہ صورت معمولی درجے کے لوگوں یا خدمت گاروں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں استعمال کی جاتی ہے ۔

البتہ ہو جیو ، رہیو وغیرہ دعا کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے دولت و اقبال میں ترقی ہو جیو ۔ مگر اس کا استعمال اب کم ہوتا جاتا ہے ۔

نوٹ ۔ نجم الغنی خاں رامپوری نے ع رکھیو غالب مجھے اس تلخ

نوائی سے معاف ، میں ''رکھیو'' کو صیغۂ مضارع کے طلب فعل پر دلالت کرنے کی مثال میں پیش کیا ہے - (بحر الفصاحت ۶۱۳) اور صراحت کی ہے کہ ''رکھیو'' در اصل رکھے تھا کہ مضارع واحد غائب کا صیغہ ہے - اس میں واؤ زیادہ کر دی ہے - در حقیقت امر کے صیغہ واحد حاضر میں کئی طرح کا تصرف کر کے اہل زبان مختلف معانی میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور ''رکھیو'' بھی انہیں تصرفات میں سے ہے - (اس سلسلے میں صاحبِ آئین اردو نے مفید توضیحات کی ہیں جو آگے درج کی جائیں گی -)

دوسری صورت ہے آئیے ، جائیے ، لائیے ، یہ ادب اور تعظیم کے لیے بڑے لوگوں سے گفتگو کرتے وقت استعمال ہوتی ہے - (کبھی ادب آموزی کے خیال سے چھوٹوں سے گفتگو میں بھی استعمال ہوتی ہے) مولوی عبد الحق نے بطور تنبیہ یہ بھی لکھا ہے کہ ''بظاہر یہی صورت بعض اوقات ، خصوصاً نظم میں مضارع کے لیے استعمال ہوتی ہے ، اسے امر نہ سمجھا جائے جیسے ''رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو'' لیکن اس مسئلہ میں ہم صاحب آئین اردو کو بہتر سمجھتے ہیں جو اسے امر بصیغۂ مضارع قرار دیتے ہیں - جیسا کہ اوپر آ چکا ہے -

حاضر کے ساتھ امر غائب جمع کا صیغہ استعمال کرنے سے بھی تعظیم کا پہلو نکلتا ہے جیسے آپ جائیں - آپ فرمائیں -

مولوی عبد الحق کی بعض دوسری تصریحات :

غائب اور متکلم کے صیغے صرف مشورے اور اجازت کے لیے آتے ہیں جیسے ہم جائیں ، وہ جائے ، اور یہ حالت مضارع کی ہے - جیسے ذرا میں بھی تو سنوں - کوئی میرے پاس نہ آئے - وہ اپنی بات پر قائم رہے -

امر مدامی حالیہ ناتمام کے بعد ''رہ'' کے آنے سے امر مدامی کی صورت پیدا ہوتی ہے - یعنی اس میں فعل کے ہمیشہ جاری رہنے کے معنی ہوتے ہیں - جیسے جیتا رہ ، کھاتا رہ - پھولتا پھلتا رہ -

صاحبِ اساس اردو کی بعض تصریحات :

علاوہ مخاطب کے غائب کو بھی حکم دیا جاتا ہے - اس صورت میں

مضارع غائب کا استعمال کرتے ہیں جیسے ، کہہ دو (اس سے کہہ دو) کہ یہاں نہ آئے۔

متکلّم کا صیغہ امر میں بہت استعمال ہوتا ہے۔ خاص خاص حالتوں میں آتا ہے جیسے میں جاؤں یا نہ جاؤں۔ یہ کام کروں یا نہ کروں۔ ہم کو چاہیے کہ ہم ایسا نہ کریں۔ مصدر سے امر کا کام لیتے ہیں تو اس سے تاکید مزید مقصود ہوتی ہے جیسے جلدی آنا۔

مزید تعظیم کے لیے امر غائب جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے آپ تشریف رکھیں۔

کبھی اور زیادہ تعظیم کے لیے امر کے بعد جیے ، جے ، دے بڑھا دیتے ہیں ، جیسے آئیے ، جائیے ، کیجیے ، دیجیے ، دیجے وغیرہ۔

نوٹ۔ کبھی یہ صیغہ (دیجے۔ کیجے۔ دیجیے۔ کیجیے۔) صیغہ متکلم مضارع کا بھی کام دیتا ہے مثلاً کہیے بمعنی میں کہوں ، اور لکھیے بمعنی میں لکھوں :

ع زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

یعنی میں اچھا کہوں"۔ اور یہی صورت اس شعر میں :

یہی جی میں آیا کہ گھر سے نکل
ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

نکل اور چل کی ہے۔ یعنی میں نکلوں اور میں چلوں۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس صورت میں مخاطب (اپنی ذات ، اے دل اے غالب ، اے ذوق ، یا اے صاحب شعر) محذوف تصور کیا جائے اور صیغۂ امر اپنے اصلی معنوں میں سمجھا جائے۔

کبھی مصدر کے بعد ہوگا ، پڑے گا ، لگا کر حکم میں تشدد اور سختی کا کام لیتے ہیں۔ جیسے تم کو یہ کام کرنا پڑے گا ، تم کو لکھنا پڑے گا۔ یہ ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کسی کو حکم ماننے میں انکار و تامل ہو۔

امر مرکب (کرم کر ، مہربانی فرمائیے) سے کبھی دوسرا جزو حذف کرتے ہیں - یہ صورت اشعار میں پیش آتی ہے - مثلاً :

ع بس کرم ، سوزِ دروں بُھن جائیں گے دل اور جگر (ذوق)

صاحب بحرالفصاحت کی ایک صراحت :

کیا چاہیے اور کہا چاہیے وغیرہ افعال کا نام صاحب دریائے لطافت نے فعل تحریصی اور ضروری رکھا ہے ، ایسے افعال امر کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور ضرورت پر مشتمل ہوتے ہیں - اگر حاضر کے ساتھ کلام کرنے کا اتفاق ہو تو امر حاضر کے حکم میں ہیں ، اور اگر غائب کے حق میں مستعمل ہوں تو امر غائب کے حکم میں ہوتے ہیں اور اگر متکلم کے نفس کی طرف اشارہ ہو تو متکلّم کے نفس کی تحریک سمجھی جائے گی -

صیغہ امر واحد حاضر میں تصرفات اور ان کے نحوی فوائد :

صاحب آئین اردو نے صیغہ امر واحد حاضر میں تصرفات کے چار قواعد اور ان کے مستثنیات کو منضبط کرنے کی کوشش کی ہے -

(۱) الف یا واؤ مجہول پر ختم ہونے والا صیغۂ امر واحد حاضر مثلاً جا سے جائیو ، رو سے روئیو -

(۲) یائے مجہول پر ختم ہونے والا صیغہ امر واحد حاضر مثلاً لے سے لیجو یا لیجیو -

استثنا ـــــ سینا اور کھینا کے امر واحد حاضر سے اور کھے میں یائے مجہول یائے معروف میں نہیں بدلتی، بر قرار رہتی ہے - سیو، کھییو -

(۳) یائے معروف پر ختم ہونے والا صیغہ امر واحد حاضر یعنی مثلاً پی سے پیجیو یا پیجوٗ -

استثنا ـــــ جینا مصدر کے صیغۂ امر واحد حاضر جس میں یائے معروف کے بعد یائے مجہول مضموم اور واؤ مجہول سکان بڑھاتے ہیں اور جیو کہتے ہیں -

(۴) حرف مذکورہ بالا کے علاوہ کسی اور حرف پر ختم ہونے والا صیغہ امر واحد حاضر مثلاً :

بھاگ سے بھاگیو ، جاگ سے جاگیو ، تول سے تولیو

صاحب آئین اردو نے صراحت کی ہے کہ ان تصریحات سے تاکید کے معنی نکلتے ہیں (آئین اُردو ۱۵۵)

صاحب آئین اردو کی دیگر تصریحات :

امر واحد کا صیغہ یا تو اظہار محبت کے لیے بولتے ہیں جیسے آ میرے لاڈلے ، یا حقارت و نفرت کے لیے :

جیسے ہٹ پرے ہٹ ، چل دور ہو ۔ یا خیال عظمت توحید الٰہی تا کہ شائبۂ شرک نہ پایا جائے ۔ الٰہی تو رحم کر ۔

آئیے گا ، جائیے گا ، سوئیے گا ، میں گا ، تاکید کے لیے بڑھایا جاتا ہے ۔
تعظیمی صورتوں آئیے جائیے ، پیجیے وغیرہ) کے ساتھ ضمیر حاضر آپ بولتے ہیں ۔ جناب ، حضرت ، آپ کے علاوہ حضور والا وغیرہ بھی بولتے ہیں ۔

کبھی امر کا صیغہ صرف بغرض تنبیہ آتا ہے ۔ اس معنی میں اکثر دیکھ یا دیکھو مستعمل ہیں ۔

اور کبھی تنبیہ کے لیے ان صیغوں کو مکرّر بولتے ہیں جیسے ٹھہر ٹھہر ، بچ بچ ، پڑھو پڑھو ، دیکھیے دیکھیے وغیرہ ۔ امر واحد حاضر کے اس قسم کے صیغے ، دوڑیو ، لیجیو ، لائیو ، وغیرہ بطریق نکرہ بھی استعمال کیے جاتے ہیں جیسے کوئی ہو تو دوڑیو ، کوئی پہنچیو ، کوئی خبر لیجیو وغیرہ ۔

امر تاکید کی ایک مخصوص صورت :

امر کے بعد کبھی "نہ" آتا ہے جس سے مقصد اثبات اور تاکید ہوتا ہے مثلاً آو نہ ہم بھی چلیں ۔ بیٹھیے نہ ۔

آو نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی (غالب)

یہاں نہ حرف نفی نہیں بلکہ حرف تاکید ہے ۔

امر کے ساتھ حرف تاکید ''تو'' کا استعمال :

کبھی ''تو'' بھی امر کے ساتھ تاکید کے لیے لاتے ہیں ، جیسے دیکھو تو ۔ سنو تو وغیرہ ۔ تاکید مزید کے لیے سہی کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے ۔ جیسے دیکھو تو سہی ، سنو تو سہی ۔

آؤ نہ اور آؤ تو کا فرق :

دونوں امر تاکید کے ذیل میں آتے ہیں لیکن ''آو نہ'' قائم مقام ہے اس جملے کا کہ ''کیوں نہیں آتے'' یعنی اس وقت بولا جائے گا جب کہ مامور کو آنے میں تردد ہو او حکم دینے یا التجا کرنے والا اس تردد کے سبب سے نا واقف ہو۔

اور ''آؤ تو'' میں ترغیب کا مفہوم ہے ، یعنی ایسا کرو گے تو بہتر ہو گا نیز اظہار استعجاب کا پہلو بھی نکل سکتا ہے جیسا کہ ''دیکھو تو'' کہتے میں ہے ۔

ع ہمارے ہو کے ہمیں سے حجاب ، دیکھو تو (جوہر)

امر کی امتناعی صورت (نہی) :

امتناعی صورت میں امر کے ساتھ نہ اور مت آتا ہے اور ان کے استعمال میں فرق ، بقول مولوی عبدالحق یہ ہے کہ نہ میں نفی اور کبھی امتناع بھی پایا جاتا ہے ۔ لیکن مت سے ہمیشہ نہی یا امتناع تاکیدی ظاہر ہوتا ہے ۔ یہ لفظ خاص اسی لیے مخصوص ہے اور اس میں نہ سے زیادہ زور ہوتا ہے ۔

نہیں یوں تو امر کے ساتھ نہیں لاتے مگر کبھی آخر میں لاتے ہیں جیسے گھبراؤ نہیں ۔ ڈرو نہیں ۔

انشا نے دریائے لطافت میں مت کے استعمال پر اعتراض کیا ہے ۔ ''بر زبان مسلاہائے مکتبی شاہجہان آباد و بعضے ہنود مت نہی باشد مانند مت جا ۰ ۰ ۰''

مگر مستند شعرا نے اسے استعمال کیا ہے :

میری تغییرِ رنگ پر مت جا
انقلابات ہیں زمانے کے . . (میر)

مولانا تمنّا عمادی نے افعال مرکبہ کی بحث میں ایک جگہ بالکل درست لکھا ہے کہ ''کچھ دنوں سے لوگوں نے مت کو خواہ مخواہ متروک قرار دے دیا ہے - اور صیغہ نہی کے لیے ''نہ'' ہی استعمال کرتے ہیں ، مگر اب تک بولنے میں بڑے بڑے فصحا ، مت بولا کرتے ہیں - (افعال مرکبہ ۸۲) پنڈت کیفی نے بھی ''کیفیہ'' میں مت کے استعمال کو درست قرار دیا ہے -

جملۂ امر کا مجازی استعمال :

جملۂ امر کا حقیقی استعمال توصرف یہی ہے کہ اس میں طلب فعل ہو مگر قائل کا مقصد امر سے صرف طلب فعل ہی نہیں ہوتا بلکہ مجازاً کچھ اور معنی میں بھی مستعمل ہے جو قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں مثلاً :

(۱) علّوِ شان کے لیے جیسے ''مقابلہ پر آؤ ، ایک ایک کو دیکھ لوں گا-''

(۲) تسویہ کے لیے ، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ نہی کا اس پر عطف ہو جیسے سودا ع گھوڑے کو دو نہ دو لگام، منہ کو ذرا لگام دو

(۳) دعا کے لیے، جیسے ع یا رب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

(۴) تمنّا کے لیے ، جیسے تو ہی اب مجھے راستہ بتلا

(۵) ترجّی کے لیے ، جیسے خدا کے لیے آؤ -

نوٹ : ممکن چیز کی آرزو کو ترجّی کہتے ہیں اور تمنّا کا لفظ محال اور ممکن دونوں کی آرزو کے لیے آتا ہے -

(۶) تہدید یا غصّے کے ساتھ خطاب کرنے کے لیے جیسے ، دیکھ (اس قدر ظلم اچھا نہیں)

(۷) عرض کے واسطے جیسے ، اپنے ملازم کو بھیج دیجیے

(۸) مساوات کے موقع پر جیسے ، حالی :

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو
اٹھو اہل وطن کے دوست بنو
مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

(۹) تخویف کے لیے جیسے ع جا ان سے نہ بولیو خبردار (نسیم)

حذف صیغہ امر :

کبھی جملۂ امر میں سے صیغۂ امر حذف کر دیتے ہیں اور مفعول کو قائم رکھتے ہیں ۔ مدعا اس سے یہ ہوتا ہے کہ مفعول کی اہمیت ثابت ہو جیسے ، سودا :

اس کو ہرگز نہیں حیا سے لگاؤ
جائے تو یہ کہے پلاؤ پلاؤ

یہاں صیغۂ امر ''لاؤ'' محذوف ہے یعنی پلاؤ لاؤ ۔ لاؤ حذف کرکے پلاؤ کی تکرار کرنے سے لفظ ''پلاؤ'' کی اہمیت ثابت ہو گئی ۔
(بحرالفصاحت ص ٦١٧)

دیگر تصریحات :

دعا ، علمائے نحو کے نزدیک امر میں داخل ہے ۔ البتہ علمائے معانی و منطق فرق کرتے ہیں ۔

التماس ، علمائے عرب کے نزدیک وہ امر ہے جو برابری کے موقع پر استعمال میں آئے مگر اردو اور فارسی کے محاورے میں التماس اس طلب کو کہتے ہیں جو بزرگوں سے کریں ۔

صاحب بحرالفصاحت کی رائے ہے کہ (امر کی امتناعی صورت یعنی) نہی اس طلب ترک فعل پر دلالت کرتی ہے جو فی الفور ظہور میں آئے ، پس یہی سبب ہے کہ حال میں مستعمل ہوتی ہے اور ماضی و مستقبل میں نہیں ۔

مولوی نجم الغنی خاں نے یہ رائے نہی کے ذیل میں ظاہر کی ہے، مگر امر پر بھی صادق آتی ہے ۔

امر کے جملے سے اجازت کا مفہوم بھی نکل سکتا ہے جو التجا سے جدا حیثیت رکھتی ہے ۔ مثلاً :

لو اور لے کا مخصوص نحوی استعمال ۔ استعجاب کے موقع پر اہل دہلی کی بول چال میں لو، لو صاحب، لو جی، کا استعمال رہا ہے مثلاً :

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے (غالب)

لو صاحب آپ بھی ناراض ہوگئے ۔

اہل لکھنو نے لے بھی استعمال کیا ہے جیسے "لے میں نے کب شکایت کی ۔"

اوٹویس پرسن (Otto Jesperson) نے نشان دہی کی ہے کہ امر مفروضہ بعض صورتوں میں حروف کی جگہ بھی آتا ہے ۔ یہ قول اردو زبان پر بھی صادق آتا ہے ۔ مثلاً فرض کرو اسے آنا ہے تو کیا مضائقہ ہے، یہاں جملہ فرض کرو (جو امر مفروضہ ہے) صرف شرط اگر کا کام کر رہا ہے ۔

امر کے بعض جملے حقیقی امر کا مفہوم نہیں رکھتے بلکہ محض خیالی طور سے امر کا مفہوم مستعمل ہوتا ہے مثلاً لو، دیکھو وغیرہ کا استعمال اس صورت میں :

لو ابھی تک یہیں ہو۔

دیکھو اس کتاب کو ہاتھ نہ لگاؤ

انھیں امر مفروضہ کہہ سکتے ہیں ۔

امر کے بعض مرکب صیغے اور ان کا نحوی استعمال :

روسی خاتون سونیا چرنیکووا نے تمام اور ناتمام کام کے اختلافات ظاہر کرنے کے لیے اور کام کے واقع ہونے کا طریقہ دکھانے کے لیے بعض

نمایاں صورتوں کو یوں پیش کیا ہے :

۱- پڑھتے جانا	(ترقی پذیر صورت)
۲- پڑھا کرنا	(وقفہ پذیر صورت)
۳- پڑھتے رہنا	(طویل صورت)
۴- پڑھے جانا	(استقلالی صورت)

یہ صورتیں امر میں بھی ہیں یعنی :

(۱) پڑھتا جا (۲) پڑھا کر (۳) پڑھتا رہ (۴) پڑھے جا :

ہمارے قواعد نویسوں نے اس قسم کی صورتوں کے نحوی استعمال کا فرق افعال مرکبہ کی بحث میں واضح کیا ہے - چنانچہ مولانا تمنّا عمادی نے اپنی کتاب ''افعال مرکبہ'' میں ''رفقاے افعال مرکبہ'' کے عنوان سے آنا ، اٹھنا ، بیٹھنا ، پانا ، پڑھنا ، پھرنا ، جانا ، چاہنا ، چکنا ، دیکھنا ، دینا ، ڈالنا ، رکھنا ، رہنا ، سکنا ، کرنا ، لگنا ، لینا ، نکلنا ، ہونا ، ۲۱ رفقائے افعال مرکبہ کا نحوی استعمال بتایا ہے جو امر پر بھی صادق آتا ہے -

ذیل میں ان نحوی استعمالات کو پیش کیا جاتا ہے -

(۱) آنا : قلیل الاستعمال ترکیبی حیثیت سے رفیق بن کر لازم افعال کے ساتھ عموماً آتا ہے جیسے نکل آ ، بھاگ آ -

(انھیں افعال مرکبہ کے بجائے اقوال متصلہ بھی قرار دے سکتے ہیں یعنی نکل کے آ ''بھاگ کے جا -''

(۲) اٹھنا : مثلاً بول اٹھا ، جاگ اٹھا - اس میں دفعۃً کسی کام کے کر گزرنے پر زور ہے -

(۳) بیٹھنا : مثلاً لڑ بیٹھ ، جھگڑ بیٹھ ، مل بیٹھ - اس میں یکایک کام کے کر لینے کا مفہوم ہے - مگر مل بیٹھ میں دفعۃً ، اچانک کا مفہوم محض ہلکا سا ہے -

(۴) پڑنا : مثلاً لڑ پڑ ، کود پڑ ، نکل پڑ ۔
یہ بھی دفعۃً ، یا حد کو پہنچا دیتا اور کام کے لیے موقعگی کا اظہار ایک حد تک کرتا ہے اور لفظاً فعل امر کے بعد آتا ہے ۔

(۵) پھرنا : مثلاً دوڑا پھر ، بھاگے پھرو ، ٹھوکریں کھاتے پھرو ۔ صیغۂ ماضی مطلق اور صیغۂ حال کا امالہ کرکے اس کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں ۔

(۶) جانا : مثلاً پڑھے جاؤ ، لکھے جاؤ ۔ یہ امر کی ترقی پذیر صورت ہے ۔

(۷) چاہنا : مثلاً تمھیں آج آنا چاہیے ۔ انشا نے اسے فعل تحریصی و ضروری کہا ہے ۔ مولانا تمنّا عمادی نے چاہیے کو چاہنا کا امر تعظمی قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ اس میں فاعل کی رغبت اور خواہش ظاہر ہوتی ہے اور یہ بتانے کے لیے بھی کہ کام عنقریب ہو جانے والا ہے مصدر کے یا ماضی مطلق کے ساتھ آتا ہے جیسے ، ان کو آج آ جانا چاہیے ۔ دلی والے چاہیے کی جمع چاہییں بولتے ہیں جیسے ، آپ کو روپے چاہییں ۔ مگر اہل لکھنؤ جمع کی صورت میں بھی چاہیے ہی لکھتے ہیں اور اہل لکھنؤ چاہیے ہے بھی جائز سمجھتے ہیں :

جو آرزو ہے دلا ہاتھ آئے صید مراد
تو چاہیے ہے سکوں اضطراب کے بدلے

(۸) چکنا : (اختتامی) مثلاً پڑھ چک ، کہا چک ، یہ کام انجام پانے کو ظاہر کرتا ہے ۔

(۹) چلنا : مثلاً نکل چل ، لے چل ۔ (یہ مختلف فیہ ہے یعنی بعض قواعد نویس علامت اتصال کو محذوف تصور کر کے انھیں افعال متّصلہ میں شمار کرتے ہیں یعنی نکل کے چل ، لے کے چل)

(۱۰) دیکھنا : مثلاً ''یہ بوی کرکے دیکھ'' یہاں بھی علامت اتّصال محذوف سمجھی جا سکتی ہے ۔

(۱۱) دینا : مثلاً یہاں سے چل دو ، ہنس دو ، کر دو ، کہہ دو ،

دکھا دو ۔ یہ صیغہ امر کے ساتھ عموماً آتا ہے اور صیغہ ماضی مطلق کے ساتھ آتا ہے تو متعدی ہی افعال کے ساتھ آتا ہے اور فاعل کے فعل کو مفعول تک پہنچا دینے کے مفہوم کو واضح کر دیتا ہے اور مفعول پر اثر اندازی کا اظہار کرتا ہے جیسے اٹھا دو ، بتا دو ، سلا دو ، بلا دو ۔ وغیرہ کسی دوسرے کی خاطر کوئی کام کرنا بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے ۔

(۱۲) دینا : مثلاً کہہ ڈال ، پڑھ ڈال ، پھاڑ ڈال ، متعدی افعال کے صیغہ امر کے ساتھ فعل کی تکمیل ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے یا صرف زور دینے کے لیے جیسے ۔ پھاڑ ڈال ، کھود ڈال ، کاٹ ڈال ۔

(۱۳) رکھنا : مثلاً روک رکھ ، لکھ رکھ ، دبا رکھ ۔ یہ قصد و جبر کا اظہار کرتا ہے ۔

(۱۴) رہنا : مثلاً سو رہ ، کھڑا رہ ، جاگتا رہ یہ استمرار و تسلسل کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور طویل صورت ظاہر کرتا ہے ۔

(۱۵) کرنا : مثلاً آیا کر، کھایا کر یہ وقفہ پذیر صورت ظاہر کرتا ہے ۔

(۱۶) لگنا : مثلاً رونے لگ ، کھانے لگ ، ہنسنے لگ ۔ یہ آغاز کار کے اظہار کے لیے عموماً مصدر کے الف کے امالے کے بعد اس کے ساتھ آتا ہے ۔

(۱۷) لینا : مثلاً بھاگ لو ، اٹھا لو ، اڑا لو ۔ یہ فعل کا تعلق فاعل کے مفاد یا اس کی ذات سے ایک حد تک ظاہر کرتا ہے ۔

(۱۸) نکلنا : مثلاً چل نکل ، پھوٹ نکل ، بہہ نکل ۔ مولانا تمنّا عمادی کے نزدیک ظاہر ہونے کا مفہوم ادا کرتا ہے ، مگر ہمارے خیال میں اس میں مشکلات و موانع کی حالت میں کام شروع کرنے کی ترغیب کا مفہوم نکلتا ہے ۔

(۴) فجائیہ

وہ جملہ جس سے اچانک جوش و جذبہ کا اظہار ہو فجائیہ ہے۔ دراصل

اس اچانک جوش و جذبہ کا اظہار کچھ خاص الفاظ سے ہوتا ہے جو بے تحاشا زبان سے نکل جاتے ہیں جنھیں حروف فجائیہ کہتے ہیں جیسے اوہو ، ہائے ، ارے ، وغیرہ ۔

یہ جس جملے میں آتے ہیں اس کا انداز بھی فجائی ہو جاتا ہے - ان حروف کا بیان باب ششم میں آئے گا ۔

جملے کے عناصر ترکیبی

۱- اسم ، صفت ، فعل اور متعلق فعل کی ترتیت و ترکیب

مبتدا ، خبر اور فعل ربط یا فعل ناقص سے بننے والے جملوں میں ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اول مبتدا (یا اسم) اس کے بعد خبر ، اس کے بعد فعل ربط ۔

متعدی افعال کی صورت میں اول فعل آتا ہے پھر مفعول اور اس کے بعد فعل ۔

فعل متعدی کا مفعول فعل سے پہلے اور اس کے بالکل قریب آتا ہے ۔ جیسے، میں نے خط لکھا ، لیکن جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو نحو کے اس اصول پر کہ ''تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر'' (مؤخر کو مقدم کرنے سے حصر و تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے) مفعول کو فاعل سے پہلے لاتے ہیں جیسے خط میں نے لکھا ۔

جب دو مفعول ہوں تو مفعول قریب (جو عموماً اشیا کے متعلق ہوتا ہے) فعل کے متصل آتا ہے جیسے ، میں تمھیں خط لکھوں گا ۔ لیکن جو افعال اس کی غرض و غایت کو ظاہر کرتے ہیں وہ ہمیشہ فعل کے متصل آتے ہیں جیسے میں تمھیں سمجھانے آیا ہوں ۔ لیکن حصر و تاکید کے لیے یہ الفاظ فعل کے بعد میں آتے ہیں جیسے ''یہ شخص اتنی دور سے آیا ہے تمھاری ہدایت کے لیے''۔

بعض اوقات بلا لحاظ زور و تاکید کے ، مفعول اول آ جاتا ہے جیسے،

آدمی کو آدمی کھائے جاتا ہے ۔ جب ہونا سے مشتق افعال آتے ہیں تو اکثر ایسا ہوتا ہے جیسے ناصح کو سودا ہوا ہے ۔ خصوصاً ظرفی اور طوری حالت میں جیسے گھر میں کوئی نہیں ۔ حامد کے پاس طوطا ہے ۔ لیکن ذیل کی مثالوں میں مفعول زور دینے کی غرض سے اول آیا ہے :

ان چیزوں کو کہاں لے جاتے ہو ؟

یہ کاغذ میرے کام کا نہیں ۔

جو تم کہو گے وہی کروں گا ۔

جہاں دو چیزوں کا مقابلہ ہوتا ہے وہاں زور دینے کے لیے ایک لفظ جملے کے پہلے حصے کے شروع میں آتا ہے اور دوسرا دوسرے حصے کے شروع میں جیسے ، محنت میں کروں اور چین وہ کرے ۔

فجائیہ جملوں میں بھی اظہار نفرت ، تعجب ، افسوس وغیرہ کے لیے ترتیب بدل دی جاتی ہے اور الفاظ تعجب ، افسوس وغیرہ جملے کے شروع میں آتے ہیں جیسے لعنت ہے ایسے کام پر ۔ افسوس تمھاری حالت پر ۔

لفظ منادیٰ عموماً اول آتا ہے ، لیکن زور دینے کے لیے آخر میں بھی آ جاتا ہے جیسے تو نے ایسا کیوں کیا ظالم ، تیری یہی سزا ہے کم بخت ۔ جب ضمائر ہر سہ قسم ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ترتیب حسب ذیل ہو گی :

اول ضمیر متکلم ، پھر مخاطب ، پھر غائب

جیسے ، ہم تم مل کر چلیں گے ۔ ہمیں تمھیں وہ ایک ہی سمجھتے ہیں ۔

ضمیر موصولہ ہمیشہ اول آتی ہے جیسے ، تم کرو وہی کروں گا ۔

ہر قسم کی صفات ان اسما سے قبل آئیں گی جن کی صفت بیان کرتے ہیں ۔ لیکن جب وہ بعد میں آئیں گی تو یا خبر کے طور پر استعمال ہوں گی یا زور یا خصوصیت کو ظاہر کریں گی جیسے یہ بڑا خوب صورت مکان ہے ۔ وعدہ پکا کرو ۔ وہ ہمیشہ کا روگی ہے ۔ وہ کچھ ہو بھی گئے ہیں مغرور ۔

کبھی زیادہ زور دینے کے لیے صفت کو اسم سے علیحدہ کرکے جملے کے آخر میں لاتے ہیں جیسے، یہ جنگ ہے بڑی خوفناک اور خون ریز۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ ملا، ہرا بھرا اور بہت اونچا۔

مرکبات بدلی میں کبھی بدل پہلے اور مبدل منہ بعد کو آتا ہے۔ اس صورت میں یہ دونوں بطور صفت موصوف کے آتے ہیں جیسے کالو چمار آیا۔ حاجی کا بیٹا شمسو گیا۔

مرکب اضافی میں کبھی ترتیب بدل جاتی ہے جیسے، یہ قلم آپ کا ہے - یہ کتاب میری ہے -

کبھی مضاف الیہ اور مضاف میں فعل آ جاتے ہیں جیسے یہاں تیرا کیا کام ہے۔ تمھارا کیوں دم بھروں۔

لیکن یہ فعل اسی وقت تک جائز ہے کہ مطلب سمجھنے میں کوئی زحمت نہ ہو۔

تمیز فعل (یا متعلقات فعل) خواہ الفاظ ہوں یا فقرے عموماً ان الفاظ کے قبل آتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ کبھی یہ تمیز فعل اور مفعول کے درمیان آ جاتی اور اس سے زور پیدا ہو جاتا ہے جیسے جلدی چلو۔ وہ شہر میں رہتا ہے۔ اس کا مزاج چڑا چڑا بہت ہے۔

اگر تمیز کا تعلق کل جملے سے ہوتا ہے تو وہ جملے کے شروع میں آتی ہے جیسے دفعۃً وہ چھت پر سے گر پڑا۔

ہی جو تمیز کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس کا استعمال اردو میں بکثرت ہے اور اسم، ضمیر، صفت، فعل کے ساتھ آتا ہے لیکن جس لفظ کی وہ تخصیص کرتا ہے اس کے بالکل متصل بعد میں آنا چاہیے جیسے:

گھر ہی میں رہو، آپ ہی چلیں، مینہ خوب ہی برسا، مرض کسی طرح جاتا ہی نہیں۔ وہ سنتے ہی چلا گیا۔

مولوی عبدالحق نے اور صاحب اساس اردو نے لکھا ہے کہ جہاں

فعل کے دو جز ہوتے ہیں وہاں ہی ان کے درمیان آتا ہے ۔ جیسے ''میں تو کروں ہی گا'' لیکن ہماری رائے میں بعد میں لانا فصیح ہے یعنی میں تو کروں گا ہی ۔

مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ ہے کے بعد جب ہی آتا ہے تو تلفظ میں ہی کی ہ گر جاتی ہے جیسے ، میرے ہئی نہیں ۔ ہمارے نزدیک ہے ھی لکھنا چاہیے ۔ ہئی کو معارف والوں نے رواج دینا چاہا تھا لیکن ہئی عام نہیں ہوا ۔

جب فعل کے ساتھ حالیہ معطوفہ ہو تو ہی ان دونوں کے درمیان آتا ہے ۔ جیسے آدمی کچھ کھو کر ہی سیکھتا ہے ۔

نہ کے ساتھ ہی کا لگنا جیسے ''نہ یہ ہوا نہ ہی وہ ہوا '' غلط بول چال ہے ۔

فعل جب مفرد ہوتا ہے تو حرف نفی ہمیشہ اول آتا ہے مگر مرکب ہونے کی حالت میں فعل کے اول ، نیز ہر دو جز کے درمیان ، دونوں طرح جائز ہے ، جیسے ، میں نہیں جا سکا ۔ میں جا نہیں سکا ۔

اسے نہ جانے دو ۔ اسے جانے نہ دو ۔

مفرد فعل کے ساتھ بھی، خصوصاً امر میں ، نہیں کبھی بعد میں آ جاتا ہے۔ جیسے، جانتا نہیں ۔ اٹھو مت ۔ اس میں کسی قدر تاکید پائی جاتی ہے ۔

فعل مجہول میں بھی جب حرف نفی امدادی فعل کے متصل آتا ہے تو اس میں بھی نفی کی تاکید مقصود ہوتی ہے جیسے مجھ سے یہ الفاظ سنے نہیں جاتے ۔

مرکب افعال کے اجزا میں زور اور تاکید کی غرض سے صرف حرف نفی سے فعل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے الفاظ سے بھی اسی غرض کے لیے فصل ہو جاتا ہے جیسے ، ہوں تو میں ایسا ہی ۔ وہ ہو تو ایسا ہی گیا ہے ۔

ہي کی طرح بھي انھي الفاظ کے متصل آتا ہے جن پر زور دینا مقصود

ہوتا ہے جیسے، میرا بھی ایک بھائی وہاں نوکر تھا۔

میرا ایک بھائی نوکر بھی تھا۔

پہلی مثال میں اپنے بھائی کی ملازمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر مقصود ہے۔ دوسری مثال میں بیکاری یا کسی دوسرے پیشے کے مقابلے میں صرف ملازمت پر زور دینا مقصود ہے۔

تو بھی زور یا تخصیص کے لیے آتا ہے اور ہمیشہ اس لفظ کے بعد استعمال ہوتا ہے جس پر زور دینا مقصود ہوتا ہے جیسے وہ تو ضرور آئے گا۔ مگر جب یہ لفظ شرط جواب میں آتا ہے تو وہاں صرف جزا کے لیے آتا ہے جیسے اگر آپ اجازت دیں تو جاؤں۔

جزوی عطف اور، کہ، یا، پر، لیکن، مگر، جو، اگرچہ، جملے کے شروع میں آتے ہیں لیکن زور کے مقام پر زور دینے کے الفاظ ان سے اول ہو جاتے ہیں جیسے وہ شخص آیا بھی تو میں اسے منہ نہ لگاؤں گا۔

مرکب جملوں میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ زور دینے کی غرض سے ما بعد کا جملہ ما قبل ہو جاتا ہے جیسے اس کا دل بڑا ہی سخت ہو گا جس نے ایسی سزا اس غریب کو دی ہے۔

شرط کا جملہ ہمیشہ جزا سے قبل آتا ہے۔ اسی طرح وہ تمیزی جملے جو زمان و مکان یا حالت ظاہر کرتے ہیں خاص جملے سے قبل آتے ہیں لیکن اگر زور خاص جملے پر ہے تو وہ اول آتا ہے جیسے، یہ تو ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے جب اس نے ایسی حرکت کی تھی۔

(مستفاد از قواعد اردو ص ۲۷۵ تا ۲۸۰)

۲۔ مسند الیہ اور مسند کے عناصر ترکیبی

مسند الیہ اور مسند کے عناصر ترکیبی کلمات ذیل ہوتے ہیں:

(۱) اسم: ایک یا ایک سے زیادہ اسم خواہ کسی قسم کے ہوں جیسے زید انسان ہے۔ غالب اور مومن، ذوق سے زیادہ اچھے شاعر تھے۔

(۲) **صفت :** ایک یا ایک سے زیادہ صفت خواہ کسی قسم کی ہو جیسے ، اچھے اچھوں سے ملتے ہیں ۔ پانچ اور پانچ دس ہوتے ہیں ۔

نوٹ : صفت مسند الیہ اس حالت میں ہوتی ہے جب اس کو بطریق اسم استعمال کیا جائے ۔

(۳) ضمیر : ضمیر خواہ کسی قسم کی ہو جیسے ، میں اس سے نہیں بولتا ۔ وہ مجھ سے نہیں ملا ۔

(۴) ایسا اسم یا ضمیر جو لفظ ''تک'' کے ساتھ آئے جیسے ، تم تک وہ نہیں پہنچا ۔ میں تم تک کیوں کر آؤں ۔ اس کا گھر تک چل گیا ۔

(۵) **مصدر :** جیسے ٹہلنا صحت کے لیے مفید ہے ۔ امتحان دینا آسان ہے ۔ چلنا پھرنا مفید ورزش ہے ۔

(۶) **مرکبات ناقص :** مرکبات ناقص کی تمام قسمیں جیسے، میرا قلم تم نے لے لیا ۔ تمھاری بھولی لڑکی کہاں ہے ؟ بخیل آدمی سے تم مت ملا کرو ۔ چھبیس کبوتر اڑ گئے وغیرہ ۔

(۷) صلہ اور موصول مل کر ہمیشہ مسند الیہ ہوتے ہیں اور ان کے بعد مسند ہوا کرتا ہے ۔

(۸) فعل بحیثیت فعل مسند الیہ نہیں ہوتا ، لیکن اگر بطریق اسم بولا جائے تو مسند الیہ ہوتا ہے ۔ جیسے 'آیا ہے' ماضی قریب کا صیغہ ہے ۔ اس مثال میں آیا ہے مسند الیہ ہے ۔

(۹) **کلمات :** ربط و عطف وغیرہ بھی جب تک بطریق کلمات عاملہ استعمال کیے جائیں مسند الیہ نہیں ہوتے ہیں اور جب بطریق اسم برتے جائیں تو مسند الیہ ہوتے ہیں جیسے سے ابتدا کے لیے آتا ہے ، تک انتہا کے لیے آتا ہے وغیرہ ۔

مسند الیہ اور مسند کے متعلقات :

مسند الیہ اور مسند کی توضیح یا تخصیص کے لیے جو کلمات آتے ہیں انھیں مسند ، مسند الیہ اور مسند کے متعلقات کہتے ہیں اور اکثر کلمات ذیل بطورِ متعلقات آتے ہیں :

(۱) اسم : جیسے ، مئی کا مہینا ختم ہو گیا ۔ زید آج آئے گا ۔ تم نے لڈو کھا لیے ۔

(۲) ضمیر : جیسے ، تمھاری باتیں ناپسند ہیں ۔ سارے بچے کھیلیں گے ۔ اس کے پاس کوئی آیا ہو گا ۔

(۳) صفت : جیسے ، ہرا بھرا باغ زید کا ہے ۔ تم بڑے دانشمند ہو ۔

(۴) مقدار : جیسے، تم دو من آٹا لے آؤ ۔ میں نے دس گز ململ رنگوائی ہے ۔ مٹھی بھر دانے لے آؤ ۔

(۵) عدد : چار مہمان آ گئے ہیں ۔ بیسیوں مرد جا رہے ہیں ۔ تم چاروں طرف کیوں دیکھ رہے ہو ؟

(۶) اضافت : جیسے، وہ زید کا دشمن جا رہا ہے ۔ میں فرید کے بھائی سے ملا ۔

(۷) مرکب ناقص : جیسے، تمھارا بھیجا ہوا آدمی میرے پاس آ گیا ۔

(۸) شبہ فعل : جو کلمات شبہ فعل کہلاتے ہیں ان میں سے اسم فاعل مسند الیہ کی وضاحت کے لیے آتا ہے ، جیسے، وہ جانے والا گیا ۔

نوٹ : فعل لازم کی صورت میں اسم فاعل ہمیشہ مسند الیہ کی وضاحت کرے گا، اور اسم مفعول کا استعمال بالعموم مسند کی وضاحت کے لیے کیا جاتا ہے ، جیسے، میں نے خریدے ہوئے آم پھیر دیے ۔

(۹) حالیہ ماضی (الف) اگر اصل فعل لازم ہے تو حالیہ ماضی سے مسند الیہ کی وضاحت کی جاتی ہے جیسے ، وہ ہنستا ہوا آیا ۔

(ب) اور اگر اصل فعل ، متعدی ہے تو حالیہ ماضی سے خواہ وضاحت مسند الیہ کی کی جائے یا مسند کی ، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے ، جیسے وہ جاتا ہوا مجھے ملا ۔ وہ مجھے جاتا ملا ۔ اس نے کھڑے ہوئے آدمی کو دھکا دیا ۔

(ج) حالیہ ماضی جس میں مطابق کے صیغوں کو مکرر بولتے ہیں ہمیشہ مسند الیہ کی وضاحت کے لیے برتا جاتا ہے جیسے ، وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ۔

(۱۰) متعلق فعل : کلمات جو متعلق فعل ہوتے ہیں وہ بھی مسند الیہ کی وضاحت کرتے ہیں ، جیسے، وہ گہری نیند سو رہا ہے ۔ وہ بڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ وہ پڑا پڑا کروٹیں بدلتا رہا ۔ وہ بولتے بولتے چپکا ہو گیا ۔

(۱۱) افعال معطوف : یہ مسند الیہ اور مسند دونوں کی وضاحت میں مستعمل ہیں جیسے، وہ نہا کر سو گیا ۔ میں عید کا چاند دیکھ کر آ رہا ہوں ۔

(۱۲) جار و مجرور : یہ بھی مسند الیہ اور مسند دونوں کی توضیح کے لیے آتے ہیں جیسے ، میں گھر میں چلا گیا ۔ اس پر آفت پڑ گئی ۔ وہ تمھارے لیے کتاب لایا ہے ۔

مسند الیہ اور مسند کا طریق استعمال :

(۱) اگر ایک جملے میں دو اسم ہوں ، ایک اسم خاص ، دوسرا اسم عام (یہ دونوں اسم خواہ کسی قسم کے ہوں) ان میں سے اسم خاص مسند الیہ ہوتا ہے ۔ اور اسم عام مسند جیسے، سلیم بچہ ہے ۔ حامد آدمی ہے ۔

اور اگر دونوں اسم عام ہیں تو ان میں سے جس اسم عام کی عمومیت کم ہو وہ مسند الیہ ہوگا ، اور جس میں عمومیت زیادہ پائی جائے وہ مسند لایا جائے گا جیسے ، گائے چوپایہ ہے ۔ کبوتر پرندہ ہے ۔ شیر درندہ ہے ۔

(۲) اگر کسی جملے میں ایک اسم ہو اور دوسری صفت تو اسم مسند الیہ ہوگا اور صفت مسند جیسے، عبدالکریم لمبا ہے ۔ احمد بخش ٹھنگنا ہے ۔ زمین گول ہے ۔ کرسیاں مضبوط ہیں ۔

اور اگر ایک جملے میں دو اسم ہوں اور ایک کا استعمال بطریق اسم ہو اور دوسرے کا بطریق صفت تو اسم مسند الیہ ہو گا اور جس اسم کو بطریق صفت لایا گیا ہے وہ مسند ہو گا جیسے، گھوڑا ہوا ہو گیا ۔ کاغذ عنقا ہو گیا ۔

---- اور یہی صورت اس وقت ہو گی جب ایک اسم کو مکرر لائیں ، ایک جگہ بطور اسم اور دوسری جگہ بطریق صفت ، جیسے عالم عالم ہے اور جاہل جاہل ؛ آدمی آدمی ہے ، جانور جانور ہے ۔ فرشتہ فرشتہ ہے اور شیطان شیطان ہے ۔

(۳) اگر کسی جملے میں دو صفت کے لفظ آئیں تو ان میں بمقابلہ دوسرے کے جس میں خصوصیت زیادہ پائی جائے وہ مسند الیہ ہو گا ، اور جس میں عمومیت پائی جائے وہ مسند جیسے ، سفید کپڑا اچھا ہوتا ہے ۔ سیاہ رنگ بھدا پڑگیا ۔ ذہین لڑکا شوخ ہوا کرتا ہے ۔

(۴) اگر دو اسم خاص ایک جملے میں آئیں تو اسم خاص کی قسموں میں سے علم بمقابلہ تخلص پہلے آئے گا اور بمقابلہ لقب یا خطاب یا کنیت کے ان کے بعد ، جیسے عبدالعزیز صاحب خالد آئے ۔ حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب بہت بڑے عالم تھے ۔

(۵) اگر ایک جملے میں مشبہ اور مشبہ بہ آئیں تو مشبہ مسند الیہ ہو گا اور مشبہ بہ مسند جیسے ، اس کی تقریر موتیوں کی لڑی ہے ۔ پانی برف سا ٹھنڈا ہے ۔ گھوڑا کیا ہے بجلی ہے ۔

(۶) اگر کسی لفظ کا ترجمہ کیا جائے یا کلمات ربط و عطف وغیرہ سے از روئے لفظ بحث کی جائے (نہ کہ از روے معنی) یا کسی فعل کی نوعیت جتائی جائے ، سب صورتوں میں اصل لفظ یا کلمہ یا فعل مسند الیہ ہو گا اور ان کا ترجمہ یا تعریف یا نوعیت مسند جیسے ، چشم آنکھ کو کہتے ہیں ۔ دست ہاتھ ہے ۔ ریش داڑھی ہے ۔ اور بروت مونچھ

مسند الیہ یا مسند کا حذف:

مسند الیہ یا مسند کا حذف اکثر یکساں طریقوں پر ہوتا ہے ، یعنی جس وجہ سے مسند الیہ کو حذف کرتے ہیں اور بعض موقع پر دونوں کو ، اس کی تفصیل یہ ہے :

(۱) **بصورت قرینہ :**

جہاں قرینہ قائم ہو یعنی مسند الیہ اور مسند قرینے سے معلوم ہوسکتا ہو :

(الف) وہاں خواہ مسند الیہ کو حذف کریں جیسے ، اس سوال کے جواب میں کہ تم آگئے — کہا جائے کہ ”ہاں آ گیا“ ۔

(ب) خواہ مسند کو حذف کیا جائے جیسے اس سوال کے جواب میں کہ احمد اور محمودمیں سے کوئی حاضر ہے ۔ یہ کہا جائے کہ ''احمد'' ۔ --- یہاں مسند 'حاضر' ہے محذوف ہے ۔

(ج) یا دونوں حذف کر دیے جائیں جیسے اس سوال کے جواب میں کہ ''کوئی آیا'' --- یہ کہا جائے کہ ''نہیں'' --- یہاں مسند الیہ اور مسند دونوں حذف ہو گئے ۔ تینوں صورتیں درست ہیں ۔

(نوٹ) خطاب کی صورت میں بھی مسندالیہ کو حذف کر دیتے ہیں ، جیسے کسی سے کہیں کہ ''کہاں سے آ رہے ہیں'' یعنی آپ کہاں سے آ رہے ہیں ۔

(۲) بصورت خطاب :

بصورت خطاب یا تو مسندالیہ کو جواب میں حذف کر دیتے ہیں ، جیسے، ''تم نے زمین خرید لی'' اس سوال کے جواب میں کہا جائے ''خرید لی''۔ یا مسند الیہ اور مسند دونوں حذف کر دیے جاتے ہیں جیسے :

سوال : تم کپڑا لے آئے ؟

جواب : جی ہاں ۔

یہاں جواب میں مسند الیہ اور مسند دونوں حذف ہیں ۔

نوٹ : (الف) مسند الیہ کا حذف نہ کرنا اور صرف مسند کا حذف کرنا اردو میں مروج نہیں) ۔

(ب) ایک صورت خطاب کی یہ بھی ہے کہ کوئی سائل آئے اور کہے کہ سید ہوں ، مظلوم ہوں ، مفلس ہوں قابل رحم ہوں ۔ یہاں مسند الیہ کو بقیام قرینہ یعنی حاضری قائل حذف کر دیا ۔

(۳) بصورت استفہام :

بصورت استفہام، جواب میں صرف مسند الیہ یا صرف مسند یا دونوں حذف کر دیے جاتے ہیں ۔

پہلی مثال : کیا تم نے سبق پڑھ لیا ۔

جواب ۔ پڑھ لیا ۔

دوسری مثال : سوال : کون چلا گیا ؟

جواب : احمد ۔

یہاں مسند محذوف ہے ۔

تیسری مثال : سوال : کیا محمود بیمار ہے ؟

جواب : ہاں ۔

یہاں دونوں محذوف ہو گئے ۔

(۴) بصورت اثنائے ذکر :

کسی کے اثنائے ذکر میں اگر کوئی اور بات کہی جائے جو ذکر کرنے والے نے کہی تو بقرینہ ذکر مسند الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے ۔ جیسے زید کا ذکر ہو رہا ہے ، اس کی نسبت کہا گیا کہ نوکر جوا کھیلتا ہے اور دوسرا آدمی کہے کہ چوری بھی کرتا ہے تو نوکر جو مسند الیہ ہے یہاں محذوف ہے ۔

نوٹ : (الف) ضرب الامثال میں بھی اکثر مسند الیہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ۔ دیکھا نہ بھالا قربان گئی خالہ ۔

(ب) اور بعض جگہ مسند بھی محذوف ہو جاتا ہے جیسے ، تیرا کالا منہ ۔ چوری کا گڑ میٹھا ۔ خانہ آباد دولت زیادہ ۔

(۵) بصورت تنبیہ :

ڈرانے یا بچنے کی تنبیہ کرنے کے موقع پر مسند کو حذف کر دیتے ہیں جیسے ، سانپ سانپ ۔ آگ آگ ۔

اور مسند کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے ، جیسے ، بچیو بچیو ۔ دوڑیو دوڑیو ۔ لپکنا لپکنا ۔ پکڑنا پکڑنا ۔ وغیرہ

(۶) بصورت عدم ضرورت :

کبھی مسند الیہ اس لیے حذف کر دیتے ہیں کہ اس سے غرض نہیں ہوتی اور اس کی جگہ مفعول مالم یسمیٰ فاعلہ (مفعول قائم مقام فاعل) لاتے ہیں ، اور اس میں فعل وضعی یا معنوی بطرابق مسند بولا جاتا ہے ۔ جیسے، زید مارا گیا ۔ ڈھول بج رہا ہے ۔ کھیتی کٹ گئی ۔ خالد پٹا ۔ اناج بکا ۔

نوٹ : جہاں مسند الیہ اور مسند کے حذف کی وجوہ نہ ہوں ، وہاں ان کا ذکر ضروری ہوتا ہے ، اور ان کا بار بار ذکر کرنا اور مسند الیہ کو مضمر لانا اور مسند کو بصورت فعل لانا وغیرہ وغیرہ ۔ یہ تمام باتیں علم معانی سے متعلق ہیں ۔

(مستفاد از آئین اردو ص ۳۷۵ تا ۳۸۱)

۳۔ صفت موصوف

صفت کبھی مفرد آتی ہے اور کبھی مرکب بھی آتی ہے ۔ جیسے، نیک آدمی (مفرد صفت)۔ نیک دل آدمی (مرکب صفت) ۔

صفت کی تذکیر و تانیث ، وحدت و جمع موصوف کے مطابق ہوتی ہے مگر جب موصوف جمع مؤنث ہو تو صفت واحد آتی ہے ۔ جیسے اونچی دیواریں ، اونچا محل ۔ لیکن جب موصوف جمع کو حذف کر کے صرف صفت استعمال کرتے ہیں تو صفت جمع لاتے ہیں جیسے ، بروں سے بچو ۔ نیکوں کی صحبت اختیار کرو ۔

اگر کسی موصوف کی کئی قسمیں ہوں اور ان پر کوئی حرف ، حروف معنوی میں سے آئے تو واو نون علامت جمع سب سے پچھلی صفت میں لگاتے ہیں اور پہلی تمام صفتوں کو واحد رہنے دیتے ہیں ، جیسے ، سچے راستباز ایمانداروں سے خدا خوش ہوتا ہے ۔

فارسی مرکب توصیفی بھی اردو میں بکثرت مستعمل ہیں اور اس کے موصوف کے آخر میں زیر ہوتا ہے جیسے، پیرِ دانا ۔ جوانِ خوش رو ۔ اگر

موصوف کے آخر میں الف یا واؤ ہو تو ایک 'ے' (یا صرف ایک ہمزہ جیسے انشاء داغ) اضافہ کرتے ہیں جیسے، روے زیبا ، خوے خوش، داناے کامل۔ اور اگر ہ ہو تو ہمزہ اضافہ کر دیتے ہیں ۔ جیسے بندۂ آزاد ۔ نامۂ سیاہ ۔

پنڈت کیفی کی تصریحات :

اردو میں جب موصوف مؤنث اور جمع ہو تو صفت کا کلمہ وہی رہے گا جو مفرد مؤنث کے لیے ہے جیسے، اچھی لڑکی ۔ اچھی لڑکیاں ۔

مذکر کی صورت میں صفت کا کلمہ بھی جمع بن جاتا ہے جیسے اچھا لڑکا ، اچھے لڑکے ۔

کبھی موصوف کی جمع عبارت کے مفہوم کو بدل دیتی ہے ، مثلاً

(۱) اس کی قیمت بہت گراں ہے ۔

(۲) اس کی قیمتیں بہت گراں ہیں ۔

پہلی مثال میں گرانی کے الزام کا موجب صرف ایک چیز کی قیمت ہے ؛ دوسری مثال میں ایک دکان کی ہر چیز کی قیمت کے گراں ہونے کی شکایت ہے ۔

بعض پرانی پراکرت صفات کو اردو میں اکیلا نہیں برتتے بلکہ ان کے مترادف لغات یا ایک متناسب لفظ کے ساتھ لکھتے ہیں جیسے، گورا چٹا ۔ بھلا چنگا ۔ لہو لہان ۔

صفت بغیر موصوف جب موصوف حذف ہوتا ہے تو صفت کا کلمہ مفرد نہیں استعمال ہوتا ، جمع میں آتا ہے جیسے، سچے ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں ۔ براوہ جسے بروں سے واسطہ پڑے ۔ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب کرنا چاہیے۔

صفت پر تفضیل یعنی مقابلے کے لیے اردو میں کبھی مقررہ کلموں (بہت ، بہت ہی ، نہایت مثلاً اچھا ، بہت اچھا ۔ بہت ہی اچھا یا نہایت اچھا) کی امداد کے بغیر بھی تفضیل کی تعبیر ہوتی ہے ۔ مثلاً اس مکان کا آنگن اس کے آنگن سے فراخ ہے ۔ (یعنی زیادہ فراخ ہے) ۔

تفصیل سے الگ صفت کے درجے :

تفضیل کے علاوہ بھی ایک وصفی حالت میں درجے ہوتے ہیں جو تقابل سے بے رابطہ ہوتے ہیں ۔ اس کا اظہار خاص لفظوں سے کیا جاتا ہے ۔ دیکھیے جب ہم کہتے ہیں "وہ اچھا ہے" تو اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں :

(۱) وہ بیماری سے شفا پا گیا ۔

(۲) وہ ضروری قابلیت رکھتا ہے جیسے، وہ ریاضی میں اچھا ہے یعنی ریاضی میں فیل نہیں ہوتا ۔

(۳) وہ نیک آدمی ہے ۔

جب آپ کہیں گے کہ وہ خاصا[1] اچھا ہے ، کچھ اچھا ہے ، بہت اچھا ہے ، تو معنی ہوں گے کہ اچھا ہونے کی تکمیل میں ابھی کسر ہے ۔ بہت اچھا کا مطلب ہے کہ پہلے کے مقابلے میں اچھا ہے ۔

کبھی ایک اسم صفت ایک اسم ذات کے ساتھ اور معنی دیتا ہے اور دوسرے اسم کے ساتھ آئے گا تو دوسرے معنی دے گا جو اکثر پہلے کی ضد ہوتے ہیں جیسے، چالاک گھوڑا (یعنی تیز رفتار) اور چالاک آدمی (یعنی دغاباز اور خائن) ۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی اسم صفت مختلف اسموں کے ساتھ آ کر مختلف معنی دیتا ہے ، مثلاً گہرا رنگ (گاڑھا رنگ) ، گہرا دریا ، گہرا نشہ ، گہرا یارانہ (پکی دوستی) گہرا پردہ ، (سخت پردہ) گہرا خیال (دور پہنچنے والا خیال) گہرا گھونٹ (بڑا لمبا گھونٹ) گہرا سانس، گہرا ہاتھ ، (کاری زخم لگنا) گہری چھننا اور اب تو گہرے ہیں ، میں بھی اس کلمہ صفت کے معنی کی گہرائی قابل غور ہے ۔

(کیفیہ ۔ ۱۳۲ تا ۱۳۷)

۱۔ اب بعض لوگ کافی اچھا ہے ، کافی سردی ہو رہی ہے ، بولتے ہیں ۔ گویا پہلے ناکافی تھا ، اب کافی ہے ۔

مولوی عبدالحق کی بعض تصریحات :

صفت جب کبھی اسم کی کیفیت یا حالت بیان کرتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں :

(۱) توصیفی : جیسے خوبصورت جوان ، نازک کلائی ۔

(۲) خبری : جیسے وہ گھوڑا خوبصورت ہے ۔

اردو میں اکثر صفات اسما کی طرح استعمال ہوتی ہیں اور جس طرح اسما کے آخر میں تبدیلی واقع ہوتی ہے ان میں بھی ہوتی ہے ۔ جیسے ، تم کیا اچھے اچھے مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا ۔

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

کبھی کبھی بعض اسم بھی صفت کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جیسے زبان اولا ہو گئی ہے ۔ یہاں اولے کے معنی ٹھنڈے کے ہیں ۔ (استعارۃ)

صفات بعض اوقات تمیز کا کام دیتی ہیں جیسے، وہ خوب بولتا ہے ۔ اسے کچھ نہیں آتا ۔

بعض اوقات تکرار صفت سے صفت میں ترقی ہو جاتی ہے جیسے دور دور کے لوگ ، مشہور مشہور شخص ، میٹھے میٹھے پھل ۔

——مگر خاص خاص حالتوں میں اس کے خلاف کمی ظاہر ہوتی ہے ۔ مثلاً دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے ، یہ سالن میٹھا میٹھا معلوم ہوتا ہے (یعنی کسی قدر میٹھا) لیکن اس صورت میں صفت تمیز کا کام دیتی ہے ۔

——جب اس میں اور ترقی یا مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو دونوں کے درمیان 'سے' بڑھا دیتے ہیں جیسے، بڑے سے بڑا کام ، اونچے سے اونچا پہاڑ ، بھاری سے بھاری بوجھ ، وغیرہ ۔

مرکبات توصیفی میں سا کا نحوی استعمال :

سا کا لفظ بھی صفات کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے ، اس سے مشابہت

پائی جاتی ہے مگر ساتھ ہی صفت میں کمی کا بھی اظہار ہوتا ہے جیسے، لال سا کپڑا ، کالا سا رنگ ، وہ تو مجھے بے وقوف سا معلوم ہوتا ہے ۔

——— یہی حرف بعض اوقات اسم یا ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتا اور اس سے مل کر صفت کا کام دیتا ہے اور اس سے مشابہت ظاہر ہوتی ہے جیسے ، بادل سا سائبان، مجھ سا گنہگار، تم سا عقلمند ۔

——— بعض اوقات یہ حرف اسم اور ضمیر کی اضافی حالت کے ساتھ بھی آتا ہے ۔ اس وقت خود شخص یا شئے سے مشابہت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ کسی ایسی بات سے مشابہت ہوتی ہے جو اس شخص یا شئے میں پائی جاتی ہے جیسے آدمی کی سی بولی ، ہاتھی کی سی سونڈ ، گھوڑے کا سا منہ ۔ (یہاں صرف اضافت کے بعد اسم محذوف سمجھا گیا ہے جیسے، آدمی کی سی بولی ، ہاتھی کی سی سونڈ) ۔

——— بعض اوقات موصوف محذوف ہوتا ہے جیسے پھول سا نظر آتا ہے ، پہاڑ کی چوٹی سی معلوم ہوتی ہے (یہاں وہ شئے جسے ہم دیکھ رہے ہیں محذوف ہے) ۔

——— جس طرح حرف سا صفت کے ساتھ آکر اسم کی تعریف کرتا ہے (جیسے لال سا کپڑا) اسی طرح یہ اسم کے ساتھ آکر صفت کی مشابہت ظاہر کرتا ہے جیسے، پھول سا ہلکا ، پتھر سا سخت ۔

نوٹ : اس قسم کی ترکیب میں سے کبھی سا اڑا کر بہت پاکیزہ مبالغہ ظاہر کیا جاتا ہے ، جیسے ہلکا پھول ، میٹھا شہد ، لال انگرہ ، کالا بھجنگ ، کڑوا نیم ، پھیکا پانی ، سفید براق ، ٹھنڈا اولا، میلا چیکٹ ، بڈھا پھوس ، وغیرہ ۔

——— سا کا استعمال صفت کی زیادتی کے لیے اس طرح بھی ہوتا ہے جیسے، بہت سا آٹا ، بڑا سا گھر ، تھوڑی سی رات ، اونچا سا پہاڑ ۔

(قواعد اردو ۱۷۹ تا ۱۸۱)

۴۔ مضاف ، مضاف الیہ

انشا کی تصریحات :

مضاف اردو میں مضاف الیہ کے بعد لاتے ہیں اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے لیکن فصیح زبانوں نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے ۔

علامت اضافت (بحالت مذکر 'کا' اور بحالت مؤنث 'کی') دونوں صورتوں میں مضاف الیہ کے بعد آتی ہے ۔ جیسے، زید کا بیٹا یا بیٹا زید کا ، اور زید کی بیٹی یا بیٹی زید کی ۔

ضمیر متکلم و حاضر میں اضافت کی علامت کا ، کی ، کے بجائے را ، ری آتی ہے جیسے میرا بیٹا ، میری بیٹی ، ہمارا بیٹا ، ہماری بیٹی ، تمھارا بیٹا ، تمھاری بیٹی ۔

تیرا کو ترا ، میرا کو مرا ، اور تیری کو تری، میری کو مری بھی بولتے ہیں (لیکن یہ نظم میں ہے نثر میں نہیں' جیسے کیجیے کو کیجے) ۔

ضمیر غائب میں کا اور کی کا استعمال ہوتا ہے جیسے اس کا ، اور ان کا اور انھوں کا بیٹا ۔ اگرچہ انھوں کا لاہور کی زبان ہے لیکن اردو میں بھی رائج ہے ۔ اور اس کی بیٹی اور ان کی بیٹی اور انھوں کی بیٹی ۔

انھوں کا اردو میں رائج ہے لیکن اردو زبان نہیں ہے ۔ اردو زبان نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس لفظ نے اردو میں تراش نہیں پائی ۔

نوٹ : انھوں کا ، انھوں کی اب متروک ہے مگر انشا کے زمانے میں مروج تھا ۔ دبستان دہلی کے بعض مستند نثر نگاروں کے ہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں ۔

اسم معرفہ کے ساتھ اضافت لانے سے تعریف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے غلام زید کا عمر کے بیٹے سے بہتر ہے ۔

اور نکرہ کے ساتھ اضافت تخصیص کا بھی فائدہ دیتی ہے جیسے، مرد کا غلام عورت کے غلام سے بہتر ہے ۔

کا جو اضافت میں علامت مذکر ہے بعض مقامات پر 'کے' میں بدل جاتی

ہے اور بعض مقامات پر الف مضاف بھی یائے مجہول سے بدل جاتا ہے ، بخلاف ان کے 'کی' علامت مؤنث ہے میں تبدیل نہیں ہوتی ۔

انشا نے اضافت کی دو قسمیں کی ہیں : (۱) معنوی (۲) لفظی جیسا عربی میں ہے[۱] ۔ اضافت معنوی یہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ (خواہ تعریف خواہ تخصیص) ایک ہو کر مبتدا بننے کی قابلیت رکھیں جیسے، زید کا غلام ۔ مرد کا غلام ۔ دوسری خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس میں اضافت در اضافت کی گنجائش ہو جیسے زید کے ماموں کے بھتیجے کے بھانجے کا سالا ۔ اور اضافت لفظی مضاف اور مضاف الیہ مل کر خبر کے طور پر آئیں جیسے زید صورت کا اچھا ہے ۔ عمرو اپنے کلام کا پکا ہے ۔ بکر قول کا پکا ہے ۔ خالد بات کا سچا ہے اور اسی طرح تلوار کا دھنی ۔ میدان کا مرد ۔ ن کا ساونت ۔ سبھا کا اندر ، وقت کا کنھیا ، لاڈ کا پلا ، منہ کا بھونڈا ۔

مضاف اور مضاف الیہ کو مرکب کر کے بولتے ہیں تو مضاف کو مضاف الیہ پر مقدم کرتے ہیں اور علامت تذکیر و تانیث مضاف سے جدا کرکے مضاف الیہ کے آخر میں لاتے ہیں جیسے، بڑمنہا ، بڑمنہی ، بھنڈ قدما ، بھنڈ قدمی ، (بڑمنہا اور بڑمنہی کی اصل منہ کا بڑا ، منہ کی بڑی ہے) ۔

خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) اضافت یا تو چیزوں میں تشبیہی ہوگی جیسے، گل رخسار ۔ سنبل زلف ۔ خورشید دولت ، ستارہ اقبال (یا اقبال کا ستارہ وغیرہ) ۔

(۲) دو ایسی چیزوں کے درمیان ہوتی ہے کہ ان میں ایک دوسری چیز سے بنی ہوئی ہوتی ہے جیسے، مٹی کا گھڑا ۔ لکڑی کا تخت ۔

(۳) یا اضافت مالک و مملوک کے درمیان آتی ہے جیسے زید کا غلام ، عمرو کا گھوڑا ۔

۱۔ مولف آئین اردو ، عربی کی طرح اردو میں اضافت کی ان دو قسموں کو جن کا دوسرا نام اضافت محضہ (لفظی) اور اضافت غیر محضہ (معنوی) ہے نہیں جانتے ۔

(۴) یا محتاج اور محتاج الیہ کے درمیان آتی ہے جیسے گھوڑے کا زین، ہاتھی کی جھول۔

(۵) یا میں کی جگہ اضافت آتی ہے جیسے، باغ کی سیر کی (یعنی باغ میں سیر کی)۔

(۶) یا ادنیٰ علاقہ کے ساتھ اضافت آتی ہے۔ اسے عربی میں اضافت بادنیٰ ملابست کہتے ہیں جیسے، ہماری دلی تمھارے لکھنو سے بہتر ہے۔ یا آغا باقر کے ایران سے تو غلام نقشبند کا توران بہتر ہے۔
ظاہر ہے کہ متکلم اول کا دلی کے محلوں میں سے ایک محلے میں مکان ہے؛ اس کمتر مناسبت پر وہ خود کو دلی کا مالک قرار دیتا ہے۔

(۷) یا اضافت مقابل یا نسبتی جیسے، خراسان کی تلوار بجائے شمشیر خراسانی، یا حجاز کا بجائے حجازی یا دلی کا بجائے دہلوی۔

(۸) فارسی طرز پر اضافت (جس میں مضاف پر کسرہ لاتے ہیں) دو ہندی الفاظ یا ایک ہندی اور دوسرا فارسی عربی لفظ کے درمیان اردو میں جائز نہیں، مثلاً یوں نہیں کہنا چاہیے کہ اوسِ برسات یا شبنمِ بھادوں۔ یا اوسِ صبح[1]۔

(مستفاد از دریائے لطافت ص ۱۵۲ تا ۱۵۵)

مؤلف آئین اُردو کی تصریحات:

مؤلف آئین اردو نے اضافت کا بیان کلمات کے ذیل میں کیا ہے اور کا، کی، کے کے علاوہ دیگر علامات اضافت کی تصریح بھی کی ہے جو ضمیر شخصی سے لاحق ہوتی ہیں یعنی را، ری، رے اور نا، نی، نے، اور ان کے اصول بھی بیان کیے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ انشا کی تصریح درست ہے البتہ ہندی اسمائے معرفہ کو فارسی عربی الفاظ سے اضافت کے ذریعے ملانا درست ہے جیسے، صبحِ بنارس، شامِ اودھ،
نیز بعض تراکیب جو اس اصول کے خلاف بنی ہیں غلط انعام کی تعریف میں آتی ہیں مثلاً فوق البھڑک، لبِ سڑک۔

(۱) علامت 'را' واحد مذکر کے لیے، جمع 'رے' مذکر کے لیے اور 'ری' واحد مؤنث کے لیے آتی ہے اور 'تو' کی تے کو زبر دیتے ہیں اور اس کے واو کو یائے مجہول ساکن سے بدل کر تیرا، تیری، تیرے کہتے ہیں۔ اسی طرح ضمیر تم کے میم کو زبر دے کر اور اس کے ساتھ ہائے مخلوطی بڑھا کر الف زیادہ کر دیتے ہیں اور تمھارا، تمھاری، تمھارے، بولتے ہیں۔ اور ضمیر 'میں' کے میم کو کسرہ دے کر نون غنہ گرا دیتے ہیں اور میرا، میرے، میری بولتے ہیں اور ضمیر ہم کے میم ساکن کو فتحہ دے کر الف بڑھاتے ہیں اور ہمارا، ہماری، ہمارے کہتے ہیں۔

(۲) علامت 'نا' صرف ضمیر آپ کے بعد آتی ہے اور ضمیر آپ کا الف ممدودہ صرف الف مقصورہ مفتوح رہ جاتا ہے اور اس کے الف کی حالت بھی وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث کے لحاظ سے کا اور را کے الف جیسی ہو جاتی ہے۔

مؤلف آئین اردو، برخلاف دیگر قواعد نویسوں کے، سب کا سب، ڈھیر کا ڈھیر، رات کا رات، دن کا دن، وغیرہ میں اضافت نہیں مانتے (ص ۲۲۱) کیونکہ ان مثالوں میں دو لفظ ایک ہی ہیں اور دونوں میں نسبت مساوات ہے اس لیے اضافت ممتنع ہو گی[1]۔

اضافت کی قسمیں اور مثالیں :

(۱) اضافت مطلق (پہاڑ کی چوٹی، آم کا اچار)
(۲) اضافتِ ملک (ہمارا باغ، تمھاری کتاب)
(۳) اضافت نسبی (میرا بھائی، آپ کے والد)

۱۔ مؤلف اساس اردو نے اس طرح کی مثالوں میں اضافت بتائی ہے مگر یہ بھی لکھا ہے کہ معنی تمام یا حصر یا مشارکت کے لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "کبھی ایک لفظ کو اسی طرح کے دوسرے لفظ کی طرف مضاف کر کے تمام یا حصر یا مشارکت کے معنی لیتے ہیں جیسے آوے کا آوا بگڑا ہے۔ (ص ۱۷۰)

(۴) اضافت ظرفی (شام کی نماز ، کنویں کا پانی)
(۵) اضافت بہ ادنیٰ (ہمارا محلہ ، تمھارا شہر)
(۶) اضافت توضیحی (جنوری کا مہینہ ، برسات کا موسم)
(۷) اضافت مادی (مٹی کا پیالا ، پیتل کا گھڑا)
(۸) اضافت علت و سبب (راستے کا تکھا ، دودھ کا جلا)
(۹) اضافت شبہی (یا اضافت تشبیہی) (نگاہ کا تیر ، مصیبت کا پہاڑ)
(۱۰) اضافت استعارہ (بال کی کھال ، محبت کی نظر)
(۱۱) اضافت وصفی (دل کا تنگ ، طبیعت کا تیز)

(آئین اردو ۲۲۴ تا ۲۳۰)

اضافت وصفی کی متعدد ذیلی قسمیں قواعد نویسوں نے بیان کی ہیں ، چنانچہ Phillot نے اضافت توصیفی مجرد (مثلاً مردِ خوب) ، اضافت توصیفی ترکیبی (مثلاً مردِ سخن چیں) ، اضافت توصیفی تشبیہی ، مثلاً (مردِ سنگدل) اضافت توصیفی ترکیبی (مثلاً پسرِ ناسعادت مند) ، اضافت توصیفی صفتین (مثلاً مردِ خوبِ پاکستان) اضافت توصیفی فی بیان الموصوف (مثلاً اسپِ تیز رفتار) مگر یہ صورت فارسی طرز کی اضافتوں کے ساتھ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہیں ؛ نثر میں کم مگر نظم میں بہ کثرت ۔

قواعد نویسوں نے اضافت کی مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ اضافت فاعلی ، اضافت مفعولی ، اضافت تخصیصی ، اضافت بیانی ، اضافت بالجنس ، اضافت مجازی وغیرہ قسموں کا بھی ذکر کیا ہے ۔

اضافت مقلوبی : اُردو اشعار میں بعض اوقات قدیم فارسی انداز پر مستعمل اضافت مقلوبی بھی آ جاتی ہے ۔ فارسی ترکیب اضافی میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں ، مثلاً مردِ خوب ، مگر مقلوبی صورت میں ، ے کے اضافے کے ساتھ یوں بھی آتا ہے خوب مردے ۔ یہی اضافت مقلوبی ہے ۔ اضافت مقلوبی لانا غالب کا خاص انداز ہے ۔

اضافت سے متعلق بعض اصول :

کبھی مضاف الیہ یا مضاف دونوں بذریعہ عطف کے کئی کئی لائے

ہیں جیسے، زید اور ولید اور خالد کا خط اچھا ہے - اس کے ہاتھ اور پاؤں اور سر کانپتا ہے -

جب مضاف الیہ مرکب ہو تو مرکب مضاف الیہ کے مابین جو علامت اضافت واحد مذکر آئے گی اس کے آخر کا الف یائے مجہول سے بدل جائے گا (اور اسی طرح صفت اور موصوف کا آخر کا الف یا 'ہ' یائے مجہول سے بدل جائیں گے ، جیسے ، میرے کوٹ کی سلائی - آپ کے گھوڑے کا زین ، تمہارے لڑکے کی کتاب - (ان مثالوں میں مضاف الیہ اور مضاف مل کر پھر مضاف الیہ واقع ہوئے ہیں) -

کلمات ربط کے آنے سے جب کہ مضاف الیہ مفرد ہو یا بلا کلمات ربط جب کہ مضاف الیہ مرکب ہو ، علامت اضافت واحد مذکر (یعنی کا ، را ، نا) کا الف بھی یائے مجہول سے بدل جائے گا جیسے ، اس کے ہاتھ میں ، میرے صندوق میں ، اپنے پلنگ تک -

یہ ضروری نہیں کہ مرکب ، مضاف الیہ صرف مضاف الیہ اور مضاف مفرد ہی سے ترکیب پائے بلکہ مرکب مضاف الیہ پھر کسی مضاف کا مضاف الیہ بطور مفرد واقع ہوتا ہے اور سوائے علامت اضافت اس مضاف کے جو ترکیب پا کر مضاف الیہ نہیں بنتا ، باقی سب علامتوں جو میں واحد مذکر ہوں ، یہی عمل ہو گا ، جیسے زید کے مکان کے کمرے کا دروازہ ، یا زید کے مکان کے کمرے کے دروازے کے سامنے کا طاق ، یا زید کے گھوڑے کی کاٹھی کے زیربند کے بکسوئے کا تسمہ -

مصدر متعدی جب مضاف الیہ واقع ہو تو بعض جگہ اس کے دو مفہوم ہوتے ہیں جیسے خالد کا ہٹانا - یعنی :

(۱) خالد کا کسی کو ہٹانا یا
(۲) خالد کو کسی کا ہٹانا

علیٰ ہذا اس کا ہنسانا ، میرا بلانا - تمہارا بٹھانا - وغیرہ -

لیکن ضمیر اپنا کے ساتھ یہ اشتباہ واقع نہیں ہوتا ، کیونکہ جب اپنا ہٹانا ، اپنا بلانا ، کہیں گے تو اس سے کسی کا اپنے آپ کو ہٹانا یا بلانا نہیں سمجھا جا سکتا -

والا، والے ، والی :

جب علامات اضافت (یعنی کا ، کے ، کی) کی جگہ بالترتیب الفاظ والا ، والے، والی لائیں تو یہ بھی علامت اضافت کا کام دیتے ہیں ، مثلاً زید والا قلم ، ولید والے بونڈے ، بکر والی دوات ۔

یہ عمل عموماً اسما کے لیے مخصوص ہے ، ضمائر کے ساتھ نہیں ہوتا ، البتہ ضمائر اضافی کے ساتھ اگر والا ، والے، والی ، بولیں تو یہ الفاظ اس مقام پر اضافت کے لیے نہیں بلکہ اضافت کی تاکید کے لیے سمجھے جائیں گے جیسے ، میرا والا قلم ، میری والی کتاب ، میرے والے پھل ۔ جہاں قرینۂ کلام سے پتا چل سکتا ہو وہاں اکثر مضاف کو حذف کر دیتے ہیں جیسے نہ اپنی کہی نہ میری سنی ۔ تم کہو تو ایمان کی کہوں ۔ وہ لائی کا اب تک نہیں آیا ۔

کبھی مضاف الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے ، مثلاً افسوس غفلت میں عمر کٹی (یعنی ہماری) ۔

کبھی علامت اضافت بھی حذف ہو جاتی ہے جیسے، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے (یعنی ہاتھ کے کنگن کو) ۔

جب اپنا یا اپنے یا اپنی مضاف الیہ واقع ہوں اور پیہم دو بار بولے جائیں تو مضاف ایک ہی بولا جائے گا جیسے اپنا اپنا کام کرو ، اپنی اپنی کتاب اٹھا لو ۔

نوٹ: اضافت نہ ہونے کی صورت میں ان ضمیروں کی تکرار کے وقت ایک ضمیر کو بطور اسم کے بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ، اپنا ، اپنا ہی ہوتا ہے ۔ اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں ۔

بحالت اضافت ضمائر اضافی ، اپنے ، اپنا ، اپنی ، کا استعمال ضمائر غائب و حاضر و متکلم کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے جیسے وہ اپنا حصہ لے گا ۔ تو اپنا خیال ظاہر کر وغیرہ ۔

۔۔۔اپنا ، اپنے ، اپنی ، جب اور ضمائر کے ساتھ آتے ہیں تو ایسی

تخصیص ظاہر کرتے ہیں جس سے اپنے قبضہ یا سلک میں تصرف ثابت ہو جیسے، تم اپنا گھوڑا لاؤ۔ وہ اپنے مال میں سے دیں۔

(مستفاد از آئین آردو ۲۳۱ ، ۲۳۲)

بعض صفات اور دوسرے الفاظ ہمیشہ اضافت کے حرف کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسے، لائق ، قابل ، برابر ، متعلق ، موجب ، موافق ، نسبت ، طرف ، مطابق ، بابت ، مشابہ ، اسی طرح قبل ، بعد ، پس ، آگے ، پیچھے ، اوپر ، نیچے ، تئیں ، ہاں ، لیے ، واسطے ، طرح ، کے ساتھ بھی اضافت کے حرف آتے ہیں۔

--- مگر قبل اور بعد بعض اوقات بغیر اضافت کے بھی مستعمل ہیں جیسے دو ماہ قبل ، دو ماہ بعد۔

———قدیم اردو میں مجھ پاس ، تجھ پاس ، آس پاس ، جیسی مثالوں کی صورت میں اضافت کے حرف کا حذف جائز تھا اور ضمیر اضافی حالت کے بجائے مفعولی حالت لاتے تھے ، مگر اب یہ درست نہیں۔

بعض اوقات (اور خاص کر نظم میں) مضاف اور مضاف الیہ کی ترتیب بدل جاتی ہے جیسے ، نام تو ان کا مجھے یاد نہیں البتہ صورت یاد ہے ، شکر خدا کا۔

مولوی عبدالحق نے صراحت کی ہے کہ بعض اوقات جب اضافی ترکیب اپنی اصل حالت پر نہیں ہوتی بلکہ اضافت کا حرف جو عموماً مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان واقع ہوتا ہے آخر میں واقع ہو تو محاورے میں 'کی' کی بجائے 'کے' استعمال ہو جاتا ہے جیسے مانند شیر کے ، یہاں 'کے' از روئے محاورہ صحیح ہے ، حالانکہ قاعدے کی رو سے 'کی' ہونی چاہیے ، مانند مؤنث ہے۔ یا جیسے آتش کا شعر ہے :

معرفت میں اس خدائے پاک کے
اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

یا میر انیس فرماتے ہیں :

ع میدان میں تھا حشر بپا چال سے اس کے

اسی طرح میر تقی فرماتے ہیں : ''آنکھوں میں ہیں حقیر جس تس کے ، ''
حالانکہ معرفت ، چال ، آنکھیں مؤنث ہیں مگر ان کے ساتھ 'کے' استعمال
ہوا ہے۔

(قواعد اردو ص ۱۷۲)

کچھ مزید وضاحت :

قواعد کے علاوہ ، مولوی عبدالحق نے 'کی' بجائے 'کے' کا استعمال''
کے عنوان سے یکم دسمبر ۱۹۵۷ء کے قومی زبان میں اس نحوی قاعدے کی
صراحت کی تھی ، جس پر تسلسل کے ساتھ قومی زبان کراچی میں بحث چلی
تھی - اس میں کئی حضرات نے حصہ لیا تھا اور دل چسپ نحوی نکت
سامنے لائے گئے تھے -

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے مولانا نظم طبا طبائی لکھنوی کے بیان
کردہ حسب ذیل قواعد اپنے مضمون میں پیش کیے :

''مولانا نظم مرحوم کے نزدیک اردو زبان کا نحوی ضابطہ یہ ہے کہ
ترکیب اضافی اپنے اصل پر ہو - تانیث کی صورت میں 'کی' کہنا واجب
ہے - قلب ترکیب کی حالت یہ ہے کہ مضاف سرے سے مذکور نہ ہو -
اس صورت میں 'کے' واجب اور ضروری ہے -

(لسانی مسائل ۹۷)

اس سلسلے میں خود ڈاکٹر شوکت سبزواری کی تصریحات یہ ہیں :

(۱) قلب ترکیب کی صورت میں کہیں صرف 'کے' کہنا صحیح ہے ،
جیسے مانند شیر کے ، مثل چاند کے ، طرف آسمان کے ، ان مثالوں
میں 'کے' کی بجائے 'کی' صحیح نہیں -

نوٹ : طرف آسمان کے ، مانند شیر کے ، وغیرہ مثالوں میں جہاں مضاف
مقدم ہے ، لیکن اس کے حروف مغیرہ میں سے کوئی حرف نہیں اور اس
کے چٹکی لی ، اس کے کنگھی کی ، وغیرہ مثالوں میں جہاں سے
مضاف ہی نہیں 'کے' کیسے آیا اور کیوں ؟ ان سوالوں کا جواب
دیتے ہوئے ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں : ان سوالوں کا جواب

مختصر اور کم سے کم الفاظ میں یہ ہے کہ 'ے' اردو میں ظرف کی نشانی ہے جہاں ظرفیت بتانا چاہتے ہیں اردو کے کلمے آخری الف یا ہ کو 'ے' سے بدل لیتے ہیں۔ (لسانی مسائل ۹۹ - ۱۰۰)[1]

(۲) کہیں 'کے' اور 'کی' دونوں صحیح ہیں۔ میر کے اس شعر میں:

جان یہ ہے تیرے گھوڑے میں کہ تا روزِ جزا
گرد کو اس کی نہ پہنچے گی کبھی اس کی اجل

'اس کی' اور 'اس کے' دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

(۳) قاعدہ یہ ہے کہ مضاف، مضاف الیہ سے پہلے ہو اور مضاف کے ساتھ مغیرہ بھی ہو تو کے اور کی دونوں درست ہیں۔ اور اگر حرف مغیرہ نہ ہو تو 'کی' بصورت تانیث اور 'کا' بصورت تذکیر ہو گا۔

(لسانی مسائل ۹۸)

مولوی عبد الحق کی تصریح کے مطابق 'کے' ہمیشہ حرف اضافت ہی کے طور سے نہیں آتا بلکہ 'کو' علامت مفعول کے طور پر آتا ہے جیسے، میں نے اس کے چٹکی لی، اس کے چوٹ لگی۔ یہاں بعض حضرات 'کے' کے بعد کوئی حرف محذوف سمجھتے ہیں جیسے اس کے (منہ پر) تھپڑ مارا۔

مگر مولوی عبد الحق 'کی' اور 'کو' دونوں کی اصل ایک قرار دیتے ہیں، یعنی یہ سن کر کے حالیہ 'کرنا' سے نکلے ہیں، قنوجی، میواڑی، گڑھوالی، پوری، ماگدھی، اور میتھلی، میں 'کے' اور 'کی' بھی مفعول کی علامتیں ہیں۔ اب بھی دکن میں ایسے موقعوں پر، کے، کی بجائے کو ہی استعمال کرتے ہیں، یعنی اس کے بیٹا ہوا، کی بجائے اس کو بیٹا ہوا کہتے ہیں۔ (سندھ کے علاقے میں بھی وہ حضرات جن کی مادری زبان سندھی ہے اس کو بیٹا ہوا بولتے ہیں) مگر اس سے 'کو' اور 'کے' کی اصل ایک ہونے کا پتا ضرور چلتا ہے۔

۱- مولوی عبد الحق نے ''اس کے چٹکی لی'' اس کے کنگھی کی وغیرہ مثالوں میں 'کے' کی ایک اور توجیہ کی ہے جو آگے آتی ہے۔

فعل اور فاعل کی مطابقت

عموماً فعل اپنے فاعل سے تعداد ، شخص ، جنس ، وغیرہ میں مطابقت رکھتا ہے ؛ لیکن خاص صورتوں میں اس کے خلاف بھی ہوتا ہے جیسے:

(الف) تعظیماً واحد فعل کے ساتھ فعل جمع لاتے ہیں ۔ مثلاً ''والد صاحب آتے ہیں'' ۔

(ب) کبھی اس صورت میں کہ فاعل غیر ذوی العقول کا مرکبِ معطوفہ ہو اور ہر عطف واحد پر ہو تو فعل واحد آتا ہے مثلاً ، پنسل ، اور دوات ، اور میز ، اور کرسی ٹوٹی پڑی ہے ۔

(ج) اگر فاعل مختلف الجنس اشیا پر مشتمل ہو تو فعل مذکر آتا ہے یا قریب ترین اسم یا ضمیر کی جنس سے مطابقت رکھتا ہے مثلاً لڑکے ، لڑکیاں شور مچا رہے ہیں ۔ اس گھر کے مرد اور بچے اور عورتیں کہاں ہیں ؟

(د) متعدی افعال کی جن کے افعال ماضی کے ساتھ علامت فاعل 'نے' آتا ہے دوسری صورت ہے، اس صورت میں فعل فاعل سے مطابقت رکھنے کی بجائے مفعول سے مطابقت رکھتا ہے ۔

جب کسی فعل کا مبتدا جملہ یا جزو جملہ ہوتا ہے تو فعل ناقص واحد ہوتا ہے مثلاً سانچ کو آنچ نہیں صحیح ہے ۔

جب فاعل ضمیر ہو اور مذکر و مؤنث دونوں کی طرف راجع ہو تو فعل مذکر ہو گا ، مثلاً بیوی نے میاں سے کہا اب ہم یہاں نہیں ٹھہر سکتے ۔

اگر فاعل دو یا دو سے زائد ایسے اسما یا ضمائر پر مشتمل ہے جو سب کے سب واحد اور ایک جنس کے ہوں تو فعل ان اسما یا ضمائر کی جنس کے تابع ہو گا ، مثلاً اس سے کم ہمتی اور بزدلی اور بے مروتی بڑھی ، ایسی باتوں سے وقار اور بھرم خاک میں مل گیا ۔

لیکن اگر ان میں سے ایک یا ایک سے زائد جمع ہوں تو فعل جمع ہوگا بشرطیکہ جمع فعل کے متصل ہو ، مثلاً دو اسم ہوں اور ان اسموں کے

آخر میں لفظ دونوں یا دونوں کے دونوں آئیں تو فعل جمع آئے گا ، مثلاً میاں اور بیوی دونوں سدھارے ، یا دونوں کے دونوں سدھارے ۔
جب فاعل دو یا دو سے زائد اسم ہوں اور ان کے آخر میں لفظ 'سب' آئے تو فعل جنس ، تعداد میں آخری اسم کے مطابق ہوگا ۔ مثلاً اس کا مال و اسباب ، جاگیر ، مکانات سب بک گئے ۔ اس کا مال و اسباب گھر بار سب بک گیا ۔

جب 'سب' کی تکرار حرف اضافت کے ساتھ ہو تو سب کا سب واحد سب کے سب ، جمع اور سب کی سب ، مؤنث واحد و جمع کے لیے ہوگا ۔

جب 'سب' کچھ آخر میں آئے تو فعل ہر حالت میں واحد ہوگا ، مثلاً مال و اسباب ، جاگیر ، مکانات سب کچھ بک گیا ۔
آخر میں جب کوئی یا کچھ ہو تو بھی فعل واحد مذکر ہوگا جیسے بوڑھا ، بچہ ، جوان ، مرد ، عورت کوئی اس حکم سے سرتابی نہیں کرے گا ۔

مال و اسباب ، جاگیر ، مکانات کچھ نہ رہا ۔

جب فاعل دو یا زائد ایسی ضمیروں پر مشتمل ہو جن کی نوعیت الگ الگ ہو ، یعنی کوئی متکلم ہو کوئی مخاطب اور کوئی غائب تو فعل جمع آئے گا ، مثلاً ہم تم کل بازار چلیں گے ، کیا وہ اور تم اور میں ساتھ ساتھ گھر نہیں آئے تھے ۔

نوٹ : ایسی صورت میں جہاں تک ممکن ہو ضمیر جمع آخر میں لانی چاہیے جیسے ، کیا وہ اور اس کا بھائی اور ہم ساتھ ساتھ نہیں آئے تھے ۔
کتابوں ، اخباروں ، اور رسالوں کے نام گو جمع ہیں مگر وہ مثل واحد استعمال ہوتے ہیں اور ان کے فاعل ہونے کی حالت میں فعل واحد آئے گا ۔ نیز اسم جمع (Collective Noun) مثلاً فوج فاعل ہو تو فعل واحد آئے گا ۔ مثالیں :
(۱) مقالات الشعراء چھپ گئی (کتاب مؤنث ہے اس لیے فعل مؤنث آیا) ۔

(۲) فوج جا رہی ہے ۔

افعال ناقص میں جب مبتدا اور خبر دونوں اسم ہوں تو فعل مبتدا کے مطابق ہونا چاہیے ۔

بعض صورتوں میں جب دو لفظ بلا حرف عطف مل کر بطور فاعل آتے ہیں اور ایک کلمہ کا حکم رکھتے ہیں تو فعل واحد آتا ہے جیسے، گھوڑا گاڑی بک گئی ۔

نوٹ: کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے ، یعنی فعل آخری لفظ کے مطابق نہیں آتا ۔ جیسے ، ''تمھارے کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہوتا ہے ۔''

جس طرح افعال ناقصہ میں فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے ، اسی طرح افعال قلوب میں بھی فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے ۔ اس کے مفعول یا خبر کو فعل کی تذکیر و تانیث میں کچھ دخل نہیں ۔
کبھی فاعل مذکور نہیں ہوتا قرینے سے معلوم ہو جاتا ہے اور فعل کی تعداد کے مطابق فاعل کی تعداد اور جنس ہوتی ہے جیسے ، کب آئے (یعنی آپ یا وہ)

۹۔ فاعل اور فعول کا رشتہ

عربی میں پانچ قسم کے مفعول ہوتے ہیں :

(۱) مفعول بہ (جس پر فعل واقع ہو)
(۲) مفعول مطلق (فعل کے ساتھ اس فعل کا مصدر یا اس کا ہم معنی فعل لاتے ہیں) ۔
(۳) مفعول لہ (ایک کلمہ جو فعل کی غرض یا علت بتائے)۔
(۴) مفعول منہ (وہ آلہ جس سے فعل کیا جائے)
(۵) مفعول فیہ (یعنی وہ جگہ یا وقت جس میں فعل واقع ہو)

عربی میں فعل لازم کا مفعول بہ نہیں آتا ؛ باقی چار مفعول آ سکتے ہیں ۔ مگر اردو میں یہ چاروں مفعول ، متعلق فعل ہوتے ہیں یعنی اردو میں مفعول بہ آتا ہے اور باقی مفعول بحیثیت مفعول نہیں آتے ۔

مؤلف آئین اردو کے نزدیک اردو میں مفعول مطلق نہیں ہوتا (یعنی فعل کے ساتھ اس کا مصدر نہیں آتا) البتہ مادہ مصدر اس مصدر کے ساتھ بولتے ہیں جیسے ''اس نے خوب مار ماری''۔ یہ درست ہے اور اس جملے میں مار متعلق فعل ہے نہ کہ مفعول ۔ لیکن یہ کہنا کہ صرف مادہ مصدر ہی بطور متعلق فعل آتا ہے درست نہیں کیونکہ کبھی مصدر بھی آتا ہے جیسا کہ ان مثالوں میں :

''تم ہر وقت یہی جھینکنا جھینکتے رہتے ہو''۔ ''ہر دم رونا روتے رہتے ہو''۔ دونوں صورتوں میں یعنی فعل کے ساتھ مادہ مصدر ہو یا مصدر، علامت مفعول 'کو' نہیں آتی کیونکہ یہ متعلق فعل ہے ۔ 'کہنا' ایک ایسا مصدر ہے کہ اس کے ساتھ سب قسم کے علامات مفعول استعمال کر سکتے ہیں جیسے تم اس سے کہو، تم اس کو کہو، تم نے میری کہن تک نہ سنی''۔

نوٹ: 'کو' کے علاوہ جو بہت مستعمل ہے، بعض جملوں میں 'سے' اور 'تک' بھی بطور علامت مفعول بولے جاتے ہیں ۔

محاورات میں جہاں مفعول مصدر کے ساتھ آتا ہے 'کو' لانا غیر فصیح ہے، مثلاً منہ چڑانا، کان کھولنا، کمر باندھنا۔

اسی طرح دوسری بے جان اشیا اور کیفیات قلبی کے ساتھ یہی عمل ہوتا ہے جیسے، ''خط لکھا''، ''شراب پی''، ''پانی پیا''، ''رنج نہ کرو''، ''تسلی رکھو۔''

جو افعال بنانے، مقرر کرنے 'بلانے' یا نام رکھنے کے معنوں میں ہوں یا افعال قلوب ہوں (یعنی ان کے معنی سمجھے جانے اور خیال کرنے کے ہوں) تو ان کے ساتھ بھی دو مفعول ہوتے ہیں - مفعول اول کے ساتھ اکثر، کو، آتا ہے ۔

ایسے افعال کے بہ طور مجہول میں جن میں دو مفعول ہوتے ہیں مفعول قریب فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے مگر حالت اُس کی وہی رہتی ہے -

جب فعل متعدی، بہ دو مفعول ہو تو پہلے مفعول کے ساتھ علامت

مفعول آتی ہے۔ دوسرے کے ساتھ نہیں آتی جیسے ، ''آپ آئے'' ''خالد کو کھانا کھلایا ۔''

۔۔لیکن جہاں دو مفعولوں میں سے ایک مفعول شخصی ہو اور دوسرا کوئی شے ، تو علامت مفعولی مفعول شخصی کے ساتھ آئے گی خواہ وہ مفعول اول ہو یا ثانی جیسے ، میں نے لڑکے کو کتات دی ، میں نے کتاب لڑکے کو دی ۔''

باب دوم

مسند الیہ ہونے والے کلمات

اسماء

مسند الیہ ہونے والے کلمات (اسماء ، ضمائر ، مصادر) میں سے اسماء کے تین لوازم ہیں ، جن سے اسماء کی صورتِ استعمال متعین ہوتی ہے - یعنی :

(۱) جنس
(۲) تعداد
(۳) حالت (مسند الیہ کی صورت میں حالت فاعلی)[1]

جنس کا بیان اس باب کے دوسرے جزو میں آئے گا - تعداد کے سلسلے میں اہم نحوی اصول یہ ہیں :

وحدت و جمع میں مسند الیہ اور مسند میں مطابقت ہوتی ہے -

جب فعل کے بعد افعال تصریحی ہوں تو مؤنث کی جمع کا اثر صرف افعال تصریحی پر پڑتا ہے - اور فعل واحد ہی استعمال کیا جاتا ہے ؛ مثلاً یہ مرغیاں مرنے والی ہیں - یہ عورتیں جانے والی ہیں -

---

۱- حالت دراصل صرف کی اصطلاح ہے ؛ نحو میں اس کا نام اسناد ہے - حالت سے اسماء میں تغیر بھی ہوتا ہے جو صرف سے متعلق ہے لیکن جملے کے دوسرے اجزا سے اس کا تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے - اور یہ چیز نحو سے متعلق ہے -

حالیہ ماضی جب کسی اسم کے ساتھ مل کر فاعل واقع ہو تو تعداد (اور جنس) میں فاعل فعل کے مطابق ہوگا ۔ مثلاً سوئے نصیب جاگے ۔ سوئی ہوئی قسمت جاگی ۔

جب مسند دو یا زیادہ اسماء پر مشتمل ہو تو فعل لازم کی صورت میں فعل اپنے قریب تر اسم کے مطابق ہوگا ۔ مثلاً ماں بیٹے چلے گئے ۔

اگر مسند کے بعد مفعول مع علامتِ مفعول آئے تو بصورت جمع بھی فعل واحد مذکر بولا جائے گا ، مثلاً میں نے پھولوں کو کھلتے دیکھا ۔ یا کھلتا دیکھا ۔

اگر مسند الیہ اضافی حالت میں ہو اور مضاف اس میں بحیثیت عطف متعدد ہوں اور ان کے بعد لفظ سب آئے تو فعل تعداد (اور جنس) میں مسند الیہ کے آخری مضاف کے مطابق ہوگا ، مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں ، کمر اور پنڈلیاں سب دکھ رہی ہیں ۔

اگر لفظ سب کے بعد لفظ کچھ بھی آئے یعنی 'سب کچھ' تو فعل واحد آئے گا ، مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں ، کمر اور پنڈلیاں سب کچھ دکھ رہا ہے ۔

اسمائے جمع کے مسند الیہ ہونے کی صورت میں ان کے لیے فعل واحد آتا ہے ۔ مثلاً فوج آ گئی ۔ رسالہ چلا گیا ۔

جب دو اسم (دونوں مذکر یا ایک مذکر اور ایک مؤنث) مسند الیہ واحد ہوں تو فعل جمع مذکر آتا ہے ۔ مثلاً لڑکے لڑکیاں امتحان دے رہے ہیں ۔ حامد اور ان کے والد کراچی جا رہے ہیں ۔

اگر دو اسم مل کر ایک اسم ہوگئے ہیں تو فعل اسم ثانی کے مطابق ہوگا ۔ مثلاً مال گاڑی اُلٹ گئی ۔

رشتے کا نام ۔ (الف) اکثر چھوٹے رشتے کا نام بڑے رشتے کے بعد لاتے ہیں ۔ اور چھوٹے رشتے کے نام کے آخر میں اگر الف یا ہ ہو تو اسے واحد کے لیے بھی یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں ، مثلاً چچا بھتیجے باتیں کر رہے ہیں ۔ اگر اس تشابہ سے بچنا ہو کہ یہاں بھتیجے ایک بھتیجے کے لیے بھی آ سکتا ہے اور ایک سے زاید کے

لیے بھی تو حرف عطف کے ساتھ یوں کہہ سکتے ہیں کہ چچا اور بھتیجا باتیں کر رہے ہیں ۔ بغیر عطف کے یوں کہنا فصیح نہیں کہ چچا بھتیجا باتیں کر رہے ہیں ۔

(ب) جو رشتے مساوی یا قریب مساوی کے ہیں ان کا الفِ آخر یائے مجہول سے نہیں بدلتے ۔ مثلاً نانا اور دادا باتیں کررہے ہیں ۔

دو یا دو سے زیادہ ذوی العقول اسموں کے لیے جو حرف عطف کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔فعل خواہ کسی قسم کا ہو بصورت جمع لائیں گے ، مثلاً خالد اور سعید اچھے کھلاڑی ہیں ۔ پیٹنے والے اور پٹنے والے سب پکڑے گئے ۔

دو یا دو سے زیادہ غیر ذوی العقول اسموں کے لیے، جو حرف عطف کے ساتھ ملے ہوئے ہوں ، فعل کہیں قریب تر[1] معطوف کے مطابق آتا ہے ۔ مثلاً لڈو اور گلاب جامنیں اور جلیبی اچھی بنی ہیں ۔

اور کہیں قریب معطوف کا لحاظ کیے بغیر فعل جمع مذکر لاتے ہیں بشرطیکہ کوئی معطوف علیہ مذکر ہو ۔ مثلاً گھوڑا اور گھوڑی رسی تڑا کر بھاگ گئے ۔

ضمائر

مسند الیہ اگر ضمیر ہے اور اس کے بعد ضمیر شخصی صفت کی موصوف ہو کر حالت مفعولی میں ہو اور اس کے بعد علامتِ مفعول بھی ہو تو تعداد اور جنس میں صفت و موصوف میں مطابقت ہوگی ۔ مثلاً تم ان غریبوں کو کیوں ستاتے ہو ؟ ہم تم ظالموں کی حمایت نہیں کریں گے ۔ تم مجھ دکھیا کو کیوں یہاں سے ہٹاتے ہو ۔

اگر مسند الیہ جمع ہو یا اس کے لیے ضمیر جمع تعظیماً بولیں تو فعل جمع لائیں گے ، مثلاً آپ جیسے ماہرِ خطّاط اب کہاں پیدا ہوتے ہیں ۔

جب بصورت عطف مختلف ضمیریں مسند الیہ ہوں تو ضمیر واحد کا ضمیر جمع سے پہلے لانا فصیح ہے[1] ، مثلاً اس نے اور ہم نے ساتھ سفر کیا

۱۔ غرض اس کی یہ ہے کہ فعل سے قریب تر فاعل جمع ہو اور اس کے مطابق فعل جمع آئے ۔

یہ فصیح ہے - ہم نے اور اس نے ساتھ سفر کیا - یہ فصیح نہیں -

جہاں ضمائر مختلف مسند الیہ ہوں وہاں فعل جمع آئے گا جیسے ، میں اور وہ ایک ہی مکان میں رہتے ہیں -

اگر ضمیریں صرف واحد یا صرف جمع ہوں تو حاضر کو غائب پر اور متکلم کو سب پر ترجیح ہوتی ہے - آج کل اس ترتیب کا خیال گفتگو تو کیا تحریر میں کم رکھا جاتا ہے - لیکن فصیح یہی ہے کہ اس کا لحاظ رکھا جائے[۱] -

مصادر

مصدر جب مرکب حالت میں (مثلاً پان کھانا یا بات کرنا) مسند الیہ کی حیثیت سے آتا ہے تو مصدر سے قبل مؤنث اسم ہونے کی صورت میں دو مختلف استعمالات ملتے ہیں ، مثلاً :

(۱) بات کرنی مشکل ہے -
(۲) بات کرنا مشکل ہے -

۱- مفعولی ، مجروری اور اضافی حالتوں میں بھی عموماً یہی ترتیب رہے گی - بول چال میں ہم تم ، میرا تیرا ، ہمارا تمھارا ، میرا تمھارا بصورت واحد) ، میرا اُن کا (اُن کا تعظیماً بصورت واحد) اسی قاعدے کے تحت آتے ہیں -

ع میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے سقطع میرا تیرا میل نہیں
(انشا)

ع ابھی فیصلہ ہے ہمارا تمھارا (داغ)

دل چاہتا ہے مل لیں دم کا نہیں بھروسا
دو دن کی زندگی میں پھر ایک بار ہم تم (حاتم)

آو نہ اتنی دیر ہمیں تم کریں کلام
روزِ جزا ابھی ہے توقف حساب میں (داغ)

عام طور سے دلی والے اسم کی تانیث کی رعایت سے علامت مصدر نا بدل کر نی لاتے ہیں - جب کے عام طور سے اہل لکھنؤ علامت مصدر میں تبدیلی نہیں کرتے - مثالیں :

(۱) بات کرنی تک نہ آتی تھی تمھیں
یہ ہمارے سامنے کی بات ہے (داغ دہلوی)

(۲) شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبط آہ کرنا

(نظیر اکبر آبادی)

اگرچہ لکھنؤ میں عموماً علامت مصدر کا تغیر نہیں ہے ، لیکن مستثنیات ضرور ہیں جو صاحب جس طرح چاہیں لکھیں کوئی مزاحم نہیں - خود امیر مینائی کی زبان سے اس طرح ادا ہوا ہے -

مشکل پڑی حضور کو گھر رات کاٹنی
دیکھیے ہمارے نالۂ شب گیر کے خواص

دیا شنکر نسیم نے بھی لکھا ہے :

سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی

مرکب صورت میں جب مصدر مضاف الیہ بن کر آئے تو علامت مصدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ، مثلاً :

کہہ گئی کچھ تو حیا آ کے مری جانب سے
ورنہ یوں مجھ سے ترا آنکھ چرانا کیسا

(امیر اللہ تسلیم لکھنوی)

تھا فتنۂ قیامت اے سیل رود موسیٰ
سن کر ترا مچلنا بن کر ترا بگڑنا

(ظفر علی خان)

مرکب صورت میں اسم اور مصدر کے درمیان حرف 'کو' 'پہ' کا وغیرہ آنے کی صورت میں علامت مصدر 'نا' ہی رہتا ہے گو اسم مؤنث ہی کیوں نہ ہو ، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ، مثلاً :

(۱) گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ اسل

(محسن کاکوری)

---

(۲) دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

(حسرت موہانی)

---

(۳) انسان و پری کا سامنا کیا
مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا (دیا شنکر نسیم)

---

(۴) پیری میں طرزِ عشقِ جوانی وہی رہا
صورت کے ساتھ دل کا بدلنا محال تھا

(دیا شنکر نسیم)

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا
سنگیں عمارتوں کا پتوں کی طرح جھڑنا

(ظفر خان علی)

۲- تذکیر و تانیث بحالت فاعلی

جیسا فاعل (یا مفعول ما لم یسمی فاعلہ) ہو گا ویسا ہی فعل آئے گا - مثلاً عورتیں آئیں ، وہ آیا - آدمی پڑے - شیر مارا گیا -

فعل متعدی کا اگر مفعول مذکور نہ ہو اور صرف فاعل کا ذکر کیا جائے تو فعل فاعل کے مطابق ہو گا ''مثلاً پلنگ کون لایا''۔ کے جواب میں

میں کہیں کہ احمد لایا ، یا رضیہ لائی ۔ یا احمد اور رضیہ لائے ۔ یا رضیہ اور سلمیٰ لائیں ۔

جہاں فاعل کے ساتھ علامت فاعل نے آئے اور مفعول مذکور ہو اور اس کے ساتھ علامت مفعول کو آئے تو فعل واحد مذکر بولا جائے گا ۔ مثلاً سپاہی نے چور کو پکڑا ۔ سپاہیوں نے چوروں کو پکڑا ۔ سپاہیوں نے چور کو پکڑا ۔ سپاہی نے چوروں کو پکڑا ۔

اگر فاعل کے ساتھ علامت فاعل نے آئے مگر مفعول کے ساتھ علامت مفعول کو نہ آئے تو فعل متعدی مفعول کے مطابق آئے گا ۔ شکاری نے چیتا مارا ۔ شکاری نے چیتے مارے ۔ شکاری نے مچھلی پکڑی ۔ شکاری نے مچھلیاں پکڑیں ۔

متعدی بہ دو فعل کی صورت میں فعل کی مطابقت مفعول ثانی سے ہو گی، فاعل سے مطابقت نہیں ہو گی ۔

ماضی استمراری میں فاعل کا اثر فعل پر ہوتا ہے ۔ مثلاً میں نظم لکھتا تھا یا لکھ رہا تھا ۔ وہ کتاب پڑھتی تھی یا پڑھ رہی تھی ۔ عورتیں کھانا پکا رہی تھیں ۔

اگر مسند الیہ میں اسم حالیہ ماضی کے ساتھ آئے تو حالیہ ماضی اور فعل دونوں اسم کے مطابق ہوں گے مثلاً بھاگا ہوا لڑکا آیا ۔ بھاگے ہوئے لڑکے آئے ۔

دو یا زیادہ اسموں پر مشتمل مسند الیہ کی جنس کا قاعدہ جب کہ اسم مختلف الجنس ہوں پیشتر آ چکا ہے ، نیز رشتوں کے سلسلے میں بھی صراحت کی جا چکی ہے ۔

ضمائر شخصی ، (اشاری ، تنکیری ، موصولہ) فاعلی اور مجروری حالتیں

جنس اور تعداد میں ضمیر اپنے اسم سے مطابقت رکھتی ہے ۔ مثلاً حامد گھر سے چلا ، پھر وہ بازار پہنچا ۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا (مومن)

البتہ جب ایک شخص کے لیے ضمیر تعظیمی استعمال کرتے ہیں تو واحد کے بجائے جمع لاتے ہیں ۔ مثلاً آپ یہ کیا فرماتے ہیں ۔ کبھی ایک طبقہ کی نمائندگی کے لیے ، کہنے والا اپنے لیے ضمیر ہم استعمال کرتا ہے ۔ مثلاً :

ع اب اور سے لو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم (مومن)

کبھی ایک کے لیے بھی ہم استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً
پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا
(غالب)

ضمائر شخصی مسند الیہ ہونے کی صورت میں کبھی حذف کر دی جاتی ہیں بالخصوص اشعار میں ۔ مثلاً :

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے (ذوق)

غیر عیادت سے برا مانتے
قتل کیا آن کے اچھا کیا (مومن)

امر کے جملوں میں اکثر ضمیر فاعلی مقدر ہوتی ہے مذکور نہیں ہوتی ۔ عام بول چال اور اشعار دونوں صوتوں میں ضمیر فاعلی مذکور نہیں ہوتی ۔ مثلاً ادھر جاؤ ۔ کھانا کھائیے ۔

نا روا کہیے ناسزا کہیے کہیے کہیے مجھے برا کہیے (داغ)

ضمائر مفعولی مجھ اور تجھ کبھی مسند الیہ کا جزو بن کر بھی استعمال ہیں ۔ مثلاً مجھ خاکسار نے یہ خدمت انجام دی ہے ۔ مجھ کم بخت نے آپ کو تکلیف پہنچائی ۔

ضمیر واحد متکلم مسند الیہ ہو اور علامت فاعل نے آئے تو حرف حصر

ہی ہمیشہ نے کے بعد آتا ہے - مثلاً[1] میں نے ہی یہ خط لکھا ہے -

مگر دو[2] ضمائر شخصی کے ساتھ ہی علامت فاعل نے سے قبل آتا ہے - مثلاً تم ہی نے خط لکھا ہے - ہم ہی نے تمھیں بلایا ہے - اسی (اس ہی) نے شیر مارا ہے -

ضمیر غائب کے بجائے کبھی تعظیماً ضمیر مخاطب لاتے ہیں - مثلاً آپ مکہ سے مدینے تشریف لے گیے -

ضمیر 'اپنا' کبھی فاعلی حالت میں بطور اسم بھی آتی ہے - مثلاً اپنا اپنا ہے پرایا پرایا -

ضمیر اشاری : یہ ، وہ

ضمائر اشاری یہ کی جگہ کبھی یوں بھی آتا ہے - مثلاً :

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
یوں ہے کہ مجھے دُرد تہ جام بہت ہے (غالب)

مسند الیہ میں علامت فاعل کے ساتھ اگر اسم سے قبل ضمائر اشاری لائیں تو 'یہ' کی جگہ اِس اور 'وہ' کی جگہ اُس لاتے ہیں اور بحالت جمع ان اور ان مثلاً اس شخص نے چوری کی ، اس شخص نے چوری کی ان لوگوں نے چوری کی ، ان لوگوں نے اچھے کام کیے -

---

۱- غالباً صرف جلال نے میں کے ساتھ ہی استعمال کیا ہے :

شعر : جلایا کیے وہ شب وصل میں
میں ہی رات بھر شمعِ محفل رہا

مگر اس میں علامتِ فاعل نہیں آتی -

۲- اب ہی کا ہ حذف کر دیتے ہیں جیسے اسی ، تمھی ، اُنھی ، بلکہ انجمن ترقی اردو نے بھی اختیار کیا ہے - غالب ، داغ وغیرہ نے ہی کے ساتھ ن غنہ کا اضافہ بھی کیا تھا - جیسے:

ع تمھیں منصفی سے کہہ دو تمھیں اعتبار ہوتا (داغ)

اور داغ "یوں ہی" کو "یونہیں" لکھتے تھے -

ایسا (بجائے یہ) اور ویسا (بجائے وہ) ایسوں ، ایسی ، ایسیوں ، وغیرہ بھی ضمیر اشارہ کے طور سے اس جگہ لاتے ہیں جہاں تمثیل یا تشبیہ مقصود ہو ۔ نیز ملا کر بھی یعنی ایسا ویسا ۔ ایسے ویسے - ایسوں ویسوں بھی بولتے ہیں ۔ حالت فاعلی میں ان کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں ؛ کسی ایسے ہی نے کہا ہو گا ۔ ایسوں نے خراب کیا ۔ کوئی ایسی ہی چرا لے گئی - ایسوں ہی نے مل کر یہ کام کیا ہو گا -

حالت مجروری میں استعمال کی مثالیں :

ایسے سے کیا کام ہو سکتا ہے ۔ ایسوں سے نباہ آسان نہیں - ایسی سے کیوں بولتی ہو ۔ ایسوں ویسوں سے بات تک نہ کرو۔

ضمائر تنکیری : کوئی ، کچھ :

ضمائر تنکیری یہ ہیں : کوئی ، اور کچھ ، بعض ، چند ، فلاں ، کل ، سب وغیرہ یہ غیر معین شخص یا چیز کے لیے آتی ہے - بے جان کے لیے بھی اور جاندار کے لیے بھی -

(۱) کوئی :

اس ضمیر میں تعداد اور جنس سے کوئی تغیر نہیں ہوتا ۔ مثلاً کوئی آیا ہے - کوئی آئے ہیں ۔ کوئی آئی ہے - کوئی آئی ہیں ۔ نیز جاندار اور بے جان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ کئی شخصوں چیزوں پر فرداً فرداً دلالت کے لیے مکرر ، یعنی کوئی کوئی بھی آتا ہے -

جاندار کے لیے استعمال کی مثال :

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو (غالب)

بے جان[۱] کے لیے استعمال کی مثال :

کمرے میں بہت سی کتابیں ہیں کوئی میز پر ہے ، کوئی الماری میں -

---

۱- مولوی عبد الحق نے قواعد اردو (ص ۱۹۱ ، ۱۹۳ مطبوعہ دہلی) میں لکھا ہے کہ ''کوئی بطور ضمیر ہمیشہ جاندار کے لیے استعمال ہوتا ہے -....'' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے -

ضمیر تنکیری کوئی کے ساتھ علامت فاعل نے ہو تو کوئی کسی سے بدل جاتا ہے ۔ مثلاً:

کیا تم نے قتلِ جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا (مومن)

حالت مجروری میں استعمال کی مثالیں :

کسی سے میری جان پہچان نہیں ۔ کسی سے مجھے عداوت نہیں ۔ کسی پر آپ کو اعتماد نہیں ۔

ارشاد ہوا ہے کہ تجھے قتل کریں گے
پھر یہ بھی ہے تاکید کہ کہنا نہ کسی سے (داغ)

دم عشق میں گیا دلِ مہجور رہ گیا
صدمہ کسی سے اٹھ نہ سکا کوئی سہ گیا (داغ)

فرداً فرداً دلالت کے لیے :

کئی شخصوں یا چیزوں پر فرداً فرداً دلالت کے لیے کوئی کوئی یا کسی کسی کا استعمال عام ہے[1] ۔ مثلاً کوئی کوئی کامیاب ہے ۔ کسی کسی نے محصول ادا کیا ہے ۔ (فاعلی حالت میں) کسی کسی سے میں ملا (حالت مجروری میں) ۔

مختلف افعال و اسما کے ذکر کے لیے :

مختلف افعال و اسما کے ذکر کے لیے کوئی کوئی یا کسی کسی فصل کے ساتھ آتے ہیں ۔ مثلاً کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے ۔ کسی نے بویا کسی نے کاٹا ۔ (حالت فاعلی میں) کسی سے دال ملی کسی سے چاول (حالت مجروری میں)

۱۔ چونکہ دلالت فرداً فرداً ہے اس لیے قلت کا مفہوم بھی نکلتا ہے۔

عمومیت میں زیادتی اور تاکید یا زور دینے کے لیے :

عمومیت میں زیادتی اور تاکید یا زور دینے کے لیے درمیان میں حرف نفی لا کر کوئی نہ کوئی ، کسی نہ کسی ، بولتے ہیں ، مثلاً کوئی نہ کوئی تو آئے گا ۔ کسی نہ کسی نے دستک دی ۔ کسی نہ کسی سے تو ملاقات ہوگی (بحالت مجروری) ۔

انتخاب یا تمیز کے لیے :

انتخاب یا تمیز کے معنی پیدا کرنے کے لیے کوئی کے بعد لفظ سا ، سی ، سے ، لاتے ہیں ۔ مثلاً کوئی سا آیا ۔ کوئی سی آئی ۔ کوئی سی آئیں ۔ (حالت فاعلی میں) کوئی سے پر مار پڑے ، کوئی سے پر لتاڑ پڑے (حالت مجروری میں) ۔

(۲) کچھ :

یہ ضمیر بھی جاندار اور بے جان دونوں کے لیے آتی ہے ۔ اور غیرمعین مقدار اور تعداد کے لیے آتی ہے ۔ مثلاً کچھ نے گایا ، کچھ نے بجایا ۔ کچھ بولے ، کچھ خاموش رہے ۔ (حالت فاعلی میں) کچھ سے ملاقات ہوئی اور کچھ ناراض ہوئے ۔ (حالت مجروری میں) کچھ کچھ ، کچھ نہ کچھ ، بھی مستعمل ہیں ۔

(۳) بعض اور چند :

کچھ کی جگہ الفاظ بعض اور چند بھی آتے ہیں مگر دونوں تعداد کے لیے آتے ہیں ۔ جبکہ کچھ تعداد کے لیے آتا ہے اور مقدار کے لیے بھی ۔ مثالیں : بعض نے پڑھا ، بعض نے لکھا ۔ بعض آئے ، بعض گئے ۔ چند نے آرام کیا چند گیا ۔ چند رکے ، باقی چلے گئے ۔ (حالت فاعلی میں) بعض سے باتیں کیں ، چند سے ملاقات ہوئی ، بعض پر ناراض ہوئے ، چند پر مہربانی کی (حالت مجروری میں) نیز مکرر بھی آتے ہیں ، بعضا بعضا ، بعضی بعضی ، بعضے ۔ بعضے ۔ چند مکرر نہیں آتا ۔

(۴) کئی :

یہ ضمیر تعداد غیر معین کے لیے آتی ہے ۔ نیز ایک ساتھ ملا کر

کئی ایک بھی اس معنی میں بولتے ہیں ۔ مثالیں : کئی آئے ، کئی ایک آئے ، کئی نے مارا ، کئیوں[1] نے مارا (حالت فاعلی میں) کئی سے ملاقات ہوئی ، کئی ایک پر غصہ اتارا ۔ تکرار کے ساتھ کئی کئی بھی مستعمل ہے ۔ مثلاً ایک چوکی پر کئی کئی بیٹھ گئے۔ (حالت فاعلی میں) کئی کئی مکانوں پر ایک چوکیدار ہے (حالت مجروری میں) ۔

(۵) سارا ، ساری ، سارے :

یہ ضمائر کل اور تمام کے معنی میں آتے ہیں ۔ مثلاً سارا گر گیا ، ساری گذر گئی ، سارے آ گئے ، ساروں نے کھایا ، ساریوں[2] نے پیا (حالت فاعلی میں) ۔

(٦) سب ، کل ، تمام :

یہ سب مترادف ضمائر ہیں ۔ ان میں جنس اور تعداد یا کسی علامت کے آنے سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ۔ مثالیں : سب آ گیا ، سب آ گئی، سب آئے ۔ کل آ گیا ، کل آ گئی، کل آ گئے ، کل آ گئیں ، تمام آ گیا ، تمام آ گئی ، تمام آ گئے ، تمام آ گئیں ۔ (حالت فاعلی میں) سب سے کہہ دیا ، کل پر لتاڑ پڑی ، تمام سے ملاقات ہو گئی ۔ (حالت مجروری میں)

(۷) اعداد : ایک، دو ، چار، چھ ، وغیرہ ۔

بعض اوقات اعداد تنکیری حالت کو بھی ظاہر کرتے ہیں ۔ یعنی صحیح اعداد کا ظاہر کرنا مقصود نہیں ہوتا ، مثلاً ایک آتا ہے ایک جاتا ہے ۔

ع ابھی بزم دل ستان میں گئے دو تو چار آئے (آرزو لکھنوی)

دس اٹھے تو پانچ بیٹھے (حالت فاعلی میں) ایک سے بولے دو سے نہ بولے ۔ دو سے ملے چار سے نہ ملے (حالت مجروری میں) ۔

۱۔ کئی کی جمع کئیوں بول چال میں مستعمل ہے مگر تحریر میں اس کا استعمال دیکھنے میں نہیں آیا ۔

۲۔ علامت فاعلی 'نے' صرف ساروں ، اور ساریوں کے ساتھ آتی ہے ۔

مکرر حالت میں مثلاً ایک ایک ، دو دو ، چار چار ، سے کسی مبہم تعداد پر فرداً فرداً دلالت ہوتی ہے ۔ مثلاً ایک ایک آؤ ، دو دو جاؤ (حالت فاعلی میں) ۔ دو دو سے ملاقات ہوئی (حالت مجروری میں)۔

حرف نفی کے ساتھ :

ضمیر ایک کی تکرار کے ساتھ درمیان میں حرف نفی بھی لاتے ہیں یعنی ایک نہ ایک اور اس سے کوئی کا مفہوم نکلتا ہے ۔ مثلاً ایک نہ ایک آئے گا (حالت فاعلی میں) ۔ ایک نہ ایک سے ملاقات ہو گی (حالت مجروری میں) ۔ یوں بھی بولتے ہیں ایک نہ دو اکٹھے دس آ گئے (بحالت فاعلی) دو نہ چار بیسیوں سے مقابلہ کرنا پڑا (بحالت مجروری)۔ اور اس صورت استعمال سے تعداد ظاہر کرنا اصل مقصود نہیں ہوتا بلکہ کثرت پر زور دینا مقصود ہوتا ہے ۔

ضمیر موصولہ یا ضمیر بیانی جو ، جس ، جن ، جنھوں :

یہ ضمیر بیان کے جملے میں آ کر دو فقروں میں ربط پیدا کرتی ہے ۔ ضمیر موصولہ کے بعد کا فقرہ صلہ کہلاتا ہے ۔ اور موصول وہ صلہ مل کر جملہ کا پورا جز بنتے ہیں[1] ۔ مثالیں : جو رکا وہ پکڑا گیا ، جس نے دھوکا دیا اس نے برا کیا ۔ جنھوں نے بزدلی دکھائی وہ ذلیل ہوئے ، جون سا رنگ میں زیادہ سیاہ ہے وہ زیادہ قیمت کا ہے ۔ جون سے نے بانگ دی ہے وہ اصیل مرغا ہے ۔

جون جون سا ، جون جون سی ، جون جون سے ، بھی مستعمل ہیں ، اور ان کی جگہ جو جو ، جن جن ، جس جس ، بھی بتکرار لاتے ہیں ۔

جو کے ساتھ حالت فاعلی میں علامت فاعل 'نے' نہیں آتی ۔ علامت فاعل کے ساتھ جو کے بجائے جس اور جنھوں لاتے ہیں ۔

---

۱ ۔ اگر ضمیر موصولہ میں شرط کے معنی نکلیں تو صلہ کو جزا کہتے ہیں ۔

مجروری حالت میں جو کو صرف جس اور جن سے بدلتے ہیں ۔ مثلاً :

جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے (ثاقب لکھنوی)

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے (غالب)

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمھی تو ہو (ظفر علی خاں)

ضمیر جو کے جواب میں وہ ، وہی 'یا' سو ، لاتے ہیں ۔ مثلاً جو گیا تھا وہ آ گیا ۔ جو بولے وہی کنڈی کھولے ۔ جو ہوا سو ہوا اور کبھی حذف بھی کر دیتے ہیں ۔ مثلاً جو گیا تھا آ گیا ، جو چاہا کیا ، جو منظور ہو بتا دو ۔

ضمیر جس کے جواب میں وہ یا اس اسی اور جنھوں کے جواب میں وہ یا انھوں لاتے ہیں ۔ مثلاً جس نے سستی کی اس نے نقصان اٹھایا ۔ جس نے وقت کی قدر کی وہ کامیاب ہوا ۔ جس نے دوسروں کے ساتھ بھلائی کی وہ بھلا ہے ۔ جنھوں نے فساد بپا کیا وہ قید کیے جائیں گے ۔ جنھوں نے محنت کی انھوں نے پھل پایا ۔

مکرر لانے کی صورت میں جو جو ، جس جس ، اور جن جن ، کے دو مختلف استعمالات ہیں :

(الف) جس قدر یا جتنا کے معنوں میں ، جو جو آنے والے تھے آ گئے ۔ جو جو سنا تھا وہ سب سنا دیا ۔

(ب) فرداً فرداً دلالت کے لیے ۔ مثلاً ، جس جس نے گالیاں بکی ہوں وہ باہر نکل جائے ۔ (بحالت فاعلی) ۔ جس جس سے قصور ہوا ہو وہ خود اپنا نام ظاہر کر دے (بحالت مجروری) ۔

جو کچھ : ضمیر جو کے بعد کچھ کا اضافہ کر کے استعمال کرنے سے تکمیل کے معنی نکلتے ہیں ۔ مثلاً جو کچھ کہا سب سنا ۔

جو کوئی ، جس کسی ، جو کے بعد کوئی ، اور جس کے بعد کسی ،

کا اضافہ کر کے استعمال کرنے سے عمومیت کے معنی نکلتے ہیں - مثلاً جو کوئی آیا بگاڑ ہی پیدا کرتا آیا - جس کسی نے غرور کی چال اختیار کی ذلیل ہوا (بحالت فاعلی) - جس کسی سے دریافت کرو گے جواب ملے گا - (بحالت مجروری)

باب سوم

مُسنَد

(۱) مسند کا جزو لازم :

فعل مسند کا جزو لازم ہے ۔ اس کے متعلقات بھی آتے ہیں ، مگر متعلقات کا آنا لازمی نہیں ۔ فعل کی تین قسموں سے یہاں بحث کی جائے گی :

(۱) لازم
(۲) متعدی
(۳) متعدی المتعدی

لازم ، متعدی اور متعدی المتعدی کے صرفی تغیرات کا ذکر اس حصۂ نحو میں مقصود نہیں ، بلکہ جملوں میں ان کے استعمالات سے بحث ہے ۔

لازم

فعل لازم کی دو قسمیں کی گئی ہیں : (۱) فعل لازم تام (۲) فعل لازم ناقص ۔ فعل لازم تام سے مراد وہ فعل جو فاعل سے مل کر پورا مطلب ظاہر کر دے ؛ کسی اور چیز کی ضرورت مطلب سمجھنے کے لیے نہ ہو ۔ مثلاً میں ہنسا ۔ تم بھاگے ۔ ہم دوڑے ۔

اردو میں فعل لازم کا مفعول نہیں آتا ۔ اردو کے بعض قواعد نویسوں نے عربی کی تقلید میں (جس میں فعل لازم کے چار مفعول ، مفعول فیہ ، مفعول مطلق ، مفعول لہ ، مفعول منہ ، آتے ہیں ، اور پانچواں یعنی مفعول بہ نہیں آتا) اس باب میں اردو کے مزاج کو ملحوظ نہیں رکھا ہے ۔ فعل

لازم تام بعض اوقات حذف کر دیا جاتا ہے ۔ مثلاً اس سوال کے جواب میں کہ کون آیا یہ کہا جائے کہ 'میں' ۔ کبھی صرف فعل لازم تام ہی پورے جملے کا قائم مقام ہوتا ہے ۔ مثلاً اس سوال کے جواب میں کہ نوکر آ گیا یہ کہا کہ جائے آ گیا ۔

فعل لازم ناقص

فعل ناقص کی تعریف صاحب مصباح القواعد نے یوں کی ہے :

"بعض فعل ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو فعل لازم ہیں مگر جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم یا صفت ان کے ساتھ نہ ملے پورا مطلب نہیں دیتے ۔ ان کو افعال ناقصہ کہتے ہیں۔" اسے کلمۂ ربط بھی کہتے ہیں ۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اردو میں فعل ناقص سے جملہ اسمیہ بنتا ہے اور عربی میں جملہ اسمیہ درحقیقت جملہ اسمیہ ہوتا ہے ، یعنی اسموں پر ہی مشتمل ہوتا ہے ، اس میں فعل نہیں آتا ۔ اردو فارسی قواعد نویسوں نے عربی کی پیروی میں فعل ناقص کو کلمۂ ربط ٹھہرایا تا کہ جملۂ اسمیہ میں فعل آنے کا اعتراض اٹھ جائے۔ جدید ایرانی قواعد نویسوں کا اب تک یہی طریقہ ہے ؛ لیکن فعل کو کلمۂ ربط ٹھہرانا محض تکلف ہے ۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی مصباح القواعد سے فعل ناقص کی تعریف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"فعل ناقص کی تعریف جو ابھی نقل کی گئی ویسی ہی تعریف اور قواعدوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ فعل ناقص (خواہ اسے کلمۂ ربط کہو یا کچھ اور) اس لیے کہا گیا کہ اس سے مطلب پورا نہیں ہوتا جب تک ایک اسم یا صفت اس کے ساتھ نہ ملے ۔ یہ تعریف درست نہیں — کیونکہ یہ جملے : کام ہو گیا ، چھٹی ہوئی ، لڑکا ہوا ، بیاہ ہوا ، عید ہوئی۔۔۔

——— ایسے ہی مکمل ہیں ، جیسے زید مر گیا ، گھی ہو چکا ، جھگڑا نبڑا ، آگ لگی ، دریا چڑھا ۔"

(کیفیہ کراچی ۱۹۵۰ع ۱۶۴-۱۶۵)

لیکن کیفی صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ان مثالوں میں اسم یا صفت مقدر ہے گو مذکور نہیں ، مثلاً کام (پورا) ہوگیا ۔ لڑکا (پیدا) ہوا ۔

فعل ناقص کی زیادہ بہتر تعریف مؤلف آئین اردو نے کی ہے؛ وہ لکھتے ہیں : جب کسی اسم یا ضمیر یا صفت کا ایسا تعلق جو صدور یا وقوع فعل کا نہ ہو کسی فعل لازم کے واسطے سے ثابت یا ظاہر کیا جائے تو اس فعل کو فعل لازم ناقص کہیں گے ۔ (ص ۱۱۸)

مؤلف آئین اردو نے 'ہے' کے علاوہ رہا ، اور پڑا ، کو بھی افعال لازم ناقص میں شمار کیا ہے ۔ مثلاً وہ رہا ، یہ بیمار پڑا ، اور اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ان مثالوں میں وہ ضمیر ، بیمار صفت کا تعلق ولید اسم ، اور یہ ضمیر کے ساتھ صدور یا وقوع فعل کا نہیں ہے ، بلکہ ثبوت و قیام کا ہے اور رہا ، پڑا جو افعال لازم ہیں ان سے اس تعلق کو ظاہر کیا گیا پس یہ افعال لازم ناقص ہیں ۔

ہماری رائے میں یہ بھی ایک تکلف ہے اور درست یہ ہے کہ ان مثالوں میں فعل اپنے مطلب کے پورا ہونے کے لیے کسی اور چیز کا محتاج ہے جسے مفعول کہیے یا جملہ اسمیہ کی رعایت سے خبر لیکن بہر کیف وہ فعل ہے محتاج - اسی لیے انشاء نے دریائے لطافت میں افعال ناقصہ کو متعدی میں شمار کرنے کی رائے ظاہر کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"از اصطلاح نحویان عرب مجبور ام و الا نزد راقم آثم ہیچ مدان فعل متعدی آنچہ محتاج باشد نیز ناقص است ازیں سبب کہ جملہ افعال متعدی بغیر ذکر مفعول بہ جملہ محتاج بذکر حال تمامی نمی رسد و تام آں بود کہ جملہ آں محتاج ہیچ چیز نہ باشد مانند آیا زید کہ در فعل لازم است بدیہی است کہ مارا زید نے ناقص است تا وقتیکہ کہ عمرو کو نہ گویم - اور اٹھا زید روتا ہوا یا دیکھا میں نے زید کو ہنستا ہوا ، اول بغیر ذکر روتا ہوا ، ثانی بغیر ہنستا ہوا کہ حال است جملہ نا تمام است ۔"

(دریائے لطافت : جزیرہ شہر دوم)

مولانا شبلی نے اپنے مضمون "فن نحو کی مروجہ کتابیں" (مقالات

شبلی جلد سوم) میں جہاں نحو کی ترتیب جدید سے متعلق اور بہت سی مفید تجاویز پیش کی ہیں وہاں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ :

''افعال ناقصہ کو تمام افعال سے جداگانہ قرار دینا اور اس کے متمول کے لیے بالکل ایک نئی اصطلاح اسم و خبر کے نام سے قائم کرنا محض لغو ہے ۔ یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ افعال ناقصہ کو فعل لازم سمجھا ہے ، حالانکہ وہ در حقیقت متعدی ہیں ۔'' (ص ۱۳۶-۱۳۷)

اسی مضمون میں مزید تشریح یوں کی ہے :

''متعدی کی تعریف کافیہ وغیرہ میں یہ ہے کہ ما یتوقف فھم علی متعلق ۔ اس بنا پر افعال ناقصہ عموماً متعدی ہیں ، کیونکہ ان کا مفعول تنہا فاعل ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔ علامہ رضی نے تصریح کی ہے کہ اس تعریف کی بنا پر قرب وغیرہ متعدی ہیں چنانچہ لازم و متعدی کی بحث میں لکھتے ہیں و علیٰ ما حد ینبغی ان یکون نحو قرب و بعد و خرج و دخل متعدیا اذا لایفھم معانیھا الا بمتعلق ۔ اس بنا پر افعال ناقصہ کے اسم و خبر درحقیقت فاعل و مفعول ہیں ۔'' (ص ۱۳۷)

(نوٹ) انشا نے دریائے لطافت کے حصہ' نحو میں افعال مقاربت اور افعال مدح و ذم سے بھی تفصیلاً بحث کی ہے ۔ لیکن اس باب میں مولانا شبلی کی رائے درست ہے کہ افعال مقاربت کی جداگانہ اصطلاح قائم کرنا بے فائدہ ہے ۔ اسی طرح افعال مدح و ذم کی اصطلاح کی بھی ضرورت نہیں ۔

(ایضاً ص ۱۳۷)

متعدی

متعدی کی تعریف اوپر گزر چکی ہے ۔ یہ ایسا فعل ہے جس کے معنی بلا مفعول یا مفعولوں کے صرف فاعل سے پورے نہیں ہوتے ۔ بعض متعدی افعال بنفسہ متعدی ہوتے ہیں ، یعنی متعدی معنی کے لیے ہی وضع ہوئے ہیں ۔ مثلاً کھانا ، پینا ، لیٹنا ، بیٹھنا ، اور بعض متعدی افعال ایسے ہیں

جو فعل لازم سے بنائے گئے ہیں ، مثلاً سونا سے سلانا ، جاگنا سے جگانا ، بھاگنا سے بھگانا ، اٹھنا سے اٹھانا ۔

بعض متعدی بنفسہ ایسے ہیں جو مجہول معنی کے لیے بنائے گئے ہیں اور ان سے فعل متعدی معروف بنایا جاتا ہے مثلاً اناج پکا ، کھیتی کٹی ، لازم کے تعدیہ کے قواعد متعدی بنفسہ مجہول معنوی میں بھی کارآمد ہیں ۔

فعل متعدی معروف کے مفعول کے ساتھ جب فاعل کی طرف نسبت دیا جائے تو جملہ مفرد بنتا ہے ۔

فعل متعدی مجہول ، خواہ مجہول وضعی ہو یا مجہول معنوی ، جب اپنے مفعول ما لم یسم فاعلہ ، کی طرف نسبت دیا جائے تو جملہ مفرد بنتا ہے ۔

جیسا کہ پہلے بھی آ چکا ہے ، فعل متعدی کا مفعول مذکور نہ ہونے کی صورت میں فعل فاعل کے مطابق ہوتا ہے ۔ مثلاً میں لایا ، آپ لائے ، ہم اور وہ لائے ۔ اور فاعل مع علامت فاعل اور مفعول مع علامت مفعول مذکور ہونے کی صورت میں فعل واحد مذکر آتا ہے ۔ مثلاً بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو مارا ۔ علامت مفعول نہ آنے کی صورت میں فعل متعدی مفعول کے مطابق آتا ہے ۔ نیز متعدی بہ دو مفعول میں فعل مفعول ثانی کے مطابق ہوتا ہے ۔ مثال :

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا (ذوق)

واضح رہے کہ ہر لازم سے متعدی بننا ضروری نہیں ، بعض افعال لازم سے متعدی نہیں آتا ۔ مثلاً آنا ۔

متعدی المتعدی

متعدی المتعدی وہ فعل ہے جو متعدی سے پھر متعدی بنایا گیا ہو تا کہ اس فعل کا دو مفعولوں پر وقوع ظاہر ہو سکے ۔ مثلاً کھانا سے

کھلانا ۔ پڑھنا سے پڑھانا ۔ یہ مثالیں متعدی المتعدی بلا واسطہ کی ہیں ۔ متعدی المتعدی کی ایک قسم متعدی المتعدی بالواسطہ بھی ہے جسے ارباب نحو متعدی بالواسطہ بھی کہتے ہیں، یعنی ایسا فعل متعدی المتعدی جس میں فاعل کے فعل کا وقوع براہ راست فاعل کی ذات سے مفعول یا مفعولوں پر نہ ہو بلکہ وقوع فعل کے لیے فاعل اور مفعول یا مفعولوں میں علاوہ فاعل کے کوئی اور واسطہ ہو ۔ مثلاً میں نے آپ کو اپنے بھائی سے خط لکھوایا۔ دیگر مثالیں : پلوانا ، کھلوانا ، پڑھوانا ، دلوانا ۔

واضح رہے کہ ہر فعل متعدی سے متعدی المتعدی بالواسطہ یا بلاواسطہ بننا ضروری نہیں ۔ مثلاً اکتانا ، بلبلانا ، بلونا ، بپھرنا ، بیلنا ، پانا وغیرہ متعدی افعال سے متعدی المتعدی افعال نہیں بنائے جاتے ۔

سیکھنا سے سکھانا اور جیتنا سے جتانا باقاعدہ متعدی المتعدی ہیں ۔ سکھلانا اور جتلانا بھی بولتے ہیں مگر کم اور یہ خلاف قاعدہ ہے ۔

کرانا اور کروانا ۔ بعض حضرات کروانا کو اب خلافِ فصاحت سمجھتے ہیں گو قاعدے کی رو سے یہ درست ہے ۔ بعض مصدروں کے مادہ کے بعد صرف حرف الف بڑھا کر متعدی بالواسطہ بناتے ہیں : کرنا سے کرانا اور ان کی جگہ کروانا بھی بولتے ہیں نیز دینا سے دلانا یا دلوانا ۔ اور ایسے متعدی بالواسطہ کو متعدی المتعدی بلا واسطہ کی جگہ بھی لاتے ہیں ۔ مثلاً کہیں کہ حضرت مٹھائی کھلوائیے اور مراد یہ ہو کہ مٹھائی کھلائیے ۔ یا کہیں کہ کچھ شعر سنوائیے اور مراد یہ ہو کہ کچھ شعر سنائیے ۔

(۲) زمانہ

زمانے تین ہیں ؛ ماضی حال اور مستقبل ۔ ہر فعل کے لیے ضروری ہے ان تینوں میں سے کسی ایک زمانے میں واقع ہو ۔ لیکن بعض صیغوں کے نحوی استعمالات ایسے ہیں کہ زمانے کا تعین صیغے کی ظاہری صورت سے مختلف ہوتا ہے ۔ مولوی عبدالحق نے قواعدِ اُردو میں کام کے لحاظ

سے زمانے کا تصور یوں پیش کیا ہے :

”بہ لحاظ معانی و تکوین فعل کی تین حالتیں ہوں گی :
(۱) کام جو ابھی شروع نہیں ہوا یعنی مستقبل ۔
(۲) کام جو شروع ہوا لیکن ختم نہیں ہوا یعنی افعال ناتمام ۔
(۳) کام جو ختم ہو چکا یعنی افعال تمام ۔

اس تقسیم کے لحاظ سے ایک قواعد نویس جو فلسفی دماغ رکھتا ہے مضارع اور امر کو شق اول یعنی مستقبل کے تحت رکھے گا کیونکہ ان دونوں میں فعل زمانۂ حال میں شروع نہیں ہوتا بلکہ زمانۂ آئندہ میں آتا ہے ۔“ (ص ۲۰۳)

لیکن اس کے بعد مولوی صاحب نے اس الجھن کو دور کرنے کے لیے نحوی اعتبار سے زمانے کا ایک بہتر تصور پیش کرنے کی بجائے صرف یہ لکھنے پر اکتفا کیا ہے :

”لیکن جب زبان کی ساخت و نشو و نما پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فعل کی دو بلکہ تین قسمیں ہیں : اول مادہ ، دوم جو محض حالیہ سے بنتے ہیں یا حالیہ کے ساتھ کسی قدیم غول کا کوئی جز لگا ہوتا ہے جو مل کر جزو فعل ہو جاتا ہے ۔
سوم مرکب افعال“ (ص ۲۰۳ ، ۲۰۴)

مولوی صاحب اس تقسیم کو ”زیادہ صحیح اور نیچرل“ سمجھتے ہیں اور اس لحاظ سے مادہ افعال میں مضارع کا سب سے پہلا نمبر بتایا ہے جو صحیح طور سے حال کے معنی نہیں دیتا ، بلکہ اس کے معنوں میں کئی قسم کا ابہام پایا جاتا ہے ۔ روسی قواعدنویس سونیا چرنیکووا کی تصریح کے مطابق جنھوں نے اُردو کے صیغوں کے نحوی استعمال پر تحقیقی کام کیا ہے ، زمانہ افعال کے ان صیغوں کا نام ہے جو یہ دکھاتے ہیں کہ بولنے کے وقت سے کیا تعلق رکھتا ہے ۔ مثال کے طور یہ صیغے ظاہر کرتے ہیں کہ کام بولنے کے وقت کے بعد عمل میں آئے گا ۔ حال کے صیغوں کے معانی نکالنا سب سے مشکل ہوتا ہے ۔ ان سے ہمیشہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کام بولنے کے

وقت میں ہو رہا ہے ۔ مثلاً میں روز سکول جاتا ہوں ۔ لیکن ڈنمارک کے مشہور ماہرِ لسانیات اوٹو یسپرسن کے خیال میں ایسے کاموں کا بھی بولنے کے وقت سے تعلق ہوتا ہے ۔ اس تعلق کو یوں دیکھنا چاہیے کہ کام بولنے کے وقت کے لیے ٹھیک ہے یا نہیں ۔

زمانے سے متعلق سونیا چرنیکووا کی بعض دیگر تصریحات[1]

اُردو میں خبری صورت کے معروف طور میں تمام اور ناتمام کام کے معنی اور وقوعِ کام کے طریقہ کے معنی زمانے کے صیغوں کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں ۔ تمام اور ناتمام ، حال تمام اور ماضی قبل ماضی ، کے صیغے کرتے ہیں ۔ اور کام کے واقع ہونے کا طریقہ دکھانے کے لیے ترقی پذیر ، استقلال ، طویل اور وقفہ پذیر صورت کے صیغوں سے کام لیا جاتا ہے ۔ اُردو افعال کے صیغوں کی تقسیم یوں کی ہے :

(الف) تمام اور ناتمام کام ، دکھانے والے صیغے ۔

(ب) کام کا طریقہ دکھانے والے صیغے اور کام کا طریقہ نہ دکھانے والے صیغے ۔

اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ نتیجے کے معنی الگ صیغوں سے نہیں بلکہ انھیں صیغوں میں زور دار اور کمزور افعال[2] کے استعمال سے ظاہر ہوتے ہیں ۔

۱۔ مصنفہ موصوفہ کی تحقیقی کتاب ، اُردو کے صیغے ، ماسکو سے شائع ہوئی ہے ۔ اس کی تیاری میں ہندوستانی ماہرینِ زبان اُردو کے مشورے بھی شامل ہیں ۔ کتاب کا موضوع حال ، ماضی اور مستقبل کے صیغوں کا نحوی استعمال ہے ۔ تحدید موضوع کے لیے صرف خبری صورت کا کام دکھانے والے افعال کے صیغے زیرِ بحث آئے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو میں یہ کتاب نئے انداز کی ہے ۔ مگر اس میں موضوع کے مطابق نحوی استعمال سے زیادہ صرف کے مبحث آ گئے ہیں ۔ یہاں ملخصاً اس کی بعض تصریحات پیش کی جا رہی ہیں ۔

۲۔ کمزور افعال ، جن کے مادے کے بعد امدادی افعال نہیں آتے ۔ زور دار افعال جو اصل فعل کے مادے اور امدادی فعل سے مل کر بنتے ہیں ۔

اُردو میں الگ کام اور تکرار کے ساتھ ہونے والے کام کے اظہار کے لیے کئی صیغے ہیں - تکرار کے ساتھ ہونے والے کام کے معنی حال معمولی اور ماضی معمولی کے صیغوں سے ظاہر ہوتا ہے - تکرار کے ساتھ ہونے والے کام کے وقوع کے طریقے ظاہر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل صیغے ہیں :

ترقی پذیر صورت کا حال	[وہ پڑھتا (چلا) جاتا ہے]
طویل صورت کا حال معمولی	(وہ پڑھتا رہتا ہے)
طویل صورت کا ماضی معمولی	(وہ پڑھتا رہتا تھا)
وقفہ پذیر صورت کا حال معمولی	(وہ پڑھا کرتا ہے)
" " ماضی معمولی	(وہ پڑھا کرتا تھا)
" " مستقبل	(وہ پڑھا کرے گا)

الگ کام ظاہر کرنے والے صیغے اکثر کام کا بولنے کے وقت میں ہونا اور کام کا بولنے کے وقت میں نہ ہونا دونوں کیفیتیں بتاتے ہیں -

الگ کام کا اظہار کرنے والے صیغے کام کے ہونے کی خبر دینے والے پہلی صورت میں زیرِ توجہ فاعل ہوتا ہے ؛ دوسری صورت میں خود کام -

مقررہ وقت میں ہونے والے کام کا اظہار حال ، ماضی اور مستقبل استمراری کے صیغوں اور حال معمولی ، ماضی معمولی ، اور مستقبل فاعلی کے صیغوں سے ہوتا ہے -

''استمراری'' اصطلاح سے وہ کام سامنے آتا ہے جس کا تسلسل حال ، ماضی یا مستقبل میں ہو رہا ہے - دوسرے صیغوں کا مقصد الگ کام کے واقع ہونے کی خبر دینی ہے اور بس -

جب کام بولنے کے وقت میں ہو رہا ہوتا ہے - تو اس کے اظہار کے لیے ہمیشہ حال معمولی اور ماضی معمولی کے صیغے عبارت کے ''انجان سیاق و سباق میں الگ کام کے معنی نہیں دیتے ہیں - جن حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام کے ہونے کے وقت میں کوئی دوسرا کام ہوا یا ہو رہا تھا ان میں کام صرف استمراری زمانے کے صیغوں سے ظاہر ہو سکتا ہے - یہ سوال

کہ اس وقت کیا کام ہو رہا ہے، عام طور بھی استمراری زمانے کے صیغوں سے کیاجاتا ہے- باقی صورتوں میں حال معمولی اور ماضی معمولی کے صیغے حال اور ماضی استمراری کے صیغوں سے اس طرح مختلف ہیں کہ اگر بولنے والا خود کام کو دکھانا چاہے گا تو استمراری زمانے کے صیغے سے کام لے گا ورنہ معمولی زمانے کا صیغہ استعمال کرکے وہ کام کو ایک امر کے طور پر پیش کرے گا -

ترقی پذیر اور استقلالی صورت کے حال اور ماضی استمراری کے صیغے اور ترقی پذیر اور استقلالی صورت کے حال اور ماضی کے صیغے الگ غیر منقطع کام کے واقع ہونے کا طریقہ بتاتے ہیں -

جو الگ کام بولنے کے وقت سے وابستہ نہیں ہوتا ہے وہ صرف حال اور ماضی استمراری کے صیغے سے ظاہر ہوتا ہے - ترقی پذیر، استقلالی اور طویل صورت کے حال، ماضی، اور مستقبل کے استمراری اور غیر استمراری صیغے ایسے الگ کام کے وقوع کے معنی دے سکتے ہیں -

افعال کے صیغوں میں صورت کی صنف اور زمانے کی صنف کی ملاوٹ میکینکل طور پر نہیں ہوتی ہے - زمانے کے معنوں کی خصوصیت اکثر صورت کے معنوں پر مبنی ہوتی ہے - ترقی پذیر اور استقلالی صورت کے حال اور ماضی کے صیغے وقوع کام کا طریقہ بتانے کی وجہ سے اس الگ کام کے بھی معنی دے سکتے ہیں جو بولنے کے وقت میں نہیں ہو رہا ہے - اس لحاظ سے یہ صیغے حال اور ماضی معمولی کے صیغوں سے مختلف ہیں -

طویل صورت کے حال اور ماضی استمراری کے صیغے [وہ کرتا (چلا) آ رہا ہے، وہ کرتا (چلا) آ رہا تھا) اس کام کے اظہار کے لیے استعمال نہیں ہوتے ہیں جو بولنے کے وقت میں ہوتا ہوا دکھایا جاتا ہے - اس کی وجہ بھی ان صیغوں کی صورت کے معنوں میں ہے -

طویل صورت کے ماضی تمام کے صیغے سے کام کے جاری رکھنے کے جو معنی نکلتے ہیں ان سے ماضی تمام اور طویل صورت کے ماضی تمام کے صیغوں میں فرق کیا جاتا ہے -

اُردو میں دس صیغے ایسے ہیں جن سے ماضی تمام، حال تمام، اور ماضی قبل ماضی کے وقوع کے کام کا طریقہ ظاہر ہوتا ہے ۔ طویل صورت کا ماضی تمام، طویل صورت کا حال تمام، طویل صورت کا ماضی قبل ماضی، ترقی پذیر صورت کا ماضی قبل ماضی، استقلالی صورت کا ماضی تمام، وقفہ پذیر صورت کا ماضی تمام، وقفہ پذیر صورت کا حال تمام، وقفہ پذیر صورت کا ماضی قبل ماضی، یہ سب صیغے کام کو کسی عرصہ میں محدود بتاتے ہیں اور ان سے کام کے مختلف طریقے، اس مخصوص عرصہ میں دکھانا مقصود ہوتا ہے[1]۔

استقلالی صورت کے ماضی تمام اور ترقی پذیر اور وقفہ پذیر صورت کے حال تمام اور ماضی قبل ماضی کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے ۔ لگتا ہے کہ کبھی اُردو میں استقلالی صورت کے حال تمام اور ماضی قبل ماضی کے صیغے بھی تھے ۔

جب جملے میں ایسے الفاظ موجود ہوتے ہیں جن سے کام کا عرصہ معلوم ہو جاتا ہے یا جن سے کام کے وقوع کا طریقہ ظاہر ہوتا ہے تو ماضی تمام، حال تمام اور ماضی قبل ماضی کے صیغے طویل، ترقی پذیر، اور وقفہ پذیر صورت کے ماضی تمام، حال تمام، اور ماضی قبل ماضی، کے صیغوں کے معنوں کا اظہار کر سکتے ہیں ۔ لیکن ان حالات میں جو معنی طویل، ترقی پذیر اور وقفہ پذیر، صورت کے صیغوں سے ظاہر ہوتے ہیں وہ زیادہ واضح ہوتے ہیں ۔

اُردو میں کوئی صیغہ ایسا نہیں ہے ۔ جو زمانے کے اظہار کے ساتھ

۱۔ افعال کی صورتوں کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے ۔ ان کی مثالیں یہ ہیں ۔

۱۔ پڑھتے جانا	(ترقی پذیر)
۲۔ پڑھا کرنا	(وقفہ پذیر صورت)
۳۔ پڑھتے رہنا	(طویل صورت)
۴۔ پڑھے جانا	(استقلالی صورت)

ساتھ تمام اور نا تمام کام کی کیفیتوں کو نمایاں نہ کرتا ہو جہاں تک کام کے نتیجے اور کام کے تسلسل کے طریقوں کا تعلق ہے تو وہ ہر صیغے پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ کچھ صیغے ایسے بھی ہیں جن میں صورت کی تین قسمیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ پڑھا دیا کرتا ہے۔

صورتِ ناتمام میں زوردار افعال صرف اس وقت آتے ہیں جب کہ صیغے بہ کثرت ہونے والا کام بتاتے ہیں۔

حال و ماضی اور مستقبل کے صیغوں کی مثالیں جن سے تصریحات مذکورہ بالا کو سمجھنے میں مدد ملے گی ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

حال کے صیغے

۱- وہ کھاتا ہے	(حال معمولی)
۲- وہ کھا رہا ہے	(حال استمراری)
۳- وہ کھاتا (چلا) جاتا ہے	(ترقی پذیر صورت کا حال)
۴- وہ کھاتا (چلا) جا رہا ہے	(ترقی پذیر صورت کا حال استمراری)
۵- وہ کھائے (چلا) جاتا ہے	(استقلالی صورت کا حال)
۶- وہ کھائے (چلا) جا رہا ہے	(استقلالی صورت کا حال استمراری)
۷- وہ کھایا کرتا ہے	(وقفہ پذیر صورت کا حال معمولی)
۷- وہ کھاتا رہتا ہے	(طویل صورت کا حال معمولی)
۹- وہ کھاتا (چلا) آتا ہے	(طویل صورت کا حال)
۱۰- وہ کھاتا (چلا) آ رہا ہے	(طویل صورت کا حال استمراری)

ماضی کے صیغے

۱ میں نے کھایا	(ماضی تمام)
۲- میں نے کھایا ہے	(حال تمام)
۳- میں نے کھایا تھا	(ماضی قبل ماضی)
۴- وہ کھاتا تھا	(ماضی معمولی)
۵- وہ کھا رہا تھا	(ماضی استمراری)

۶- وہ کھاتا (چلا) جاتا تھا	(ترقی پذیر صورت کا ماضی)
۷- وہ کھاتا (چلا) جا رہا تھا	(ترقی پذیر صورت کا ماضی)
۸- وہ کھاتا (چلا) گیا	(ترقی پذیر صورت کا ماضی تمام)
۹- وہ کھائے (چلا) جاتا تھا	(استقلالی صورت کا ماضی)
۱۰- وہ کھائے چلا جا رہا تھا	(استقلالی صورت کا ماضی استمراری)
۱۱- وہ کھایا کرتا تھا	(وقفہ پذیر صورت کا ماضی معمولی)
۱۲- وہ کھایا کیا	(وقفہ پذیر صورت کا ماضی تمام)
۱۳- وہ کھاتا رہتا تھا	(طویل صورت کا ماضی معمولی)
۱۴- وہ کھاتا (چلا) آتا تھا	(طویل صورت کا ماضی)
۱۵- وہ کھاتا (چلا) آ رہا تھا	(طویل صورت کا ماضی استمراری)
۱۶- وہ کھاتا رہا	(طویل صورت کا ماضی تمام)
۱۷- وہ کھاتا رہا ہے اور وہ کھاتا (چلا) آیا ہے	(طویل صورت کا حال تمام)
۱۸- وہ کھاتا رہا تھا اور وہ کھاتا (چلا) آیا تھا	(طویل صورت کا ماضی قبل ماضی)

مستقبل کے صیغے

۱- وہ کھائے گا	(مستقبل مطلق)
۲- وہ کھا رہا ہوگا	(مستقبل استمراری)
۳- وہ کھاتا ہوگا	(مستقبل فاعلی) ۱
۴- اس نے کھایا ہوگا	(مستقبل تمام) ۲
۵- وہ کھاتا (چلا) جائے گا	(ترقی پذیر صورت کا مستقبل)
۶- وہ کھایا کرے گا	(وقفہ پذیر صورت کا مستقبل)
۷- وہ کھاتا رہے گا	(طویل صورت کا مستقبل)
۸- وہ کھائے (چلا) جائے گا	(استقلالی صورت کا مستقبل)

۱، ۲- بعض قواعد نویس اس طرح کے جملوں کو خبری صورت کے بجائے ایک خاص صورت مانتے ہیں اور اس صورت کو ''قیاسی'' کا نام دیتے ہیں۔

(۳) صیغۂ فعل کی مطابق فاعل کے ساتھ بصورت لازم :

یہ بحث باب اول میں آچکی ہے ۔

(۴) صیغۂ فعل کے مطابقت مفعول کے ساتھ بصورت متعدی :

یہ بحث بھی باب اول میں آ چکی ہے ۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ بصورت فعل متعدی فاعل کے ساتھ علامت فاعل نے آئے توفعل ماضی کا رشتہ ٹوٹ کر مفعول سے ہو جاتا ہے اور وہ نوعیت میں مفعول کے مطابق ہوتا ہے مثلاً میں نے بڑے بڑے عالم دیکھے ۔

مگر پھر مفعول کے ساتھ علامت مفعول کو آنے کی صورت میں بلالحاظ نوعیت فاعل و مفعول فعل ماضی ہمیشہ واحد مذکر آئے گا مثلاً میں نے بڑے بڑے عالموں کو دیکھا ۔
میں نے عمارتوں کو دیکھا ۔

(۵) حالیہ تمام و نا تمام

حالیہ تمام وہ حالیہ ہے جس میں فعل کا ختم ہونا پایا جائے ۔ جیسے کٹی ہوئی پتنگ ، پھٹی ہوئی کتاب ۔ اور حالیہ نا تمام سے مراد وہ حالیہ ہے جس میں فعل ختم نہ ہو ۔ مثلاً بہتا ہوا دریا ، اڑتی ہوئی خبر ۔

حالیہ تمام کے تین اہم نحوی اصول

حالیہ تمام ، جب کہ اصلاً متعدی ہو اور اس کے ساتھ کوئی اسم بحالت مفعولی ہو تو یائے مجہول کے ساتھ آئے گا ، یعنی امالہ کیا جائے گا ۔ مثلاً وہ مرد پان کھائے ہوئے ہے ۔ وہ عورت پان کھائے ہوئے ہے ۔ وہ لوگ پان کھائے ہوئے ہیں ۔ وہ عورتیں پان کھائے ہوئے ہیں ۔

اشیا سے متعلق ہونے کی صورت میں حالیہ تمام ، (بہ استثناء جمع مؤنث) جنس تعداد کے مطابق ہو گا ۔ مثلاً عینک ٹوٹی ہوئی ملی ۔ (واحد مؤنث) کپڑا پھٹا ہوا ملا (واحد مذکر) کپڑے پھٹے ہوئے ملے (جمع مذکر) لیکن جمع مؤنث کی صورت میں حالیہ تمام اسی صورت میں ع (یائے مجہول کے

ساتھ) آئے گا جس طرح واحد مؤنث کی حالت میں - مثلاً عینک ٹوٹی ہوئی ملی (واحد مؤنث) عینکیں ٹوٹی ہوئی ملیں (جمع مؤنث) -

اشخاص سے متعلق ہونے کی صوت میں حالیہ تمام مؤنث کی صورت میں بھی یائے معروف کے ساتھ نہیں آئے گا - بلا لحاظ جنس و تعداد یائے مجہول یا الف کے ساتھ آئے گا یعنی امالہ اور بغیر امالہ دونوں طرح - مثلاً میں نے ایک لڑکے کو نہا گتے (ہوئے) دیکھا، یا نہا گتا (ہوا) دیکھا- میں نے ایک لڑکی کو کھڑے (ہوئے) دیکھا، یا کھڑا (ہوا) دیکھا -

حالیہ ناتمام کا نحوی اصول :

اصلاً متعدی معروف ہونے کی صورت میں حالیہ ناتمام بلا لحاظ جنس و تعداد ہمیشہ یائے مجہول کے ساتھ آئے گا، یعنی امالہ کیا جائے گا - مثلاً میں نے اس لڑکے کو کتاب پڑھتے دیکھا - میں نے اس لڑکی کو کتاب پڑھتے دیکھا - میں نے لڑکیوں کو کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا -

(نوٹ) مولوی عبد الحق نے ان دو قسموں کے علاوہ حالیہ کی تیسری قسم حالیہ معطوفہ بیان کی ہے - مثلاً وہ نہا کر سو گیا - اس مثال میں نہا کر معطوفہ اور کر علامت عطف ہے جو حرف انصال کا کام کر رہی ہے - دراصل یہ انعال متصلہ میں سے ہے - افعال متصلہ اور افعال ترکیبی کی بحث آگے آتی ہے -

حالیہ کے استعمال کی صورتیں :

مولوی عبد الحق نے بلحاظ استعمال حالیہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں - ایک بطور صفت دوسری بطور خبر - مگر حالیہ کی ایک اپنی حیثیت حال کی بھی ہے - یہاں ان تینوں صورتوں کے استعمالات پیش کیے جاتے ہیں -

حالیہ بطور صفت : صیغہ حالیہ اردو میں کسی موصوف کی صفت کے بطور بکثرت مستعمل ہے - مثلاً چلتا پرزہ، چڑھتا دریا، چڑھتی جوانی[1]

۱- راہ چلتا بھی آتا ہے، یعنی راہ کا چلنے والا - یہاں یہ حالیہ اسم فاعل ترکیبی کا کام کر رہا ہے جو صفت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے -

دن ڈھلے ، دن چڑھے[1]۔

حالیہ بطور خبر : حالیہ خبر واقع ہو کر مسند الیہ کی حالت بیان کرتا ہے ۔ مثلاً نکلتا قد ، یعنی مقابلتاً لمبائی ، کی رعایت سے کہیں کہ ''اس کا قد نکلتا ہوا ہے ۔''

حالیہ بطور حال : حالیہ کی اپنی خاص حیثیت حال کی ہے ۔ یعنی کسی مسند الیہ کی حالت بیان کرنے کے لیے وضع کیا جاتا ہے ۔ مثلاً وہ دوڑتا ہوا آیا ، بھیگتا ہوا گھر پہنچا ، میں تیرتا ہوا آگے نکل گیا ۔

حالیہ ماضی : مؤلف آئین اردو کی تصریحات[2]

یہ ایسا شبہ فعل ہے جو فاعل یا مفعول کی ایسی حالت کا اظہار کرتا ہے جس سے فعل کا تمام یا پورا ہونا نہ پایا جائے ۔

یہ شبہ فعل اگر اصل فعل لازم ہے تو فاعل کی حالت ظاہر کرے گا اور متعلق فعل ہو گا جیسے ، وہ ہنستا ہوا آیا ۔

اور اگر اصل فعل متعدی ہے ، تو یا فاعل کی یا مفعول کی حالت بیان کرے گا جیسے ، اس نے روتے ہوئے کھانا کھایا ۔ وہ گھوڑے کو بھگاتا ہوا لایا ۔

حالیہ ماضی کو بغیر لفظ ہوا اور اس کے دوسرے صیغوں کو بھی

۱۔ دل جلا ، سر پھرا وغیرہ ، یہ حالیہ اسم مفعولی ترکیبی کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی موصوف کی صفت بن سکتے ہیں ۔

۲۔ مثالیں نئی اور ترمیم کے ساتھ پیش کی گئی ہیں ۔

کو بھی انھی معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ جیسے ، روتی شکل ، چلتی گاڑی ، وہ ہنستا آیا ۔

حالیہ مکرر لانے کی صورت میں ہوا اور اس کے صیغے نہیں لاتے ۔

مثالیں : گھسنے گھستے سٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا (غالب)

تھمتے تھمتے ، تھمیں گے آنسو
رونا ہے ، کچھ ہنسی نہیں ہے (میر)

بصورت تکرار حالیہ ماضی کا فاعل حذف بھی کر دیتے ہیں بشرطیکہ فاعل کی موجودگی کا قرینہ ہو جیسے ، ہنستے ہنستے آنسو نکل پڑے ۔ اس صورت میں وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث کا امتیاز حالیہ ماضی میں نہیں ہوتا ۔

تکرار حالیہ ماضی — آہستگی اور تدریج کے لیے بھی ہے جیسے ، گاتے گاتے گلا نوت ہو گیا ۔ نیز درمیان میں ہی بھی لاتے ہیں جیسے:

جاتے ہی جاتے جائیں گی یہ بد نصیبیاں
آتے ہی آتے آئے گی تاثیر آہ میں (حیرت شملوی)

حالیہ ماضی کا اصل فعل متعدی ہو تو دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں :

(الف) مفعول کے ساتھ علامت مفعول آنے کی صورت میں تبدیلی کے بغیر بھی لاتے ہیں جیسے ، میں نے لڑکے کو پڑھتا ہوا پایا ۔ اور تبدیلی کے ساتھ (امالہ کر کے) یوں بھی لاتے ہیں میں نے لڑکے کو پڑھتے ہوئے پایا ۔

(ب) مفعول کے ساتھ علامت مفعول نہ ہو تو حالیہ ماضی تعداد اور جنس میں فاعل کے مطابق ہو گا ، جیسے میں نے لڑکا پڑھتا ہوا پایا ۔ ہم نے لڑکی جاتی ہوئی دیکھی ۔

کلام کی ابتدا مفعول سے کی جائے تو تعداد اور جنس کا لحاظ رکھتے ہیں ، مثلاً مجھے لڑکا جاتا ملا ۔ مجھے لڑکی جاتی ملی ۔

اگر فعل کے ساتھ علامت فاعل ہو تو حالیہ ماضی کا الف آخر حسب قاعدہ بدل دیا جائے گا جیسے ، تم نے پڑھتے پڑھتے صبح کر دی ۔

اگر فاعل کے ساتھ علامت فاعل نہ ہو تو الف بدستور بھی رکھتے ہیں اور بدل بھی دیتے ہیں ، جیسے وہ بیٹھا بیٹھا سو گیا ۔ وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ۔

اگر حالیہ ماضی مفعول کی حالت ظاہر کرے تو بھی حالیہ ماضی کے الف کو خواہ بدستور رکھیں یا بدل لیں جیسے ، ہنستے ہوئے نہیں دیکھا ۔ اسے ہنستا ہوا نہیں دیکھا ۔

حالیہ ماضی ، ماضی مطلق سے بھی آتا ہے ۔ اصل فعل خواہ لازم ہو یا متعدی مگر حالیہ ماضی فاعل کی حالت بتائے گا ۔ جیسے وہ کھڑا دیکھتا رہا ۔

حالیہ ماضی کے دو استعمالات :

(۱) وہ اپنے فاعل یا مفعول کی صفت ہوتا ہے ۔

(۲) یا متعلق فعل ہوتا ہے[۱]۔

فعل حالیہ اور اسم حالیہ کا فرق : مؤلف افعال مرکبہ کی تصریحات

فعل حالیہ بظاہر اسم مفعول ہے یا درحقیقت دو ماضی مطلقوں سے بنا ہے وہ فعل ہے ۔ مگر مشبہ بالاسم ، اور جو صیغۂ امر کے آخر میں تا لگانے سے بنتا ہے وہ اسم ہے مگر مشبہ بالفعل ۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ فعل حالیہ فعل مرکب ہے اور اس کی ترکیب ہی نے اس کو حالیہ بنایا ہے ۔ دونوں الفوں کا امالہ تو صرف اسم مفعول سے مشابہت و قیاس کو مٹانے کے لیے ہے ۔

۱۔ حالیہ کے ان دو استعمالات سے متعلق تصریح کو ، یہ انداز دیگر مؤلف افعال مرکبہ ، نے فعل حالیہ اور اسم حالیہ کی صورت میں بیان کیا ہے اور ان کے فرق کو بڑی خوبی کے ساتھ تفصیلاً ظاہر کیا ہے ۔

—اور اسم حالیہ ایک اسم مفرد ہے اگرچہ کسی فعل ہی کے ساتھ مستعمل ہے مگر اپنے وقار کو قائم رکھتے ہوئے۔ یعنی اس فعل کے ساتھ گھل مل کر اس کو فعل مرکب بنا کر خود اس کا جز نہیں بن جاتا۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ فعل حالیہ بظاہر اسم مفعول سے اور درحقیقت دو ماضیوں سے بنا ہے اس لیے اس کا رخ زمانۂ ماضی کی طرف بھی ہے۔ اگرچہ حالیہ ہے اس لیے یہ زمانۂ حال ہی کی حالت بیان کرتا ہے جیسے، زید لحاف اوڑھے ہوئے پڑا ہے۔ یا ہوئے کو حذف کردیجیے اور کہیے لحاف اوڑھے پڑا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ متکلم سامع کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہے کہ زید کچھ دیر پہلے سے لحاف اوڑھے پڑا ہے۔ اگر پڑا تھا بھی کہا گیا ہو جب بھی یہ معلوم ہو گا کہ جس وقت کا حال بیان کیا جا رہا ہے اس وقت سے کچھ پہلے ہی سے وہ لحاف اوڑھے ہوئے پڑا تھا۔ جس وقت کا واقعہ کہا گیا اس وقت کا زمانہ حال اور اس سے پہلے کا زمانہ ماضی مراد ہو گا۔

—— بخلاف اسم حالیہ کے کہ اگر کسی نے کہا کہ ''زید کو لحاف اوڑھے یا اوڑھتے ہوئے ہم نے دیکھا تو یہ ہرگز معلوم نہیں ہو گا کہ زید پہلے سے لحاف اوڑھے ہوئے تھا بلکہ جس وقت کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اسی وقت کی حالت سمجھی جائے گی۔ چوں کہ یہ صیغہ امر سے بنا ہے اس لیے البتہ سمجھا جائے گا کہ اس کے بعد بھی وہ غالباً لحاف اوڑھے رہا ہو گا۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ فعل حالیہ کے آخر میں ہوا اس کا جز ترکیبی ہے جو محض اختصار کے لیے کبھی لفظاً حذف کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس کا مفہوم باقی رہتا ہے۔ لحاف اوڑھے پڑا تھا کے معنی یہی ہیں کہ لحاف اُوڑھے ہوئے پڑا تھا۔ جب تک ہوئے کے مفہوم کو بھی ذہن میں نہ رکھیے صرف اوڑھے سے حالیت کا مفہوم پیدا نہیں ہو سکتا۔

—بخلاف اسم حالیہ کے اس کا صیغہ ہوا کے بغیر ہی بنا ہے۔ یہ ایک صیغہ مفرد ہے جس میں تاکید اور تقویت کے لیے ہوا بڑھا دیا جاتا

ہے ۔ مگر وہیں جہاں تاکید اور تقویت کی ضرورت ہے ۔ جہاں اس کی ضرورت نہیں وہاں نہیں بڑھا سکتے ۔ جیسے چڑھتی جوانی ۔اور چڑھتے چاند ۔ بعض شعرا نے اگر چڑھتی ہوئی جوانی یا چڑھتا ہوا چاند لکھ دیا ہے تو یہ شاعرانہ تصرف ہے ۔ شعروں ہی میں اسے جائز سمجھا جاتا ہے روزمرہ اور عام بول چال میں اس طرح نہیں بولتے ۔ اسی طرح گرتا بازار ، گرتی عمر ، چمکتا منہ دمکتا رنگ ، وغیرہ ۔

پانچواں فرق یہ ہے کہ فعل حالیہ کے الف کا امالہ بہرحال ضروری ہے ورنہ وہ فعل حالیہ ہی نہیں ۔ اسم مفعول ہے ۔ اسم مفعول کے آخر سے بھی ہوا محذوف ہو جاتا ہے ۔ جیسے چبایا گوشت ، کہی بات ، وغیرہ ۔ چبایا اور کہی ، دونوں صفتیں ہیں اور گوشت اور بات موصوف ۔ اور اسم حالیہ کا الف بعض جگہ ہی اس کا امالہ ہوتا ہے ہر جگہ نہیں ۔

اسم حالیہ فعل متعدی کے ساتھ آئے گا یعنی جملہ کسی فعل متعدی سے بنا ہو اس فعل متعدی کے فاعل یا مفعول کا حال بن کر اسم حالیہ آیا ہو تو اسم حالیہ کا الف کے امالہ ضروری ہے جیسے حضرت جلیل مرحوم :

دلِ پر داغ کو زلفوں سے نکلتے دیکھا
ہم نے ان کالوں کو طاؤس اگلتے دیکھا

مگر فعل حالیہ دو فعلوں سے مرکب ہو کر بنا ہے یہ خود ایک فعل مرکب ہے ۔ لیکن جب حالیہ ہے تو یقیناً کسی مسند الیہ ہی کا حال ہو گا ۔ اس لیے کسی فعل کے ساتھ اس کا آنا بھی ضروری ہے ۔ تاکہ فعل حالیہ ، اس کے فاعل یا مفعول کا حال بن سکے ۔ لیکن اس فعل کا اثر فعل حالیہ ۔ اسم حالیہ کی طرح نہیں لیتا ، بلکہ فعل حالیہ کسی فعل متعدی سے بنا ۔ تو اس فعل کا اسم مفعول بھی ضرور ہو گا ۔ اور اسم مفعول کی مشابہت سے بچنے کے لیے اس فعل حالیہ کا امالہ اس حالت میں لازمی ہے ۔ ورنہ یہ فعل حالیہ ہی نہ رہے گا ، اسم مفعول بن جائے گا ۔ اور فعل لازم کا اسم مفعول ہی نہیں ہوتا اس لیے یہاں اسم مفعول کی مشابہت سے بچنے کی ضرورت ہی نہیں کہ فعل حالیہ کا امالہ کیا جائے ۔

اگر کوئی فعل حالیہ لازم کسی فعل متعدی کے ساتھ آئے اور اس فعل متعدی کا مفعول فعل حالیہ کا ذوالحال ہو اور اس مفعول کے ساتھ کو بھی آیا ہو تو ذوالحال واحد ہو جمع مذکر ہو یا مؤنث وہ فعل حالیہ ہمیشہ واحد مذکر ہی رہے گا۔ الف ہی کے ساتھ آئے گا۔ اس کے الف کا امالہ نہ ہوگا جیسے ،

ع اک ذرا شاخ نشیمن کو جھکا رہنے دے — امیر

ع پھرا ہوا جو تمھاری نظر کو دیکھتے ہیں — داغ

اگر اسم حالیہ توام آئے یعنی دو اسماء حالیہ ساتھ ساتھ ملے جلے آئیں ، ایک ہی مکرر ہو کر یا دو مختلف ۔ ان کے ساتھ زیادہ تر فعل لازم ہی آتا ہے ۔ یہاں دونوں ، اسم حالیہ کے الف کا امالہ فصیح ہے ۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ دونوں کے الف اپنی حالت پر قائم رہیں ۔ مگر اس صورت میں اس کی نوعیت یعنی تذکیر و تانیث ذوالحال کے مطابق ہو گی جیسے ۔ وہ ڈرتے ڈرتے آیا یا آئی یا آئیں ۔ وہ لڑتے جھگڑتے یہاں پہنچا یا پہنچی پہنچیں ۔ یا یوں کہیں وہ ڈرتا ڈرتا آیا ۔ وہ ڈرتی ڈرتی آئی ۔ وہ سب ڈرتی ڈرتی آئیں وہ لڑتا جھگڑتا پہنچا یا لڑتی جھگڑتی پہنچی یا پہنچیں ۔

مگر فعل حالیہ اگر خود متعدی ہو جب تو امالہ لازمی ہے ہی اگر خود ہی لازمی ہے تو جب بھی ۔ غر امالہ بہرحال ضروری ہے ۔ (ملخصاً ۔ مثال : ابھی کھڑے کھڑے نکلوا دیتا ہوں)

بعض دیگر تصریحات

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی صیغہ حالیہ کسی جملے میں حالیت سے بالکل معریٰ نظر آئے اور اس کا موجودہ نحوی منصب جو اس کو اس جملے میں حاصل ہو وہ پوری طرح چھایا ہوا ہو ، مثلاً :

ع کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے — (داغ)

یہاں آتے آتے ، رفتہ رفتہ کے معنی دے رہا ہے ۔ یا مثلاً : اس نے آتے

ہی کھانا مانگا ۔ یہاں آتے ہی حرف حصر ہی کی وجہ سے اتصال کا مفہوم پیدا کر رہا ہے ۔

حالیہ مکرر لانے کی صورت میں ، یا اس کا تابع دوسرا حالیہ ساتھ لانے کی صورت میں ، جبکہ فعل لازم ہو ، امالہ اور بغیر امالہ ، دونوں طرح آ سکتا ہے ، مثلاً وہ ڈرتا ڈرتا آیا ۔ وہ ڈرتے ڈرتے آیا ،[1]

تدریج کے علاوہ ، تکرار حالیہ سے کبھی فعل کثرت بھی ظاہر ہوتی ہے ۔ جیسے ،

آگے کسو کے کیا کریں دست طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

حالیہ کے استعمال میں ایک نازک فرق :

مولوی عبدالحق نے صراحت کی ہے کہ ''جب حالیہ فاعل کے متصل ہو تو فاعل کے متعلق ۔ سمجھا جائے گا اور مفعول سے متصل ہو تو مفعول کے متعلق ، مثلاً جب یہ ہم کہیں کہ میں تیرتے ہوئے اسے دیکھا ۔، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب میں نے اسے دیکھا تو میں تیر رہا تھا ۔ اور جب یہ کہیں کہ میں نے اسے تیرتے ہوئے دیکھا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ تیر رہا تھا ۔''
(قواعد اردو ۱۹۹)

۱۔ مولوی عبدالحق نے دونوں صورتوں کو درست قرار دیتے ہوئے ، ڈرتے ڈرتے کو زیادہ فصیح بتایا ہے ۔

باب چہارم

مفعولی اور تکمیلی کلمات

مفعول کا کام فعل متعدی کی تکمیل کرنا ہے - افعال ناقصہ بھی تکمیل طلب ہوتے ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے خبر آتی ہے - اسی لیے بعض عالموں نے افعال ناقصہ کو بھی لازم کے بجائے متعدی شمار کرنے اور اس کی خبر کو تکمیلی کلمہ سمجھنے پر زور دیا ہے ، بالخصوص مولانا شبلی نے - اس سلسلے میں باب سوم میں تفصیلاً بحث کی جا چکی ہے -

مفعولی کلمات کی خصوصیات

بے جان اشیاء کا اسم بطور مفعول آئے تو علامت مفعول نہیں آتی ، مثلاً کھانا کھایا - برتن مانجھا - دوا پی -

کیفیت قلبی ظاہر کرنے والے اسموں یا اسماء مجردہ کے ساتھ بھی علامت مفعول نہیں لاتے ، مثلاً غصہ نہ کرو - توجہ فرمائیے - تسلی رکھو-

کوئی مفعول کسی مصدر کے ساتھ مل کر بطور محاورہ مستعمل ہو تو اس صورت میں بھی علامت مفعول نہیں آ سکتی کیونکہ محاورے میں اضافہ جائز نہیں ، مثلاً دل دکھانا - جان کھپانا - ناک کٹوانا - سر اٹھانا - کمر باندھنا - آنکھیں چرانا -

ضمائر شخصی بطور مفعول دو طرح آتی ہیں : علامت مفعول 'کو' کے ساتھ اور بغیر کو ، یعنی مجھے یا مجھ کو ، ہمیں یا ہم کو ، تمھیں یا تم کو ، اسے یا اس کو ، انھیں یا ان کو - ذوق صحیح ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس مقام پر کون سی صورت فصیح تر ہے -

مفعولی کلمات میں عمومیت ہو تو علامت مفعول کا استعمال ضروری نہیں ، لیکن اسماء خاص کے ساتھ یا کوئی تخصیصی اشارہ یا اضافت رکھنے والے مفعول کے ساتھ علامت مفعول ضرور آتی ہے اور تخصیص کے مفہوم کو تقویت دیتی ہے ، مثلاً میں نے سلیم احمد صاحب کو دیکھا (اسم خاص ۔ یہاں علامت مفعول ضروری ہے) ۔ میں نے اس شخص کو بلایا (تخصیصی اشارہ 'اس' کے ساتھ) ۔ میری فریاد کو پہنچو (ضمیر اضافی 'میری' کے ساتھ) ۔

کبھی اسم مفعول میں علامت مفعول کو کے لانے سے بھی تخصیص کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے ۔ ''اپنی حالت کو دیکھ'' میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے بمقابلہ اس جملے کے کہ '' اپنی حالت دیکھ''۔ اسی طرح میری بات کو سمجھو ۔ ان حرکتوں کو چھوڑ دو ۔ وغیرہ میں بھی تخصیص ہے ۔

مفعول قریب اور مفعول بعید

مفعول قریب کے ساتھ (جس پر فعل کا اثر بلا واسطہ راست پڑتا ہے) کو نہیں لاتے جو اصل مفعول کی حیثیت رکھتا ہے ، مثلاً میں نے تمھاری کتاب تمھیں دے دی ۔ یا تمھارے بھائی کو دے دی ۔ اس مثال سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے مفعول یعنی مفعول بعید کے ساتھ کو کا استعمال یا ترک حسب قاعدہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن مفعول قریب کے ساتھ کو لانا غیر فصیح ہے ؛ یعنی یوں کہنا درست نہیں کہ میں نے تمھاری کتاب کو تمھارے بھائی کو دے دیا ۔

متعدی بہ دو مفعول کی صورت میں مفعول شخصی کے ساتھ کا آتا ہے ، غیر شخصی کے ساتھ نہیں آتا ، مثلاً میں نے بچے کو ایک کتاب دی ۔

مفعول مطلق

مفعول مطلق کے ساتھ (جس میں فعل کے ساتھ اسی مادے کا مفعول قریب آتا ہے) کو نہیں لاتے ، مثلاً بڑا بول نہ بولو ۔ بھلے مانسوں کی چال چلو ۔

مفعولی ضمیروں کی جگہ اضافی ضمیروں کا استعمال[1]

مثلاً تم نے اس کو کاٹ کھایا ۔ اس نے تمھیں کاٹ کھایا ۔ ان فقروں کے بجائے یوں کہیں ''تم نے اس کے کاٹ کھایا'' یا اس نے تمھارے کاٹ کھایا ۔

بالفاظ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان مثالوں میں کے علامت اضافت علامت مفعول کا کام کر رہی ہے ۔

علامت مفعول کے مختلف فوائد

(۱) تخصیص کے لیے : مثالیں اُوپر آ چکی ہیں ۔

(۲) اشارہ کے لیے ۔ یعنی کو بمعنی **کی طرف** ۔

میں نے شیر دیکھا (اس میں واضح اشارے کا مفہوم نہیں ہے)
میں نے شیر کو دیکھا (یعنی شیر کی طرف دیکھا ۔ اس میں اشارے کا مفہوم ہے)

(۳) اظہار غرض کے لیے : یعنی بمعنی **کے لیے** ۔

مثال : لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں
اہل میت جنازہ ٹھہرائیں (حالی)

کچھ پوچھنے کو آئے ہیں یعنی کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ہیں ۔

(۴) اظہار معاوضہ کے لیے : مثلاً یہ کار کتنے کو بیچی ۔ یہ کتاب کتنے کو بیچو گے ۔

(۵) اظہار سن کے لیے : مثلاً حامد کو دسواں برس لگا ہے ۔

(۶) لزوم کے معنوں میں : مثلاً کیا دکھ جھیلنے کو میں ہی رہ گیا ہوں ۔

---

۱ ۔ اس کے برعکس بھی قدیم اُردو میں مثالیں ملتی ہیں یعنی اضافی ضمیروں کی جگہ مفعولی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں مثلاً مجھ پاس بجائے میرے پاس ۔

مفعولی کلمات کا استعمال فاعلی کلمات کی جگہ

مثلاً اس کو گھر جانا ہے ۔ (یہاں اس کو بظاہر مفعولی حالت میں ہے اور علامت مفعول بھی موجود ہے ، مگر در حقیقت فاعلی حالت میں ہے) اسے نظر نہیں آتا ۔ اسے دکھائی نہیں دیتا ۔

ایک اشکال

دو ضمائر شخصی بحالت مفعولی کبھی ایک ساتھ اس طرح آجاتے ہیں کہ مفعول قائم مقام فاعل اور اصل مفعولی کلمے کے تعین میں سننے والے کو دشواری ہوتی ہے ، مثلاً آپ کو ایک روپیہ دینا ہے ۔ (یعنی آپ مجھے ایک روپیہ دیں گے) اور یوں بھی مفہوم نکلتا ہے کہ میں آپ کو ایک روپیہ دوں گا) یہی دشواری آپ کے علاوہ دوسرے ضمائر شخصی کے ساتھ بھی ہے ۔ لیکن آپ کی الجھن ایک اور بھی ہے ۔ یعنی آپ بمعنی اپنے آپ یا اپنے تئیں بھی آتا ہے ۔ چنانچہ غالب کا لطیفہ مشہور ہے کہ "میں آپ کو گدھے سے بدتر سمجھتا ہوں" کہہ کر میں تو یہ مفہوم لوں گا کہ اپنے تئیں گدھے سے بدتر سمجھتا ہوں اور آپ کچھ اور سمجھ بیٹھیں گے ۔

تکمیلی کلمات : خبر

فعل ہونا ہے کے ساتھ خبری حالت میں آنے والے الفاظ ہونا کے معنوں کی تکمیل کرتے ہیں ، مثلاً وہ بہت برا ہے ۔ وہ صورت سے بھلا مانس معلوم ہوتا ہے ۔ وہ لوگ سپاہی ہیں ۔ فعل ہونا اس حالت کے لیے اکثر آتا ہے ۔ اس کے علاوہ پڑنا ۔ لگنا ۔ دکھائی دینا ۔ وغیرہ بھی آتے ہیں ۔

اکثر تکمیلی کلمہ کی صورت میں آنے والے اسم ، اپنے فاعل (یا فاعلی حالت میں آنے والے اسم) سے زیادہ عمومیت رکھتے ہیں ، مثلاً گائے ایک چوپایا ہے ۔ "سلیم اچھا شاعر ہے" کبوتر ایک پرندہ ہے ۔

یہاں تکمیلی کلمات ایک چوپایا[1] ، اچھا شاعر ، ایک پرندہ ، عمومیت رکھتے ہیں جب کہ گائے ، سلیم ، کبوتر ، خصوصیت کے حامل ہیں ۔

---

۱ ۔ یہ مرکب لفظ اُردو کا ہے اس لیے ہائے مختفی کے بجائے الف لکھا گیا ہے ۔

جب کہ خبری حالت کے جملے فاعلی اسم اور تکمیلی کلمہ کے بطور آنے والا اسم یعنی خبر دونوں عمومیت یا خصوصیت میں برابر کا درجہ رکھتے ہوں تو بصورت عام تاکید پہلا فاعل اور دوسرا اسم خبر مانا جائے گا ۔ اور بصورت تاکید و حصر پہلا خبر اور دوسرا فاعل ۔

مثالیں : اچھا اچھا ہے ، اور برا برا ۔ میر میر ہے ، اور سودا سودا ۔

توضیح و تصریح کے لیے یکساں درجے کے فاعل اور خبر کے اسموں کے درمیان پھر لاتے ہیں جس کے بعد آنے والا اسم خبر ہوتا ہے ۔ اور اس سے تاکید کا مفہوم بھی نکلتا ہے ۔

مثالیں : میر پھر میر ہے ۔ غیر پھر غیر ہے ۔

باب پنجم

صفت

۱ - تعدّد ، مقدار ، مقابلہ

(الف) تعدّد

معیّن اعداد[1] ، ایک ، دو ، تین ، چار ، وغیرہ بطور صفت عددی معلوم یوں آتے ہیں : ایک کتاب ، دو قلم ، تین صفحے ۔

مگر معیّن اعداد کبھی اس طرح بھی استعمال کیے جاتے ہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے صحیح تعداد ظاہر نہیں ہوتی ۔ محض قلت و کثرت یا تخمینہ کا اندازہ ہوتا ہے ۔ یعنی اعداد بطور صفت عددی مجہول آتے ہیں ، مثلاً

میکدے میں عجب تماشہ ہے
چار بیٹھے ہیں چار پھرتے ہیں (داغ)

یعنی کچھ بیٹھے ہیں ، کچھ پھرتے ہیں ۔ دو بھی کچھ کے معنوں میں آتا اور قلت کا مفہوم رکھتا ہے :

پھر حشر تک خلاف یہ گردش نہ کر سکے
دو دن بھی گر فلک ہو مرے اختیار میں (داغ)

---

۱ - مؤلف کیفیہ نے عدد اور صفت عددی میں فرق کیا ہے ۔ اٹھارہ عدد اٹھارویں ، صفت عددی ۔ (دیکھیے ص ۱۳۱) لیکن عدد معین بھی صفت کے ذیل میں آتا ہے - اٹھارہ ، یہ صفت عددی معلوم ہے جو صحیح تعداد بیان کرتی ہے ۔ اٹھارویں ، یہ صفت عددی ترتیبی ہے جو ترتیب یا گنتی کا مرتبہ بتاتی ہے ۔

کثرت کے لیے ستّر کا عدد اکثر آتا ہے[1]، مثلاً تم جیسے ستر کو چراتا ہوں - یعنی بہتوں کو چراتا ہوں -

گن گن کے ان کی ننھی بڑی کو بکھاؤں گی
مجھ کو کہیں گے ایک تو ستر سناؤں گی (جان صاحب)

بہتّر بھی کثرت کے لیے آتا ہے - میر کے بہتّر نشتر مشہور ہیں -

منحصر تھی عشق کے مذہب میں بازی نجات
کھیلنے کو یوں زمانے میں بہتّر کھیلتے

(منیر شکوہ آبادی)

امیر مینائی نے ان اعداد کو ہزارو کے ساتھ یوں استعمال کیا ہے:

وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جس پہ کیجیے
ستّر ہزار غنچے ، بہتّر ہزار پھول

دو اعداد ایک ساتھ لانے سے بھی مجہولیت پیدا ہوتی ہے ، مثلاً ایک آدھ ، دو چار ، دس بیس ، سو پچاس -

تم نیم اشارے پہ تو آنکھیں نہ نکالو
ایک آدھ خطا کیا جو خطا وار سے ہو جائے (داغ)

ع دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

صحیح اعداد کی جمع لانے سے بھی صفت عددی مجہول ہو جاتی ہے -

۱- ستّر کا عدد کثرت کے لیے قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے - پارہ ۱۰ رکوع ۱۶ - استغفرلهم اولا تستغفرلهم سبعین مرّة فلن یغفر الله لهم - (ترجمہ) آپ ان (کافروں) کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں ، اگر آپ ان کے لیے ستّر بار بخشش مانگیں تب بھی ہرگز نہ بخشے گا اللہ پاک ان کو -

ستّرا بہتّرا بھی اس قبیل سے ہے یعنی بہت بڑی عمر والا ۔ غالب نے منشی حبیب اللہ ذکا کو لکھا ہے: ''ستّرا بہتّرا اردو میں ترجمہ پیر خرف کا ہے۔ میری بہتّر برس کی عمر ہے پس میں اخرف ہوں''۔ نواب میر غلام بابا کو بھی غالب لکھتے ہیں : '' اب کے رجب کے مہینے سے ستّرواں سال شروع ہو گا ۔ سترا بہترا بوڑھا اپاہج آدمی ہوں'' ۔

کثرت کے لیے ہزار بھی آتا ہے اور یہ بھی قرآنی محاورہ ہے : لیلة القدر خیر من الف شھر ۔ اُردو میں یوں آتا ہے :

ہزار جلوے سے معمور ہے ، یہ کافر دل
اس ایک سنگ سے پیدا ہوئے صنم سو سو

صفت عددی مجہول کے طور پر جب دو اعداد ایک کے ساتھ لاتے ہیں تو بالعموم چھوٹا عدد پہلے آتا ہے ، مثلاً تین چار، پانچ سات ، دس بارہ ، لیکن دس پانچ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں بڑا عدد پہلے آتا ہے ۔ مثلاً بیسیوں[1] ، سینکڑوں ، ہزاروں ، لاکھوں :

حضرت دل آپ ہیں کس دھیان میں
مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں (داغ)

واضح رہے کہ سب دہائیوں کی جمع بطور صفت عددی مجہول نہیں آتی ؛ ستر اور نوے کی جمع بالکل مستعمل نہیں ، اور بیشتر صرف دس بیس پچاس کی جمع آتی ہے ۔

بعض اعداد بھی صفت عددی مجہول کے لیے برتے جاتے ہیں : کچھ ، چند ، تھوڑے ، کم ، تھوڑے سے ، بہت سے[2] ، ان گنت ، بے شمار ، لاتعداد بھی صفت عددی مجہول کے لیے لاتے ہیں ، مثلاً :

---

۱ ۔ بیسیوں ، صفات عددی مجہول ہے جس سے تعداد کا اندازہ یا تخمینہ مراد ہے ۔ دسوں ، بیسوں ، صفت عددی ہے ۔ مثالیں آگے آئیں گی ۔

۲ ۔ یہ الفاظ صفت مقداری مبہم کے لیے بھی آتے ہیں جس کا بیان آگے آئے گا ۔

ان گنت خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں - بے شمار پھول کھلے ہیں - لاتعداد پیڑ آندھی سے گر گئے -

ایک یا اک کے استعمالات

معیّن عدد کے ساتھ 'اک بطور لاحقہ لانے سے صفت عددی مجہول بنتی ہے - مثلاً پانچ اک ، دس اک - بیس اک ، بیس اک صفحے پڑھ لیے - یعنی تخمیناً بیس صفحے پڑھ لیے -

کسی یا کوئی کے معنوں میں : ایک دن زور سے بجلی کڑکی - (یعنی کسی دن زور سے بجلی کڑکی) ایک بھی نہ ملا (یعنی کوئی بھی نہ ملا) - ایک نہ ایک غم (یعنی کوئی نہ کوئی غم) - ایک نہ ایک کو ساتھ لینا ہے (یعنی کسی نہ کسی کو ساتھ لینا ہے)

کل یا سارے کے معنوں میں :

جان تو اک جہان رکھتا ہے
کون میری سی جان رکھتا ہے (درد)

یکساں کے معنوں میں، مثلاً دوست دشمن ایک ہیں (یعنی یکساں ہیں)- مبالغے کے لیے مثلاً وہ ایک فطرتی ہے (یعنی بڑا فطرتی ہے) -

اس کو پروا نہیں کوئی مر جائے
ایک بے درد یہ مرا ہے عشق (جان صاحب)

حرفِ حصر کے ساتھ بھی آتا ہے ، مثلاً وہ ایک ہی چھٹا ہوا ہے (یعنی بڑا ہی چھٹا ہوا ہے) -

جان صاحب ایک ہی موذی ہے یہ
مال ہے ماموں کا بیٹھا مار کے

بے مثل کے معنوں میں ، مثلاً وہ اپنے رنگ میں ایک ہے (یعنی بے مثل اور یکتا ہے) -

اکیلے اور تنہا کے معنوں میں ، مثلاً اک مجھی پر یہ عنایت کیوں ہے) -

ادنیٰ کے معنوں میں :

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے (غالب)

صرف کے معنوں میں :

موم ہوتا ہے مری آہ سے پتھر لیکن
سنگِ دل اک ترا دل ہے کہ پگھلتا ہی نہیں (داغ)

ایک ایمان ہے بساط اپنی
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہے (درد)

دوسرے کے معنوں میں :

ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

ایک دیدہ ہے مرا آدم تو اک یعقوب ہے (جان صاحب)

تحسینِ کلام کے لیے :

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی (شیفتہ)

ہر ایک کے معنوں میں ایک ایک ، مثلاً ایک ایک کو دیکھ لوں گا (یعنی ہر ایک کو دیکھ لوں گا) ۔ ایک ایک نکتہ سمجھ میں آ گیا (یعنی ہر ایک نکتہ سمجھ میں آ گیا)

ایک ایک فرداً فرداً دلالت کے لیے بھی آتا ہے ، مثلاً ایک ایک آؤ :

آخر تھکی زبان گھسیں اپنی انگلیاں
اک اک گھڑی گنی جو ترے انتظار میں (داغ)

باہم کے معنوں میں ، مثلاً ایک ایک کی جان کا لاگو ہے ۔ ایک ایک کا دشمن ہے (یعنی دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں) فصل کے ساتھ

یوں بھی لاتے ہیں ع ایک کو ایک کھائے جاتا ہے (یعنی باہم ایک دوسرے کو کھانے میں لگے ہیں ۔)

تحقیر کے لیے :

ایک ہی ہے یہ کھوجڑے پیٹا
جان صاحب برا ہو اس دل کا (جان صاحب)

جمع موصوف کے ساتھ ایک کا استعمال :

ان ایک پلکوں میں ملتی ہے چار کی صورت
چھری کی ، سوئی کی ، قینچی کٹار کی صورت (جان صاحب)

صفاتِ عددی ترکیبی: مثلاً پہلا ، دوسرا، تیسرا[1] ، بیسواں ، ہزارواں وغیرہ جملے میں آکر جنس کے لحاظ سے بدلتی ہیں ۔ مثالیں : پہلا لڑکا ، پہلی لڑکی ۔ پہلے لڑکے نے تقریر کی ، پہلی لڑکی نے تقریر کی ، پانچواں لڑکا بولا ، پانچویں (بیائے مجہول) لڑکے نے تقریر کی ، پانچویں (بیائے معروف) لڑکی بولی، پانچویں (بیائے معروف) لڑکی نے تقریر کی ، میں نے پانچواں خط لکھا ، میں نے پانچویں (بیائے معروف) کتاب پڑھ لی ، میں نے پانچویں (بیائے مجہول) خط کو کھولا ۔

سو ، ہزار وغیرہ کے ساتھ اکائیاں ، دہائیاں ، وغیرہ آنے کی صورت میں (مثلاً دو ہزار تین سو چار ، ایک سو ایک ، ایک ہزار آٹھ) آخری جزو پر واں بڑھاتے ہیں مثلاً دو ہزار تین سو چارواں ، ایک سو ایکواں ، ایک ہزار آٹھواں ۔

صفت عددی مجموعی مثلاً دونوں ، تینوں ، چاروں ، وغیرہ سے کئی چیزوں یا شخصوں کا کسی ایک کام یا کام کے اثر قبول کرنے میں شریک

۱۔ اناج تولنے والے مزدوروں کی اصطلاح میں ایک ، دو ، تین وغیرہ کی جمع پنجابی ، دکنی کے قاعدے کے مطابق 'اں' بڑھا کر بطور صفت عددی ترتیبی بولتے ہیں اور فعل بھی بصیغۂ جمع لاتے ہیں ، مثلاً ایکاں ہیں ایکاں ، دواں ہیں دواں ، تیناں ہیں تیناں ، چاراں ہیں چاراں ، پانچاں ہیں پانچاں ، ساتاں ہیں ساتاں ۔

ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ مثلاً دسوں انگلیاں، دسواں چراغ ۔ دونوں کتابیں اچھی ہیں ۔ چاروں بھائی آ گئے ۔

بیسوں کا سر کاٹ لیا نا مارا نا خون کیا (امیر خسرو)

صفتِ عددی مجہول کے مقابلہ میں اس قسم کی صفت کے فرق کو پیشتر واضح کیا جا چکا ہے ۔ دسیوں صفتِ عددی مجہول، دسوں، صفت عددی مجموعی، بیسیوں صفت عددی مجہول، بیسوں صفت عددی مجموعی، پچاسیوں صفت عددی مجہول، پچاسوں صفت عددی مجموعی ۔ ان میں یائے مضموم کا فرق موجود ہے ۔ بعض اعداد پر 'وں' بڑھا کر صفت عددی مجموعی نہیں بناتے، مثلاً نو، گیارہ، بارہ، تیرہ، وغیرہ ۔ ایسے اعداد سے صفت عددی مجموعی مکرر عدد لا کر اور ان کے درمیان حرف 'کے' یا 'کی' موصوف کی جنس کے مطابق بڑھا کر بناتے ہیں ۔ مثلاً نو کے نو، گیارہ کے گیارہ، بارہ کے بارہ، وغیرہ اور یہ عام قاعدہ ہے ۔ دسوں کے بجائے دس کے دس، بیسوں کے بجائے بیس کے بیس، یعنی ہر عدد سے صفت عددی مجموعی اس قاعدے کے مطابق لا سکتے ہیں[1] ۔

اشتراک پر زور دینے کے لیے بعض مرتبہ تکرار بصیغۂ جمع کی جاتی ہے ۔ دونوں کے دونوں، تینوں کے تینوں، ساتوں کے ساتوں، دسوں کے دسوں ۔

ان صورتوں کے علاوہ جن میں صفت عددی مجموعی سے صریحاً صحیح تعداد کا اظہار ہو، ایسے الفاظ بھی بطور صفت عددی مجموعی آتے ہیں جو صحیح تعداد کا اظہار نہیں کرتے، مثلاً سب، سارے، ساری، کل، تمام[2] ۔

۱۔ مؤلف آئین اردو نے دسیوں، بیسیوں، تیسیوں چالیسیوں، سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کو صفت مجموعی لکھ دیا ہے (ص ۱۰۰) لیکن یہ درست نہیں ہے ۔

۲۔ ایک اور ایک ایک بھی ان معنوں میں لاتے ہیں جیسا کہ پہلے آ چکا ہے ۔

زور اور تاکید کے لیے ان الفاظ کو مکرر بھی لاتے ہیں ، مثلاً سب کے سب ، سب کی سب ، سارے کے سارے ، کل کے کل ، کل کی کل ، ساری کی ساری ، تمام کے تمام ، تمام کی تمام ۔

فرداً فرداً شخصوں یا چیزوں کا احاطہ کرنے کے لیے صفت عددی استغراق ہر لاتے ہیں ، مثلاً ہر آدمی ، ہر جانور ، ہر چیز ۔ اور کبھی 'ہر ایک' لاتے ہیں ، مثلاً ہر ایک آدمی ، ہر ایک جانور ، ہر ایک چیز ۔ 'ہر' مکرر بھی لاتے ہیں جس سے فرداً فرداً دلالت کو تقویت ہوتی ہے ، مثلاً ہر ہر چیز ، ہر ہر محلہ ، ہر ہر شہر ، ہر ہر جانور[1] ۔

اضعاف کے لیے عدد پر گنا کا اضافہ کر کے لاتے ہیں ، مثلاً دو گنا ، چار گنا ، دس گنا، سو گنا ، ہزار گنا وغیرہ ۔ چار کے عدد تک صفت عددی اضعافی عدد کی تخفیف کے ساتھ یوں بھی آتی ہے دگنا ، تگنا ، چوگنا ، نیز تخفیف عدد کے ساتھ گنا کے بجائے 'ہرا' بڑھا کر دوہرا ، تہرا ، چوہرا ، بھی بولتے ہیں اور اکہرا بھی آتا ہے یعنی ایک گنا ۔ یہ سب صفات عددی اضعافی موصوف کی جنس و عدد کے مطابق بدل کر اتی ہیں ، مثلاً دگنا ، دگنی ، دگنے ، تہرا ، تہری ، تہرے ۔ اضعاف کے لیے فارسی لاحقہ چند بھی اردو میں استعمال ہوتا ہے اور اس کے ساتھ فارسی اعداد آتے ہیں ۔ یک چند، دو چند ، سہ چند ، چہار چند ، دہ چند ، ان فارسی صفات عددی اضعافی میں موصوف کے جنس و عدد کے لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔

(ب) مقدار

بعض چیزیں عدد میں ظاہر نہیں کی جاتیں بلکہ ان کی قلت و کثرت مقدار میں ظاہر کی جاتی ہے ۔ صفت مقداری یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ چیز مقدار میں کتنی ہے ، یا دوسری چیز کے مقابلہ میں کتنی زیادہ ہے ، مثلاً ایک

۱۔ فرداً فرداً دلالت کے لیے اسمائے نکرہ کی تکرار بھی کی جاتی ہے جس سے صفت عددی استغراق لائے بغیر استغراق کے معنی لیے جاتے ہیں مثلاً کلی کلی (یعنی ہر ہر کلی ، ہر ایک کلی ، یا ہر ہر کلی)

پاؤ دودھ ، چار سیر گھی ، دس من گندم ، چار گرہ کپڑا (وزن یا ناپ کے لیے) دگنا ، تگنا ، چوگنا ، سوگنا ، ہزار گنا ، (مقابلہ مقدار کے لیے) اتنا ، جتنا ، کتنا ، وغیرہ (قطعیت سے معریٰ) مثلاً اتنا پانی جمع ہو گیا ، جتنا روپیہ چاہو لے لو ۔

آرزو ڈوب کے جب تھاہ لگائے تو کھلے
انھلی ندی میں نہ ہونے پہ ہے کتنا پانی (آرزو لکھنوی)

کتنا دن چڑھ آیا ، کتنی رات بیت گئی اور اب تک نیند غائب ہے ۔

وہ اور یہ بھی بطور صفت مقداری اردو میں بکثرت مستعمل ہیں ، مثلاً مچھروں کا یہ زور ہے کہ خدا کی پناہ ، فسق و فجور کا وہ زور ہے کہ توبہ ہی بھلی (وہ زور ہے یعنی اس قدر زور ہے) ۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا (غالب)

صفت مقداری معین : یعنی وہ صفت مقداری جس میں صراحتاً مقدار مذکور ہو ، مثلاً ایک گز ململ ، دو سیر شکر ۔

صفت مقداری معین کا موصوف بالعموم واحد ہی لاتے ہیں جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے ، مگر بعض حالتوں میں جمع بھی آتی ہے اور جمع ہی بہتر ہے ۔

ایک من چنا	ایک من چنے[1]
پاؤ بھر الائچی	پاؤ بھر الائچیاں
ایک سیر بھنڈی	ایک سیر بھنڈیاں
تین چھٹانک لونگ	تین چھٹانک لونگیں

۱۔ بول چال میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ پختہ و بریاں حالت میں ایک من چنا نہیں کہتے ایک من چنے ہی کہتے ہیں ۔ اور غیر پختہ و غیر بریاں حالت میں ایک من چنا اور ایک من چنے دونوں طرح مستعمل ہے اور اکثر ایک من چنا بولتے ہیں ۔

ان مثالوں میں چونکہ صیغۂ واحد سے نوع ظاہر ہوتی ہے ، اس لیے صیغۂ واحد کا استعمال بھی درست ہے گو حقیقتاً وہ مقدار جمع پر مشتمل ہو۔

صفت مقداری معین کے ساتھ لفظ بھر کا استعمال :

'بھر' شمار کی تکمیل کا مفہوم پیدا کرتا ہے ۔ مہینہ بھر ، گز بھر ، من بھر ۔ اس لفظ بھر کے ساتھ عموماً اسم عدد نہیں آتا لیکن بھر کا ایک استعمال اور بھی ہے ۔ یہ مقدار کی برابری کا مفہوم بھی رکھتا ہے ، مثلاً دو چَونّی بھر کافور لو اور دو روپے بھر لوبان ، پھر دونوں کو ملاؤ[1] ۔ اس صورت میں یہ اسم عدد کو بھی قبول کرتا ہے مگر یہ ایک خاص استعمال ہے اور عام طور پر بھر اسم عدد کو نہیں چاہتا ۔ فرداً فرداً دلالت کے لیے بصورت تکرار یوں بھی لاتے ہیں گز گز بھر ، پاؤ پاؤ بھر ، انگل انگل بھر ۔ 'بھر' بھرنے سے مشتق ہے اور اس کے معنی پورے یا تمام کے ہیں جیسا کہ مولوی عبدالحق نے بھی لکھا ہے (قواعد اردو ۱۸۲) ۔ ان معنوں کی رعایت سے بھر بطور صفت کبھی اپنے موصوف سے قبل بھی آتا ہے ، مثلاً بھر نیند سونا ، بھر نظر دیکھنا ۔

بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے (سودا)

بھر مٹھی ، بھر مار :

مجھے تم دیکھتے ہی گالیوں پر کیوں اتر آئے
بھرے بیٹھے تھے کیا محفل میں یہ بھر مار کیسی ہے (داغ)

بھر پیٹ ۔ لفظ اپنے کے بعد یوں بھی آتا ہے اپنے بھر (یعنی مقدور بھر، حتی الوسع) ۔ نیز بھرپور بھی اسی قبیل سے ہے اور اس میں تکرار معنوی ہے ۔ بھرپور ہاتھ ، بھرپور وار ۔

کیا حسد ہے اگر اک شب نظر آیا بھرپور
ساغرِ ماہ کا گردوں نے کنارا توڑا (ناسخ)

۱۔ چونی اور روپے کا استعمال یہاں بطور سکے کے نہیں بلکہ وزن کے پیمانے کی حیثیت سے ہے ۔

کبھی موصوف سے پہلے، تکرار کے ساتھ بھر بھر بھی آتا ہے ، مثلاً

رد بایاں دشمن دور بھر بھر چھاجوں برست نور[1]

صفت مقداری مبہم

اس سے صحیح مقدار نہیں معلوم ہوتی ؛ مقدار کی کمی بیشی معلوم ہوتی ہے یا تخمینہ و اندازہ ظاہر ہوتا ہے - زیادتی مقدار مبہم کے لیے الفاظ زیادہ ، بہت ، بہتر ، خوب ، اس قدر ، اچھی طرح ، بہت کچھ ، وغیرہ آتے ہیں -

کمی مقدار مبہم کے لیے الفاظ کچھ، ذرا، تھوڑا ، کم ، ہلکا ، خفیف، کچھ کچھ ، ذرا ذرا ، کم کم ، ہلکا ہلکا ، خفیف خفیف ، تھوڑا تھوڑا ، آتے ہیں - چند مثالیں :

الٰہی زمانے کو کیا ہو گیا ہے
محبت تو کم ہے عداوت زیادہ (داغ)

۱- بھر بیشتر صفت ہی کے طور سے آتا ہے - مؤلف نوراللغات نے بھر پیٹ کے ذیل میں اس کو تابع فعل بھی قرار دیا ہے - بھر کا ایک نادر استعمال بطور حرف کے بھی ہے یعنی تک کے معنوں میں مثلاً منیر :

پھر اس ادا سے دیکھ لو دل جس سے لے چکے
اب کی نگاہ پر میں لگاتا ہوں جان بھر

منیر کی اس بھر ردیف والی غزل میں بھر کے متعدد استعمالات پیش کیے گئے ہیں ، مثلاً بھر بمعنی صرف :

آواز دی جنوں نے جو صحرائے عشق سے
بوڑھے تو راہ میں رہے پہنچے جوان بھر

بھر بمعنی سارے کا سارا :

فکر بلند کو جو میں وسعت دوں اے منیر
گھیرے مری غزل کی زمیں آسمان بھر

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
تری آنکھوں کی نیم خوابی سے (میر)

اک بار جان لی جو کسی کی تو کیا مزا
کچھ کچھ کرم بھی کیجیے ہر ہر ستم کے ساتھ (داغ)

مقدار مبہم کی دریافت یا اظہار کے لیے کتنا ، جتنا ، کس قدر ، اس قدر ، جس قدر لاتے ہیں ، مثلاً جتنا چھوٹا اتنا ہی کھوٹا ۔

آرزو ڈوب کے جب تھاہ لگائے تو کھلے
اتھلی ندّی میں نہ ہونے ہے کتنا پانی (آرزو لکھنوی)

ع ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے (غالب)

مقدار مبہم کے بعض الفاظ کے ساتھ سا ، سی ، سے ، بھی لاتے ہیں ۔ مثلاً تھوڑا سا ، تھوڑی سی ، تھوڑے سے ، ہلکا سا ، کم کم سا ، ذرا سا ، ذرا ذرا سا ، بہت سا ، بہت بہت سا ، خوب سا ، وغیرہ ۔

لگائیں ٹھوکریں اس فتنہ گر نے اور جھنجھلا کر
اگر تھوڑا سا دم باقی کسی پامال میں دیکھا (داغ)

ہم تم اس آنکھ کے ہیں دیکھنے والے دیکھو
جس میں شوخی ہے بہت اور حیا تھوڑی سی (داغ)

ذرا کے ساتھ اک بھی لاتے ہیں ، یعنی اک ، ذرا اک مثلاً

ع اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے (غالب)

صفت مقداری معین کے الفاظ بول کر بعض اوقات مبہم مقدار مراد لی جاتی ہے ، مثلاً ع کیا ایک چلو پانی میں ایمان بہہ گیا

ایک چلو پانی یعنی تھوڑا سا پانی ۔

(ج) مقابلہ

مقابلہ یا تفضیل کے لیے اردو میں عربی کے الفاظ تفضیل بھی آتے ہیں مثلاً اکمل ، افضل ، اکبر ، انسب ، اسعد ، اعظم ، وغیرہ ۔

—— اور فارسی کے لاحقوں (تر ، ترین) سے بھی کام لیا جاتا ہے ، مثلاً بہتر ، بہترین ، کمتر ، کمترین ، بد تر ، بد ترین ۔

—— اور خاص اردو کا انداز یہ ہے کہ زیادہ ، سب سے زیادہ ، نہایت کم ، سب سے کم ، بہت ، بہت ہی ، کچھ ، کچھ ہی وغیرہ کلموں کی امداد سے تفضیل کی تعبیر عام ہے ۔

ان کلمات تفضیل کے بغیر بھی کبھی تفضیل ظاہر کی جاتی ہے ، مثلاً میرا گھوڑا تمھارے گھوڑے سے تیز ہے (یعنی زیادہ تیز ہے) ۔

ع تمھی اچھے سہی سارے جہاں سے (داغ)

یعنی زیادہ اچھے ، بہتر ۔

کبھی بغیر تقابل کے بھی وصفی حالت کے درجے ظاہر کیے جاتے ہیں جو تکمیلِ صفت کی طرف اشارہ کرتے ہیں ، مثلاً وہ خاصا ذہین ہے (یعنی ذہین ہونے کی تکمیل میں ابھی کسر ہے) ۔

کم رتبہ ، کم سخن ، وغیرہ صفات کی تفضیل یوں بھی ظاہر کی جاتی ہے : وہ رتبے میں کم ہے ، وہ دولت میں کم ہے ۔ پہلی صورت تقابل سے بے واسطہ ہے ، جب کہ دوسری صورت میں تقابل کا مفہوم ظاہر ہے ۔

کم ، کم تر اگرچہ مقابلے کے اظہار کے لیے آتے ہیں لیکن فارسی اور اردو میں کبھی کبھی نفی کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے بھی آتے ہیں ۔

غالب کی تصریح

غالب نے ایک خط میں صراحت کی ہے : ”کم کا لفظ اہل فارسی کے منطق میں کہیں افادہ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے جیسے کم آزار یعنی نیا زارندہ ، نہ کہ کم آزارندہ ، کم ہمتا ، یعنی بے ہمتا ، بلکہ

اندک کا لفظ بھی اس طرح آتا ہے جیسا کہ میرا خداوند نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے :

پس و پیش چوں آفتابم یکے ست
فروغم فراواں فریب اندکے ست

یعنی فریب بالکل نہیں ، نہ یہ کہ کچھ ہے ۔ کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے'' ۔ (خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر طبع دوم لاہور ص ۴۸۰-۴۸۱) خود غالب نے ایک شعر میں کم آزار نفی کے مفہوم کے ساتھ یوں باندھا ہے :

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے تھے

کلمات تفضیلِ بعض (Comperatives) کے ساتھ حرف 'سے' اور کلمات تفضیل کل (Superlatives) کے ساتھ حرف میں یوں لاتے ہیں : سب قلموں میں یہ قلم اچھا ہے ۔دیگر (اور) سب قلموں سے یہ قلم اچھا ہے[1]۔

تفضیل کل کا فارسی استعمال اضافت کے ساتھ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے ، مثلاً بزرگ ترینِ خلائق ۔

نیزعربی الفاظ تفضیل اور اضافت کے ساتھ بھی مثلاً اشرف المخلوقات، احکم الحاکمین ۔ ان صورتوں میں مضاف کی جمع ضروری ہے لیکن بغیر اضافت کے واحد لائیں گے ۔ بہترین مخلوق ، بہترین آدمی ۔

مبالغی صفات : بعض صفات ، مثلاً کھاؤ پیر ، پیٹو ، ہنسوڑ ، کماؤ پوت ، وغیرہ میں مقابلے کے بغیر صفت کے معنوں میں زیادتی پائی

---

۱ ۔ بعض لوگ یوں بولتے ہیں : ''سب قلموں سے یہ قلم اچھا ہے''۔ از روئے قواعد اس جملے میں 'دیگر' یا 'اور' ضروری ہے اس لیے مقدّر مانا جائے گا ۔ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے ''اور سب قلموں سے یہ قلم اچھا ہے'' یا ''سب قلموں میں یہ قلم اچھا ہے''۔

جاتی ہے ۔ 'ایک کے'، استعمال سے بھی صفت میں زیادتی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے ۔اس کا بیان پہلے آ چکا ہے ۔

صفت کے معنوں میں زیادتی ان الفاظ سے بھی بلا مقابلہ ظاہر کی جاتی ہے : بہت اچھا ، بہت ہی اچھا ، نہایت اچھا ، نہایت ہی اچھا ، بڑا اچھا ، بڑا ہی اچھا ، کہیں اچھا وغیرہ ۔

دوہری تفضیل : (Double Comperatives and Superlatives)

تفضیل کے بعض الفاظ کثرت استعمال سے معمولی صفت کے معنوں میں استعمال ہونے لگے ہیں یا تاکید کے طور پر لائے جاتے ہیں ۔ ایسے الفاظ کے ساتھ فارسی تفضیلی لاحقہ لگا کر دوہری تفضیل بھی ظاہر کی جاتی ہے ، مثلاً اعظم ترین ، افضل تر ، انسب تر ۔

مثال : نماز افضل ترین عبادت ہے ۔

تاکید یا زور پیدا کرنے کے لیے الفاظ تفضیل یوں بھی لائے جاتے ہیں : افضل سے افضل ، بہتر سے بہتر ۔

مثلاً ع یہ افضل سے افضل عبادت نصیب (مومن۔مثنوی جہاریہ)

مؤلف کیفیہ لکھتے ہیں :

''اصطلاحوں میں تفضیل کی گنجائش نہیں ۔ اگر کامل کے ساتھ بہت یا کم ، کچھ جیسا کلمہ استعمال کرو تو اس سے کامل ناقص ہو جائے گا ۔ یہی حال مربع ، مثلث ، گول ، صحیح اور غلط کا ہے ۔ اگر وہ ایک فیصد بھی غلط ہے تو صحیح نہیں کہی جا سکتی ۔ یہی حال اور اصطلاحوں کا سمجھ لیجیے ۔ جس چیز میں گولائی کی تکمیل ہوتے ہوتے لمبوترا پن آ گیا وہ مرکزی خطوط کے گھیرے سے نکل گئی ۔ اس لیے اسے کم گول کہنا کچھ معنی نہیں رکھتا اسے گولائی مائل ، یا بیضوی یا لم چھوا کہتے ہیں ۔'' (ص ۱۳۳)

منطقی طور سے مؤلف کیفیہ کی رائے درست ہو سکتی ہے لیکن زبان کے چلن میں منطق کو دخل نہیں ۔ کامل کے درجات سے اگر کمال میں نقص آتا ہے تو تفضیل کا صیغہ (اکمل) کس لیے انگریزی میں More Complete آتا ہے ۔ قدیم انگریزی گیتوں میں Most Complete بھی آیا ہے ۔ سعدی نے

کامل تر اور کامل ترین استعمال کیا ہے ۔ فارسی میں یوں اکثر بولتے ہیں : این خیلے صحیح تر است ۔ الفاظ مربع ، چار گوشہ ، مثلث ، وغیرہ درجات تفضیل کو قبول نہیں کرتے ، مگر گرد (گول) اور مدور درجات کو قبول کرتے ہیں ۔

اُردو میں تفضیل بعض اور تفضیل‌کل کے عربی و فارسی کلمات بلا فرق و امتیاز ایک ہی ساتھ آتے ہیں ۔

مثلاً ع سب سے اشرف ہو تم سب سے بہتر ہو تم (رئیس امروہوی)

۲ ۔ صفت اور موصوف کا تعلق

مرکب معطوفہ کے ساتھ صفت کا استعمال : حسب ذیل مرکبات کو دیکھیے :

خوش لباس مرد و زن ، ذہین طلبہ و طالبات ، ضخیم کتب و رسائل ۔ واو عاطفہ کی صورت میں صفت مرکب معطوفہ کے دونوں اجزا کی توصیف کرتی ہے اور کم سے کم اردو میں اس میں کوئی ابہام نہیں[1]، البتہ ہندی حرف عطف 'اور' کی صورت میں یوں کہنے میں التباس ہو سکتا ہے کہ "خوش لباس مرد اور عورت۔"

اسی طرح بیس کتب و رسائل سے مراد کل بیس ہو گی - اور زیادہ بہتر یوں کہنا ہے کہ بیس عدد کتب و رسائل ۔ اگر یوں کہا جائے کہ بیس کتابیں اور رسالے تو شبہ باقی رہے گا کہ بیس کتابیں اور (کچھ) رسالے یا

---

۱ ۔ فارسی میں ابہام رہتا ہے اور صفت دونوں اجزا سے متعلق ہونے کے علاوہ موصوف کے صرف قریب تر جزو سے متعلق ہو سکتی ہے ۔ مثلاً خوش لباس مرد و زن بمعنی ایک خوش لباس مرد اور ایک عورت یا مرد و زن خوش لباسے بمعنی ایک مرد اور ایک خوش لباس عورت۔ اس التباس کو دور کرنے کے لیے فارسی میں یوں کہنا بہتر سمجھا جاتا ہے ، خوش لباس مرد با زنے ، یا مرد با زن خوش لباسے ۔

کل بیس کتابیں اور رسالے — اس لیے یوں کہنا چاہیے بیس عدد کتابیں اور رسالے یا کل بیس کتابیں اور رسالے۔

صفت عددی دونوں کے ساتھ لانی مقصود ہو تو عدد کی تکرار کے ساتھ یوں لا سکتے ہیں۔ بیس بیس کتابیں اور رسالے، یا ہر موصوف کے ساتھ جدا جدا صفت لانی ہو گی یعنی بیس کتابیں اور بیس رسالے۔

کبھی فارسی تراکیب بھی اردو میں استعمال کی جاتی ہیں جن میں دو صفات کے مابین واؤ عاطفہ ہوتی ہے یا اضافت آتی ہے، مثلاً تعلقِ قدیمانہ و مخلصانہ، تعلقِ قدیمانۂ مخلصانہ۔ درست اور مستعمل دونوں ہیں مگر پہلی صورت یعنی واؤ عاطفہ کو ترجیح حاصل ہے۔

صفت عددی کی صورت میں کبھی عدد بغیر معدود کے لاتے ہیں اور کبھی معدود بغیر عدد مثلاً:

(الف) عدد بغیر معدود:

ع مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں (داغ)

بیسوں کا سر کاٹ لیا
نا مارا نا خون کیا (امیر خسرو)

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے پھر بھی وہی رونق ہے مجلس کی

(ب) معدود بغیر کلمۂ تعدّد: اس صورت میں معدود کی تکرار کرتے ہیں اور کثرت کے معنی لیتے ہیں مثلاً:

ع پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے (میر)

یعنی ہر ایک پتّا ہر ایک بوٹا۔

کہوں میں کیا ترا احسانِ تیغ اے قاتل
کہ زخم زخم کے منہ سے دعا نکلتی ہے (ظفر)

یعنی ہر ایک زخم سے۔

فصلیں کی فصلیں برباد ہوگئیں ۔ گھر کے گھر اجڑ گئے ۔ یعنی بے شمار فصلیں ، بے شمار گھر ۔

زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے
یاں خم کے خم اڑاتے ہیں پیر مغاں کے ساتھ (داغ)

موصوف کی جمع کا اثر عبارت کے مفہوم پر

مؤلف کیفیہ لکھتے ہیں ”کبھی موصوف کی جمع عبارت کے مفہوم کو بدل دیتی ہے (۱) اس کی قیمت بہت گراں ہے (۲) اس کی قیمتیں بہت گراں ہیں ۔ (۱) میں گرانی کے الزام کا موجب صرف ایک چیز ہے ۔ (۲) میں ایک دوکان کی ہر چیز کی قیمت کے گراں ہونے کی شکایت ہے۔“ (ص ۱۳۲)

در اصل یہ فرق ضمیر 'اس' کا مرجع بدل جانے کے سبب سے ہے ۔ پہلی مثال میں 'اس' چیز کے لیے آیا ہے اور دوسری مثال میں دوکان کے لیے نیز دوسری مثال میں گو مضاف 'اس' کا مضاف الیہ (اور مضاف الیہ قیمتیں کا مضاف یعنی 'چیزوں') لفظاً مذکور نہیں لیکن مقدر ہے ۔ پورا جملہ یوں سمجھا جائے گا : ”اس کی (چیزوں کی) قیمتیں بہت گراں ہیں ۔“

موصوف کی تبدیلی کا اثر صفت کے مفہوم پر

کبھی صفت کا لفظ ایک موصوف کے ساتھ کچھ معنی دیتا ہے اور دوسرے موصوف کے ساتھ کچھ اور۔ مثلاً چالاک گھوڑا (محمود صفت) چالاک آدمی (مذموم صفت) ، گہرا رنگ (گاڑھا رنگ) گہرا دریا (نیچی تہ والا) ، گہرا نشہ (حواسوں پر پورا قابو پانے والا) گہرا یارانہ ، گہری دوستی (پکی دوستی) ، گہرا خیال ، گہری بات (دور رس) گہرا گھونٹ ، گہرا سانس (لمبا) ۔

حذف ، موصوف

کبھی محاورۃً موصوف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس سے کلام میں خوبی پیدا ہو جاتی ہے ، مثلاً :

منہ سے نکلی پرائی ہوتی ہے
بھلی کہتے برائی ہوتی ہے (ظفر)

پرانی یعنی پرانی بات بھلی یعنی بھلی بات۔

ستم اُٹھائے وفا نباہی شکایت اس کی نہیں ہے اے دل
مگر بھلائی کی تو نے ان سے امید رکھی ہے یہ بری کی (تسلیم)

رہے چپ نہ ہم بھی دمِ عرضِ مطلب
وہ اک اک کی سو سو سنائے گئے ہیں (داغ)

ع کسی کی آئی مجھ کو کیوں نہ آئی (داغ)

یہاں موت محذوف ہے۔

اسی طرح سائل دہلوی کے اس شعر میں موت محذوف ہے:

تمہارا اعتنا اچھا نہیں بے اعتنائی سے
ہمیں یہ بات ثابت ہوگئی دشمن کی آئی سے

گڑھی چھننا، گہرے ہونا (مثلاً اب تو گہرے ہیں) کرکری ہونا، الٹی سوجھنا، الٹی پڑنا، الٹی سیدھی سنانا، الٹی ہانکنا، وغیرہ محاورات میں موصوف محذوف ہے۔ اسی طرح بہت گئی تھوڑی رہی[1] میں بھی موصوف محذوف ہے۔

اضافت مابین صفت و موصوف (اضافت توصیفی): اس کا بیان باب ششم میں حرفِ اضافت کے ذیل میں آئے گا۔

۳۔ جنس اور عدد میں مطابقت

جن صفات کے آخر میں الف یا ہائے ہوز یا یائے معروف نہیں ہوتی ان کی صورت جنس و عدد کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہوتی۔ مثلاً نیک آدمی، نیک لوگ، نیک عورت، نیک عورتیں۔

۱۔ "بہت گئی تھوڑی ہے۔" (عجائب القصص از شاہ عالم ثانی: ص ۲۹۱)

الف پر ختم ہونے والی جو صفت بحالت واحد آتی ہے اس کا جمع کی صورت میں امالہ کیا جاتا ہے ، مثلاً پیلا پھول ، پیلے پھول ، نیلا کپڑا ، نیلے کپڑے ، ہرا پتا ، ہرے پتے ۔

موصوف کے مؤنث ہونے کی صورت میں الف پر ختم ہونے والی صفت کا الف واحد و جمع دونوں حالتوں میں یائے معروف سے بدل جاتا ہے ۔ مثلاً پیلا سے پیلی ، پیلی کوٹھی ، پیلی کوٹھیاں ، نیلی چھتری ، نیلی چھتریاں ، ہری شاخ ، ہری شاخیں ۔

فارسی اور عربی کے بعض ان الفاظ پر بھی قواعد مذکورہ بالا جاری ہوتے ہیں جو ہائے ہوز پر ختم ہوتے ہیں مگر اُردو میں اس درجہ گھل مل گئے ہیں کہ ہائے ہوز الف ہی کی آواز دیتی ہے ، مثلاً سادہ ، تازہ ، دیوانہ، سے سادی ، سادے ، تازے ، دیوانی ، دیوانے ۔

استثنا : یہ قواعد بعض الفاظ پر جاری نہیں ہوتے ، مثلاً ادنیٰ ، اعلیٰ ، عمدہ ، جدا ۔

نوٹ : دو سو برس پہلے جدی اور جدے بھی مستعمل تھے ۔ چنانچہ فورٹ ولیم کالج کی کتابوں میں ، مثلاً باغ و بہار ، نیز عجائب القصص از شاہ عالم ثانی ، اور شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین کے تراجم قرآن مجید میں جدی اور جدے آئے ہیں مگر اب متروک ہیں اور ہر حالت میں جدا ہی بولتے ہیں ۔

جس طرح پیلی اور پیلے ، نیلی اور نیلے ، ہری اور ہرے ، میں یائے معروف تانیث ظاہر کر رہی ہے اور یائے مجہول تذکیر ، اسی طرح صفات عددی میں بھی یائے معروف و مجہول سے امتیاز کرتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں ۔

بیسویں (بیس ویں) جنوری ۔ یائے معروف کے ساتھ
بیسویں (بیس وے ں) سال میں ۔ یائے مجہول کے ساتھ

جب صفت تنہا بطور اسم جملے میں آتی ہے تو اس پر جنس و عدد کے قواعد اسم عام کی طرح ہوتے ہیں ، مثلاً اچھے اچھوں کو پسند کرتے ہیں ۔ باؤلیاں باؤلیوں سے لڑ پڑیں ، بے حیائیں بے حیاؤں سے الجھ پڑیں ۔

نوٹ : بری کی جمع مؤنث بریاں، بریوں مستعمل نہیں ہے ۔ اسی طرح اچھیاں اچھیوں بھی متروک ہے ۔ صفت اچھی ، بری بحالت مؤنث اسم کے ساتھ لاتے ہیں ، تنہا نہیں لاتے ۔

کئی موصوف مختلف الجنس و مختلف العدد ہوں اور صفت ان کی ایک آئے تو اس صفت کی جنس و عدد میں مطابقت اکثر قریب تر موصوف کے ساتھ ہو گی ، مثلاً برے پردے اور چادر اور در و دیوار کیسے بھلے لگتے ہیں ۔ بری چادر اور پردے اور در و دیوار کیا بھلے لگتے ہیں ۔ اچھے رسالے اور کتابیں خریدیے ، اچھی کتابیں اور رسالے خریدیے ۔

نوٹ : کبھی دو مختلف الجنس اسما مل کر ایک وحدت کے بطور[1] آتے ہیں ، مثلاً بی بی بچے ، ماں باپ ، بھائی بہن ، بہن بھائی ، ساس سسر ، ماموں ممانی ۔ اس صورت میں صفت جنس و عدد میں مذکر اسم کے مطابق آتی ہے مثلاً بھوکے بی بی بچے، اچھے ماں باپ ، دبلے پتلے بھائی ، دبلے پتلے بہن بھائی ، بھلے ساس سسر ۔

بعض مرتبہ مؤنث موصوف کے ساتھ خلاف قاعدہ مذکر صفت آتی ہے ، مثلاً اچھے قسم کی چیز ۔ یہ اُردو کا روزمرہ ہے ، مستثنیات میں سے ہے ۔

---

۱ ۔ معنی کی وحدت کے سبب ہی اس طرح کے مرکبات کی کبھی جمع یوں بھی آتی ہے ، مثلاً ماں باپوں (شاہ عالم ثانی نے عجائب القصص میں بکثرت استعمال کیا ہے) یعنی ماؤں باپوں کہنے کے بجائے صرف جزو آخر میں علامت جمع بڑھاتے ہیں ۔ اور یہ اُردو بول چال کے لحاظ سے بالکل درست ہے گو ظاہر میں ذم کا پہلو لیے ہوئے ہے ۔

باب ششم

حروف اور اُن کا استعمال

نحو کے نقطہ نظر سے حرف کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ربطِ کلام درست ہوتا ہے ۔ اگرچہ بعض جملے حروف کے بغیر بھی تکمیل پاتے ہیں (مثلاً ہم آئے ، آپ گئے) لیکن بیشتر جملوں میں حروف کی ضرورت پیش آتی ہے ۔

بعض حروف متعلقہ کلموں میں تغیر پیدا کردیتے ہیں ۔ انھیں حروف عاملہ یا حروفِ مغیّرہ کہتے ہیں ، مثلاً علامت فاعل نے ، علامت مفعول کو، علامات اضافت ، حروف جار ۔

تغیر کی مثال :۔

سے ، میں حروفِ عاملہ کو لیجیے ؛ یہ مجرور کے الفِ آخر یا ہائے مختفی کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں (اس تغیر کو اصطلاح میں امالہ کہتے ہیں) - سے اور میں کے ساتھ اسماء بدلہ ، بچہ ، اکیلا ، پرانا ، یوں آئیں گے ——— بدلے سے ، بدلے میں ، بچے سے ، بچے میں ، اکیلے سے ، اکیلے میں ، پرانے سے ، پرانے میں ۔

دیگر حروف جو تغیر کا یہ عمل متعلقہ کلموں پر جاری کرتے ہیں حروفِ غیر عاملہ کہلاتے ہیں ، مثلاً کلمات عطف ، کلمات طبعی وغیرہ جن کی تفصیل آگے آتی ہے ۔

معمولاً ربطِ کلام پیدا کرنے کے علاوہ حروف ایک معنوی پہلو بھی رکھتے ہیں اور استعمال کے لحاظ سے ایک ہی حرف کئی کئی مفہوم ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے ، مثلاً پر کے استعمالات دیکھیے :

۱- چھت پر کون چڑھا (بلندی اور فوقیت کے لیے)
۲- اس اطلاع پر میں چل پڑا (مفاجات کے لیے)
۳- اس شعر پر خوب داد ملی (توجیہ کے لیے)
اس لیے حروف کے استعمالات سے بھی بحث کی جائے گی ۔

نوٹ : جہاں بعض حروف متعلقہ کلموں میں تغیر پیدا کرنے والے ہوتے ہیں وہاں بعض ایسے بھی ہیں جو دوسرے کلموں سے مربوط ہو کر ان کلموں کی جنس اور عدد کے مطابق خود بدل جاتے ہیں چنانچہ حرفِ اضافت کا بدل کر کی ، کے ـــــ اور حرفِ تشبیہ سا بدل کر سی ، سے ہو جاتے ہیں ۔

حروف عاملہ (حروف مغیرہ)

حروف عاملہ کا اثر

۱ - امالہ : حروف عاملہ جب ایسے مذکر اسمائے واحد کے ساتھ آتے ہیں جن کے آخر میں الف یا ہائے ہوّز ہو تو امالہ کیا جاتا ہے ، یعنی الف یا ہائے ہوز کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں ، مثلاً گھوڑا کے ساتھ حروف مغیّرہ لانے کی صورت میں کہیں گے گھوڑے نے ، گھوڑے سے ، گھوڑے کا ، گھوڑے کو ، گھوڑے پر ، گھوڑے میں وغیرہ وغیرہ ۔

مگر اس قاعدے سے حسب ذیل مذکر الفاظ مستثنیٰ ہیں :

(۱) رشتہ ظاہر کرنے والے الفاظ مثلاً ابّا ، چچا ، دادا ، نانا ، پھوپا ، تایا ۔[1]

(۲) ہندی الفاظ مثلاً راجا ، دولہا ، داتا ، دیوتا ، وغیرہ ۔

(۳) فارسی الفاظ مثلاً خدا ، دریا ، پا ، آشنا ، مینا ، بابا ، دارا ، سیا ، پارسا ، خارا ، دانا ، بینا ، جہاں آرا ، دل کشا وغیرہ ۔

---

۱ - مرکب حالت میں مثلاً نانا ابا ، دادا ابا وغیرہ کو بعض علاقوں میں جزو اول کے امالے کے ساتھ بولتے ہیں ، یعنی نانے ابا ، دادے ابا ، اور تائے ابو نے دعا دی ، مگر یہ امالہ حروف مغیّرہ کے اثر سے نہیں کیا گیا ۔

(۴) عربی الفاظ مثلاً اجتبا ، ارتضا ، ارتقا ، اصطفا ، التوا ، استسقا ، استغنا ، استفتا ، استقرا ، استقصا ، اخفا ، اجرا ، اغوا ، طلا ، لوا ، سہا ، افشا ، افترا ، مدعا ، صحرا ، طوبیٰ ، ثریا ، مسیحا ، مصفّا ، مطلا ، معرّا ، خلیفہ وغیرہ ۔

۲ ۔ **علامت جمع 'وں' کا استعمال :** حروف عاملہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ اسماء کی جمع وں کی علامت کے ساتھ لاتے ہیں ، مثلاً عورتوں سے ، عورتوں کے ، عورتوں نے ، عورتوں کو وغیرہ ، اور مردوں سے ، مردوں نے ، مردوں میں ، مردوں کو وغیرہ وغیرہ ۔

۳ ۔ **صفت کے الف آخر میں تبدیلی :** الف پر تمام ہونے والی صفت کے موصوف کے ساتھ حرف عاملہ آ کر الف کو تذکیر و تانیث کے لحاظ سے بالترتیب یائے مجہول یا یائے معروف میں بدل دیتا ہے ، مثلاً اچھے دوست نے ، اچھی سہیلی کو ، اچھی بات سے ، اچھے کام سے ۔

اب ذیل میں علامت فاعل ، علامت مفعول ، علامت اضافت اور حروف جار کے استعمالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے جو حروف عاملہ کے تحت آتے ہیں ۔

۱ ۔ علامت فاعل 'نے' :

یہ حرف عاملہ فعل متعدی کے فاعل کے ساتھ ملحق ہو کر کلام میں ربط پیدا کرتا ہے ۔ اس کے استعمال کے سلسلے میں کچھ تصریحات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

فعل لازم (مفرد یا مرکب) کے فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا ، مگر اس قاعدے سے بعض لازم افعال مخصوصہ مستثنیٰ ہیں ؛ مثلاً تھوکنا ، سنکنا ، وغیرہ [1] ۔

---

[1] ۔ نیز ہگنا ، موتنا (مفرد حالت میں) ؛ تھوک دینا ، سنک دینا ، موت لینا وغیرہ (مرکب حالت میں) ۔ واضح رہے کہ ان مرکب افعال میں فعل الحاقی لینا ، دینا فعل متعدی ہے ۔ لیکن اگر ایسے فعل الحاق لائے جائیں جو لازم ہوں (مثلاً آنا جانا وغیرہ) تو علامت فاعل نہیں لاتے ۔

اردو کے بعض مصادر لازم و متعدی دونوں طرح آتے ہیں ۔ جب اس طرح کے مصادر لازم کے معنوں میں آئیں گے تو علامت فاعل نہیں لائیں گے ؛ مثلاً وہ بدلا ، وہ پکارا ۔ لیکن جب متعدی کے معنوں میں بولیں گے تو نے لائیں گے ؛ مثلاً اس نے کپڑے بدلے ، اس نے مجھے پکارا ۔

فعل متعدی معروف کی ماضی مطلق ، ماضی قریب ، ماضی بعید ، ماضی احتمالی کے فاعل علامتِ فاعل لاتے ہیں - نیز ماضی شرطی کے فاعل کے ساتھ صرف اس صورت میں علامتِ فاعل لاتے ہیں جب کہ فعل پر لفظ ہوتا بڑھایا گیا ہو ۔ مثالیں :

اس نے کہا (ماضی مطلق)
اس نے کہا ہے (ماضی قریب)
اس نے کہا تھا (ماضی بعید)
اس نے کہا ہو یا کہا ہو گا (ماضی احتمالی)
اس نے کہا ہوتا (ماضی شرطی یا تمنائی لفظ ہوتا کے ساتھ)

استثناء : فعل متعدی کے ماضی استمراری کے فاعل کے ساتھ اور ماضی شرطی کے فاعل کے ساتھ اس صورت میں جب کہ ماضی شرطی میں صرف کلمہ تا بڑھایا گیا ہو ، تو علامت فاعل نہیں لاتے ۔

بعض مصادر متعدی معروف کے فاعل کے ساتھ بھی علامت فاعل نہیں لاتے ؛ مثلاً لانا ، بھولنا ، بولنا ، شرمانا ، بکنا ، لے جانا ---یہ مستثنیات میں سے ہیں -

فعل مرکب کے فاعل کے ساتھ 'نے' کا استعمال :

(الف) مرکب افعال کے دونوں اجزا (فعل اصلی و فعل الحاق) متعدی معروف ہوں تو فاعل کے ساتھ علامت فاعل لائیں گے ؛ مثلاً اس نے کتاب پڑھ لی ، اس نے پانی پھینک دیا ۔

(ب) فعل مرکب کا ایک جزو فعل لازم ہو اور دوسرا متعدی تو یہ دیکھا جائے گا کہ فعل مرکب کا تعلق صرف فاعل سے ہے یا فاعل و مفعول دونوں سے ۔ اگر تعلق صرف فاعل سے ہو تو علامت فاعل نہیں لاتے ؛ جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے وہ لکھ چکا ، وہ ہنس دیا ۔

اگر تعلق فاعل و مفعول دونوں سے ہو تو فعل مرکب کا فعل اصلی لازم اور فعل الحاق متعدی ہونے کی صورت میں ، علامت فاعل لائیں گے ؛ مثلاً : ع یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا

رات بھر مجھ کو غم یار نے سونے نہ دیا
صبح کو خوف شب تار نے سونے نہ دیا

اور اگر فعل مرکب اس کے برعکس ہو ، یعنی فعل اصلی متعدی اور فعل الحاقی لازم ہو تو باوجودیکہ فعل مرکب کا تعلق فاعل و مفعول دونوں سے ہو ، علامت فاعل نہیں لاتے ، مثلاً ہم انھیں گھر چھوڑ آئے ، چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے بڑھ گیا ، وہ بچے کو پیٹ گیا ۔

بعض مفرد متعدی افعال کے فاعل کے ساتھ علامت فاعل کا ترک اور استعمال دونوں صورتیں درست ہیں ؛ مثلاً :

یوں میں نے جیتی الفت کی بازی
اک بار کھیلا سو بار ہارا (حفیظ جالندھری)

میں نے بازی جیتی ، میں بازی جیتا ، میں نے بازی ہاری ، میں بازی ہارا ، میں نے بازی کھیلی ، میں بازی کھیلا ، میں نے ہار مانی ، میں ہار مانا ، میں نے بات سمجھی ، میں بات سمجھا ——— غرض کہ دونوں طرح بولتے ہیں ۔

مصدر چاہنا کے فعل کے ساتھ علامت فاعل لاتے ہیں ؛ مثلاً :
ع میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں

مؤلف آئین اُردو نے صراحت کی ہے کہ ”جب الفاظ دل ، طبیعت ، جی ، بحالت فاعلیت استعمال کیے جائیں تو فعل چاہا کے مثبت استعمال میں علامت نے فاعل کے ساتھ استعمال نہیں کرتے ؛ جیسے میرا دل چاہا ، میری طبیعت چاہی ، میرا جی چاہا ۔ اور منفی استعمال میں ’نے‘ مستعمل ہے ؛ جیسے میرے دل نے نہیں چاہا ، میری طبیعت نے نہیں چاہا ، میرے جی نے نہیں چاہا “۔ (ص ۲۱۸)

ضمائر مجھ ، تجھ کے ساتھ جب کوئی صفت آتی ہے ، تو 'نے' لاتے ہیں گو مجھ اور تجھ مفعولی حالت میں ہیں ؛ مثلاً مجھ غریب نے کیا قصور کیا ہے ؟

مولوی عبد الحق نے مجھ ، تجھ کے اس استعمال کی توجیہ یوں کی ہے :
''اصل یہ ہے کہ مجھ اور تجھ پراکرت کے ضمائر اضافی مجھا اور تجھا سے نکلے ہیں - چنانچہ اسی سے قدیم اُردو میں مجھ اور تجھ بھی بطور ضمائر اضافی کے استعمال ہوتے تھے ، مثلاً نصرتی ملک الشعرائے دربار عادل شاہ اپنی مثنوی، گلشن عشق میں لکھتا ہے :

کہا سن کے یوں ان کے اے دل کے یار
خدا ہے یہ تجھ بات پر جیو مزار

یہاں تجھ بات سے مطلب تیری بات ہے - غرض تجھ حالت اضافی سے حالت مفعولی میں آیا اور صفت کے ساتھ اب بھی استعمال ہے ، جیسے مجھ خاکسار کی حالت - صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے سے یہ نظر انداز ہوگیا کہ مجھ کس حالت میں ہے اور اس لیے اضافی اور فاعلی حالتوں میں استعمال ہونے لگا''۔ (قواعد اُردو : ص ۱۶۳، ۱۶۴)

ہمارے خیال میں ضمائر مجھ اور تجھ کا استعمال اس صورت میں بطور صفت اشاری کے ہے - اُردو میں صفت اشاری یہ ، وہ (اور ان کی بدلی ہوئی حالتیں) صیغۂ غائب کے اشخاص اور اشیاء وغیرہ کی صفت کےلیے عام ہیں - لیکن حاضر کی طرف یا متکلم کے اپنے نفس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ضمائر مجھ ، تجھ بطور صفت اشاری لاتے ہیں ؛ مثلاً اس غریب نے ، ان غریبوں نے ، مجھ غریب نے ، ہم غریبوں نے ، تجھ غریب نے ، تم غریبوں نے - اور صفات ہی کے ساتھ (جیسا کہ اوپر کی مثالوں غریب اور خاکسار کے ساتھ آیا ہے) مجھ ، تجھ لانے کی قید نہیں ؛ اسماء معرفہ کے ساتھ بھی مجھ ، تجھ صفت اشاری لاتے ہیں ؛ مثلاً جی ہاں مجھ حامد علی نے یہ کام کیا -

انشا کی ایک تصریح اور اس کی مزید وضاحت

انشا نے دریائے لطافت میں علامت فاعل 'نے' کے سلسلے میں لکھا ہے

''نے کہ دلالت بر فعل متعدی کند مخصوص بصیغۂ ماضی در جمیع افعال الاّ در لایا کہ بظاہر متعدی بود و دراصل لازم باشد مانند 'لایا زید عمرو کو' گویند کہ اصلش 'لے آیا زید عمرو کو' باشد و در بولنا خلاف قیاس است ۔ و صیغہ حال و مستقبل لازم و متعدی بہ یک صورت آید مثل 'زید جاتا ہے یا آتا ہے' لازم اور 'زید توڑتا ہے اور زید چھانتا ہے' متعدی اور 'زید جاوے گا اور عمرو آوے گا' لازم اور 'زید پکاوے گا اور زید کہے گا' متعدی ۔'' (دریائے لطافت : ص ۱۴۸)

'بولنا' خلاف قیاس ہے تو لایا کی بھی اصل لے آیا کو ٹھہرانا کیا ضرور ہے نیز علامت فاعل 'نے' کے عدم استعمال کے باب میں جو یہ کہا ہے کہ صیغہ حال و مستقبل لازم و متعدی کی صورت میں نہیں آتا—تو یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حال تمام کی صورت میں 'نے' آتا ہے ؛ مثلاً میں نے لکھا ہے ، کھانا کھایا ہے ۔ اورحال تمام ہی کا دوسرا نام ماضی قریب ہے ۔

مؤلف آئین اُردو کی ایک تصریح

مؤلف آئین اُردو لکھتے ہیں : ''ماضی مطلق میں جب فاعل کے ساتھ 'نے' آتا ہے تو کسی صیغہ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ۔ ہر حال میں واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے ؛ جیسے اس نے کہا ، تو نے کہا ، میں نے کہا ، ہم نے کہا ''۔ (آئین اُردو : ص ۱۱۰)

یہ وضاحت ضروری ہے کہ فعل کہا کے ساتھ بے شک یہی صورت ہے لیکن یہ کلیہ نہیں بن سکتا ۔ اصول یہ ہے کہ علامت فاعل آنے کے بعد فعل کا رشتہ فاعل سے منقطع ہو کر مفعول سے قائم ہو جاتا ہے اور فعل جنس و عدد میں مفعول کے مطابق ہو جاتا ہے ، مثلاً اس نے بات کہی ، اس نے کہانی کہی ، تو نے کہانی کہی ، ہم نے فقرہ کہا ، تم نے یہ جملہ کہا وغیرہ ، اور مؤلف آئین اُردو کی مثال بھی اسی قاعدۂ کلیہ کے تحت آتی ہے ۔

'نے' کے ترک کی ایک صورت

اگر ماضی قریب میں حال تاریخی (Historic Present) کا احتمال ہو

تو فاعل کے ساتھ 'نے' استعمال نہیں کیا جاتا ؛ مثلاً :

لیے ہیں دفترِ عصیاں کو کاتبِ اعمال
رکھی ہے گٹھڑی گناہوں کی غیر کے سر پر (امیر مینائی)

اس شعر میں 'لیے ہیں' کے معنی 'لیے ہوئے ہیں' ہیں -

موسیٰؑ نہ طور پر نہ مسیحؑ آسماں پر
دونوں ڈھئی دیے ہیں ترے آستاں پر (صبا)

دیے ہیں یعنی دیے ہوئے ہیں -

عموماً جب کسی جملے میں ایک سے زیادہ فاعل ہوں تو 'نے' فاعل آخر کے ساتھ آتا ہے ؛ مثلاً سلیم ، کلیم اور حامد نے امتحان میں کامیابی حاصل کی - لیکن فرداً فرداً دلالت کے لیے جدا جدا ہر فاعل کے ساتھ بھی علامت فاعل لاتے ہیں ؛ مثلاً سلیم نے اور کلیم نے اور حامد نے کامیابی حاصل کی -

جب کئی ضمائر فاعل ہوں تو ہر ایک ضمیر کے ساتھ علامت فاعل لانا ضروری ہے ؛ مثلاً میں نے اور تم نے اور اس نے مل کر یہ کام پورا کر ہی لیا -

سے بھی علامت فاعل ہے - حسب ذیل مثالوں پر غور کیجیے :

مجھ سے اٹھا نہ گیا ، اس سے بیٹھا نہ گیا ، اُس سے چلا نہ گیا -

ان مثالوں میں فعل لازم ہے مگر طور مجہول استعمال ہوا ہے - مؤلف آئین اردو اسے طور مجہول تسلیم کرنے کو تیار نہیں ؛ ان کے نزدیک ''فعل لازم سے مجہول نہیں آتا ، اس لیے یہ مجہول قرار نہیں دیے جا سکتے ، اور ان میں اس ، اُس ، مجھ ضمائر فاعل ہیں ، اور سے علامت فاعل''۔

(آئین اُردو : ص ۲۱۹)

مگر مولوی عبد الحق اس بات کے قائل ہیں کہ ''بعض اوقات فعل لازم کے ساتھ بھی طور مجہول استعمال ہوتا ہے ؛ جیسے مجھ سے وہاں جا کر آیا نہ گیا ، مجھ سے اتنی دور چلا نہیں جاتا - لیکن یہ صورت ہمیشہ نفی کے

ساتھ آتی ہے اور اس کے معنی بھی خاص ہیں یعنی یہ ہمیشہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب فاعل یا قائل کو کسی فعل کا کرنا منظور نہیں یا وہ اس کے کرنے سے معذور ہے ۔ انھی معنوں میں یہ طور مجہول افعال متعدی کے ساتھ بھی آتا ہے ؛ جیسے مجھ سے کھانا کھایا نہ گیا''۔

(قواعد اُردو : ص ۱۰۰)

بہر کیف خواہ یہ کہا جائے کہ فعل لازم سے مجہول نہیں آتا اس لیے یہ مجہول قرار نہیں دیے جا سکتے ، خواہ یہ کہ بعض اوقات فعل لازم کے ساتھ بھی طور مجہول استعمال ہوتا ہے — دونوں قواعد نویسوں 'نے' مجھ اِس ، اُس وغیرہ ضمائر کو اس طرح کی مثالوں میں فاعل ہی قرار دیا ہے ، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ خاص حالت میں حرف ''سے'' بھی علامت فاعل کا کام کرتا ہے ۔

حرف 'سے' بھی (نے کی طرح) حسب ذیل تغیرات لاتا ہے :

۱ ۔ امالہ ——— مثلاً بچے سے چلا نہ گیا ، گھوڑے سے کودا نہ گیا ۔

۲ ۔ علامت جمع وں ——— مثلاً مردوں سے کھایا نہ گیا ، عورتوں سے پیا نہ گیا ۔

۳ ۔ جس طرح 'نے' کے ساتھ الف پر تمام ہونے والی صفت کا الف موصوف کی تذکیر یا تانیث کے لحاظ سے بالترتیب یائے مجہول یا یائے معروف میں بدل جاتا ہے ، اسی طرح 'سے' کے ساتھ (حالت مذکورہ میں) بدل جاتا ہے مثلاً اچھے گھوڑے سے بھی نہیں چلا جاتا ، اچھی گھوڑی سے بھی نہیں چلا جاتا ، اچھے گھوڑوں سے بھی نہیں چلا جاتا ، اچھی گھوڑیوں سے بھی نہیں چلا جاتا ۔

'نے 'اور 'سے' کے عمل کا ایک اختلاف

ضمیر موصولہ جمع اور ضمیر فاعلی غائب جمع کے باب میں 'نے' اور سے کا عمل مختلف ہے ۔ ضمیر موصولہ جمع کے ساتھ نے لانے کی صورت میں ، جن کی جگہ جنھوں لائیں گے ، مثلاً جنھوں نے اچھے کام کیے نیک نام پایا ۔ لیکن سے بطور علامت فاعل لانے کی صورت میں ، جن لائیں گے مثلاً جن سے چلا نہیں جاتا ، انھیں منزل کیا ملے گی ۔

ایک ضروری وضاحت

'سے' کا استعمال بطور علامت فاعل ایک خاص صورت میں یعنی فعل لازم مجہول منفی کے فاعل کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اس حرف کے دیگر استعمالات بھی ہیں ۔ 'سے' بطور علامت مفعول بھی آتا ہے اور بطور حرف جار بھی (نیز بطور حرف تشبیہ بھی) ۔ ایک ہی جملے میں جب 'سے' بطور علامت فاعل بھی آئے اور بطور علامت مفعول یا بطور حرف جار بھی ، تو اشتباہ ہو سکتا ہے کہ فاعل کون سا ہے ؛ مثلاً ''وہ مجھ سے ملا'' اس جملے میں 'سے' علامت مفعول ہے ۔ طور مجہول منفی میں یہی جملہ یوں آئے گا : اس سے مجھ سے ملا نہیں جاتا یا اس سے مجھ سے ملا نہ گیا ۔

اس صورت میں عام قاعدہ یہ ہو گا کہ مقدم کو علامت فاعل اور مؤخر کو علامت مفعول مانا جائے گا ۔ البتہ جب تاکید مقصود ہو تو اس کے برعکس ہو گا کیونکہ نحو کا عام اصول ہے کہ مؤخر کو مقدم لانے سے حصر و تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس طرح کے جملے میں فاعل اور علامت فاعل کا حذف بھی ہو سکتا ہے اور سیاق و سباق کلام سے اس کا پتا چلتا ہے ؛ مثلاً وہ غیروں سے ملتا ہے ، مجھ سے ملا نہیں جاتا ۔ یہاں فاعل و علامت فاعل 'اس سے' محذوف ہے ۔

اسی طرح مفعول و علامت مفعول کا حذف بھی ہو سکتا ہے ، مثلاً بدگوئی کرنے والوں سے کیوں ملوں ، مجھ سے ملا نہیں جاتا (یعنی ایسوں سے ملنا منظور نہیں) یہاں مفعول اور علامت مفعول 'ایسوں سے' محذوف ہے۔

۲ ۔ علامات مفعول : کو ، سے ، تک ، ے ، یں

مذکورہ بالا علامات مفعول میں سے اول الذکر یعنی 'کو' بکثرت مستعمل ہے اور یہ علامت صرف بطور علامت مفعول ہی آتی ہے ، جب کہ دیگر علامات دیگر حیثیتوں سے بھی مستعمل ہیں ۔ 'سے' اور 'تک' اکثر بطور حرف جار مستعمل ہیں مگر کبھی بطور علامت مفعول بھی لاتے ہیں ۔ حروف ے (یائے مجہول) اور یں (یائے مجہول و نون غنہ) بعض ضمیروں کے ساتھ بطور علامتِ مفعول لاتے ہیں اور ان کا استعمال دیگر حیثیتوں سے (مثلاً بطور علاماتِ جمع) بھی کیا جاتا ہے ۔

(۱) کو

بعض مقامات پر علامت مفعول 'کو' کا لانا ضروری ہوتا ہے اور بعض مقامات پر حذف ۔ تفصیل اس کی یہ ہے :

جب مفعول اشخاص کا اسم معرفہ ہو تو اس کے ساتھ علامت مفعول لانی ضروری ہے ؛ مثلاً میں نے حامد علی صاحب کو بلایا ، تم نے سلیم کو ناحق مارا ، کیا آپ نے جگر مراد آبادی کو دیکھا ہے ؟

جہاں مفعول فعل کے ساتھ مل کر بطور محاورہ آئے وہاں علامت مفعول کا ترک ہی فصیح ہے ؛ مثلاً سر اٹھانا ، کمر باندھنا ، آنکھیں پھیرنا ——— یہ فصیح ہے ۔ سر کو اٹھانا ، کمر کو باندھنا ، آنکھوں کو پھیرنا ——— یہ درست نہیں ، کیونکہ محاورے میں تصرف جائز نہیں ۔ البتہ اگر مقصود بطور محاورہ استعمال کرنا نہ ہو بلکہ فی الواقع سر کو اٹھانا، اور کمر کو باندھنا ، اور آنکھوں کو پھیرنا ہی مراد ہو تو علامت مفعول لانا فصیح ہے کہ اس سے محاورے کا التباس دور ہو جائے گا ۔

اسی طرح فعل متعدی مارنا جب شکار کرنے کے معنوں میں آئے تو علامت مفعول نہیں آئے گی ؛ مثلاً اس نے شیر مارا ، اس نے کبوتر مارا ، لیکن جب پیٹنے کے مفہوم میں آئے (جو اس کا اصلی مفہوم ہے) تو علامت آئے گی ، مثلاً اس نے بچے کو مارا ، اس نے چھوٹے بھائی کو مارا ۔

مؤلف آئین اُردو کا خیال ہے کہ ''جہاں بجائے فعل بمعنی امر مصدر مفرد یا مرکب آئے ، اس کے مفعول کے ساتھ ، اگر وہ واحد ہو تو علامت مفعول کا بولنا غیر فصیح مانا گیا ہے ، اگرچہ عام طور پر بولتے ہیں ؛ جیسے تم سر اٹھانا ، تم کمر باندھنا ، تم رومال ہلانا ، تم لکچر دینا ، تم گیت گانا ۔ اگر یوں بولیں کہ تم سر کو اٹھانا ، تم کمر کو باندھنا ، تم رومال کو ہلانا، تم لکچر کو دینا ۔۔تو یہ غیر فصیح ہی نہیں کریہہ ہے''۔
(آئین اُردو : ص ۲۲۱)

لیکن ہمارے خیال میں سر کو اٹھانا ، اور کمر کو باندھنا اس صورت میں فصیح قرار پائیں گے جب کہ مقصود بطور محاورہ استعمال کرنا نہ ہو ۔

فعل متعدی بہ دو مفعول کے پہلے مفعول کے ساتھ علامت مفعول آتی ہے ، دوسرے کے ساتھ نہیں آتی ؛ مثلاً تم نے بچوں کو مٹھائی دی ۔ کیونکہ دوسرا (یا فعل سے قریب تر) مفعول اپنے فعل کے ساتھ مل کر فعل ترکیبی کے حکم میں آ جاتا ہے ۔

ایک وضاحت : اسمائے عام بطور مفعول لانے کی صورت میں علامت مفعول کے ترک و اختیار کا کوئی قیاسی قاعدہ نہیں ، مگر مؤلف آئین اُردو نے علامتِ مفعول سے پیدا ہونے والے تغیرات کو بنیاد بنا کر لکھا ہے کہ (ملخصاً) :

(۱) اسمائے عام کی جمع واؤ اور نون غنہ سے بنائیں تو علامتِ مفعول آئے گی ۔ (ص ۲۲۱)

(۲) جمع اں سے یا یں سے یا صرف یائے مجہول سے بنائیں تو علامت نہیں آئے گی ۔ (ص ۲۲۱)

(۳) اسم واحد کا الف بوجہ عامل یائے مجہول سے بدل جائے تو بھی علامت مفعول نہیں لائیں گے ۔ (ص ۲۲۱)

(۴) جمع وں سے بنائی جائے تو علامت مفعول آئے گی ۔ (ص ۲۲۲)

لیکن عامل تو خود علامتِ مفعول ہی ہے اور اسی لیے حروفِ مغیّرہ یا عاملہ میں سے ہے ۔ 'کو' لائیں گے تو مذکورہ تبدیلیاں واقع ہوں گی ، نہ یہ کہ واقع ہونے کی وجہ سے 'کو' آئے گا ۔

کبھی علامت مفعول کے حذف کے مقابلے میں ، اس کے استعمال سے حصر و تخصیص کا مفہوم نکلتا ہے ۔ تم لڑکیاں پڑھانا (یعنی لڑکیوں کو تعلیم دینے کا پیشہ اختیار کرنا) تم لڑکیوں کو پڑھانا ، لڑکوں کو نہ پڑھانا ۔ یہاں مفعول پر تاکید ہے ، نہ کہ فعل پر ۔ اسی طرح ان مثالوں میں علامت مفعول لانے سے مفعول پر تاکید مقصود ہے :-

تم محسنوں کو پرکھو ، تم گنوں کو چوس ڈالو ، تم کپڑوں کو نچوڑ لو ، چھلکوں کو پھینک دو ۔

علامت مفعول کے حذف سے یہ تاکید جاتی رہے گی ؛ مثلاً گنے چوس

ڈالو ، کپڑے نچوڑ لو ، چھلکے پھینک دو ۔

فعل متعدی بہ یک مفعول کے ساتھ غیر جان دار چیزیں اور کیفیات قلبی جب بطور مفعول آئیں تو عموماً علامت مفعول نہیں آتی ؛ جیسے تم خوشی مناؤ ، غصہ پی جاؤ ، کھانا کھا لو ، آم خریدو ۔

(۲) تک

یہ حرف اکثر تو حرف جار کی حیثیت سے آتا ہے لیکن کبھی 'کو' کے قائم مقام کے طور پر بھی آتا ہے ؛ مثلاً میرا یہ خط ان تک پہنچا دو ۔ (یعنی ان کو پہنچا دو) ۔ شعر :

نہ آئی بات جو دل سے زباں تک
وہ پہنچی بد گماں تک راز داں تک (داغ)

(۳) سے

حرف ''سے'' بطور علامت مفعول بھی آتا ہے ؛ مثلاً آپ مجھ سے ملے (یہاں سے بطور قائم مقام علامت مفعول 'کو' آیا ہے) ۔

اب ان علامات مفعول کا ذکر کیا جاتا ہے جو صرف ضمائر سے متعلق ہیں ۔ یہ غیر عاملہ ہیں کیونکہ یہ خود ضمائر کا جزو بن کر آتی ہیں ۔

(۴) یائے مجہول

صیغہ واحد کے معمولی ضمائر مجھ ، تجھ ، کس ، جس ، اِس ، اُس ، کے بعد یائے مجہول بڑھا کر لاتے ہیں یعنی مجھے ، تجھے ، کسے ، جسے ، اِسے اُسے ؛ مثلاً جسے خدا رکھے اسے کون چکھے ؟ کس نے تجھے مارا ؟

(۵) یائے مجہول و نون غنّہ

ضمیر 'ہم' کے بعد علامت مفعول 'یں' بڑھا کر ہمیں لاتے ہیں ؛ مثال :

سُر تھے وہی اور تال وہی ، پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
غل تو بہت یاروں نے مچایا ، پر گئے اکثر مان ہمیں
(حالی)

ضمائر جمع تم ، اِن ، اُن ، کن ، جن کے بعد ہیں (ہاے مخلوطی ، یاے مجہول اور نون غنہ) بڑھا کر لاتے ہیں ، یعنی تمھیں ، اِنھیں ، اُنھیں ، کنھیں (قلیل الاستعمال ہے) جنھیں ۔

۳ ۔ علامات اضافت

(۱) کا ، کی ، کے : یہ ہندی حروف اضافت ہیں ۔ 'کا' مضاف کے واحد مذکر ہونے کی صورت میں آتا ہے ؛ جیسے لوہے کا ٹکڑا ، سونے کا ہار ، چاندی کا تار ۔

'کی' مضاف کے مؤنث ہونے کی صورت میں (واحد اور جمع دونوں کے ساتھ آتا ہے مثلاً سونے کی بالی ، لوہے کی جالی ، لوہے کی جالیاں ۔

'کے' مضاف کے جمع مذکر ہونے کی صورت میں آتا ہے ؛ مثلاً لوہے کے ٹکڑے ، سونے کے ہار ، چاندی کے تار ۔

حروف عاملہ ہونے کے سبب سے یہ حروف مضاف الیہ کے الف آخر کا امالہ کرتے ہیں ؛ مثلاً گھوڑے کی دم ، گھوڑے کا منہ ، گھوڑے کے پاؤں ۔

(۲) فارسی علامات اضافت اُردو میں فارسی تراکیب اضافی بھی عام ہیں جن میں کسرۂ اضافت ، ہمزۂ اضافت اور یاے مجہول بطور علامت اضافت آتی ہیں مثلاً شانِ کرم ، فضلِ خدا ، گفتۂ غالب ، بوے گل ،نالۂ دل ، حلواے بے دود ۔

(۳) ضمائر سے متصل علامات اضافت : ضمائر ہمارا ، ہمارے ، ہماری میں را ، رے اور ری اور ضمائر اپنا ، اپنے ، اپنی میں نا ، نے نی علاماتِ اضافت ہیں ۔

۴ ۔ حروف جار

حروف جار اسم یا ضمیر کا تعلق کسی فعل یا شبہ فعل یا متعلق فعل یا صفت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں ۔ ذیل میں بعض کثیر الاستعمال حروف جار کے استعمالات پیش کیے جاتے ہیں ۔

(۱) میں : ظرف مکان کے ربط کے لیے :

دنیا میں کہیں اس نے ٹھکانا جو نہ پایا
آباد ہوئی خانہ خرابی مرے گھر میں

تعداد کے ربط کے لیے :

یہ کیا کہا کہ داغ ہے تو کس شمار میں
یکتا ہوں میں ہزار میں کیا سو ہزار میں

ربط محض کے لیے :

گو قتل کا ارادہ ہو مجھ کو یہ ناز ہے
بیٹھے رہے وہ آج مرے انتظار میں (داغ)

امتیاز کے ربط کے لیے :

چلے آتے ہیں وہ مقتل سے نا خوش
برا نکلا ہے کوئی امتحان میں (داغ)

حالت کے ربط کے لیے :

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں (شیفتہ)

اتنا ہی مجھکواپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ وتاب میں (غالب)

دوہرا ربط :

تم میں سے ایک آدمی ادھر آ جائے ، وہ گھر میں سے نکلا ۔

وجہ کے اظہار کے لیے :

مشتاق اس صدا کے بہت دردمند تھے
اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں (داغ)

ظرفیت کے لیے :

اس سے پوچھو تم مری آشفتگی
زلف کہہ دے گی تمھارے کان میں (داغ)

آنکھ میں آنسو، لب پہ تبسم
دل کی بات اب راز کہاں ہے (ماہر القادری)

رہے گا نہ یوں حسنِ ناپائیدار
کوئی دن میں صورت بدل جائے گی (رند)

ظرف مجازی کے لیے:

ترا آزردہ ہونا بھی ادا ہے
مگر وہ دل لگی میں یا ہنسی میں (داغ)

مقابلے کے لیے: ع ملتی ہے خوئے یار سے نار، التہاب میں

کبھی سے کے محل پر استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً درخت میں باندھ دو
کبھی کو کے محل پر لاتے ہیں مثلاً یہ گھڑی کتنے میں دو گے۔

بعض صورتوں میں کو کی جگہ استعمال کرنا فصحاء نا جائز سمجھتے ہیں، جیسے رات میں دعا قبول ہوتی ہے، دن میں سو رہو، اس جگہ یوں کہنا صحیح ہے رات کو دعا قبول ہوتی ہے، اور دن کو سو رہو۔

میں کبھی محذوف بھی ہوتا ہے۔ الفاظ رات، شب کے بعد اس کا حذف فصیح ہے مثلاً ع ہم نے شب ہجر کی دولت کی مزہ لوٹا ہے (حاتم)

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے (مومن)

(۲) پر، پہ:

نثر میں عموماً پر آتا ہے، نظم میں بضرورت شعری پر کی بجائے پہ بھی لاتے ہیں۔ استعمالات یہ ہیں:

بلندی کے لیے:

برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو (مومن)

تکیے اور بھروسے کے لیے:

ع چھوڑ دیں مجھ کو میری تقدیر پر

تسلیم و قبول کے لیے: مثلاً آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر۔

بیرونی تعلقات کے لیے ، جیسے وہ پھاٹک پر کھڑا ہے ۔
فاصلہ ظاہر کرنے کے لیے ، مثلاً کراچی سے سکھر تین سو میل کے فاصلے پر ہے۔
وقت ظاہر کرنے کے لیے ، مثلاً میں وقت پر جلسے میں پہنچا ، آپ تین بج کر چھ منٹ پر پہنچے ۔

کسی معاملہ یا بات سے تعلق کے اظہار کے لیے ، مثلاً اس بات پرغور کرو۔
پابندی اور پیروی کے اظہار کے لیے، آپ اپنی وضع پر ہیں ، میں اپنی وضع پر۔
وجہ اور علت ظاہر کرنے کے لیے ، مثلاً اتنی سی بات پر آپ بگڑ گئے ۔

بھیج کر خط پھر مکر جانا ، یہ کیا
دیکھیے آئے ہیں اس تحریر پر (داغ)

کان میں سن لو کہ رسوائی نہ ہو
ہم چلے آئے ہیں جس پیغام پر (داغ)

'کے واسطے' اور 'کے لیے' کی جگہ :

رہ گیا ہے دل تمھاری بزم میں
چھوڑ آئے ہیں اسے ہم کام پر (داغ)

ع چارہ گر مرتے ہیں کیوں تدبیر پر (داغ)

تھی کل سے تلاش ان کی مرے قتل پر اے داغ
نکلے وہ عزادار بنے غیر کے گھر آج (داغ)

طرف اور جانب کے معنی میں :

رہروو با خبر رہو کہ گماں
رہزنی کا ہے رہنماؤں پر (حالی)

ع تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو (درد)

وقوف اور انحصار کے لیے :

منحصر قدر ہے رحمت کی گنہگاروں پر
مال کا مول ہے موقوف خریداروں پر

باوجود اور باوصف کے معنی میں :

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جوخدا اختیار دے

انحصار ظاہر کرنے کو مثلاً اب فیصلہ آپ پر ہے -

دوہرا ربط :

نالہ کرنا تو قیامت تھا کہ پہلی آہ میں
آسماں پر سے فرشتوں کی پکار آنے کو ہے (داغ)

ہمسری تجھ سے کرے گر آسماں
صدقے کر ڈالیں ترے سر پر سے ہم (داغ)

بعد کے معنی میں ، مثلاً بارش اس کے گھر پہنچ جانے پر آئی -

شرح یا نرخ ظاہر کرنے کے لیے، وہ دو سو پچاس روپے ماہانہ پر ملازم ہے -

میں کے معنی میں ، مثلاً وہ گھر پر ہے -

تک کے معنی میں ، مثلاً مکان پر گیا تھا -

سلسلے کے واسطے جس سے مقصود کثرت ہوتی ہے :

کچھ ایسے فتنوں پہ فتنے اٹھے کہ شور محشر بھی چیخ اٹھا
اٹھی قیامت بھی ساتھ میرے بتوں کے کوچے سے تنگ ہوکر (داغ)

ع تیر پر تیر چلاؤ تمھیں ڈر کس کا ہے

علم الحساب کی اصطلاح کے طور پر ، مثلاً دو پر ایک صفر بڑھانے سے بیس ہوتے ہیں (یعنی دو کی داہنی جانب ایک صفر زیادہ کرنے سے) -

'پر' ہر حالت میں 'اُوپر' کا مخفف یا بدل نہیں :-

اردو کے بعض قواعد نویسوں نے 'پر' کو 'اوپر' کا مخفف قرار دیا ہے- لیکن 'پر' کے متعدد استعمالات ہیں اور یہ ہر حالت میں اوپر کا مخفف نہیں - چنانچہ جب 'پر' بطور حرفِ استدراک آتا ہے (یعنی مگر یا لیکن کے معنوں میں) تو یہ پرنتو کا مخفف ہوتا ہے - 'اوپر' اضافی حالت میں حرف اضافت کے ساتھ آتا ہے ؛ چھت کے اوپر ، درخت کے اوپر ، مچان کے اوپر ، میرے اوپر، آپ کے اوپر وغیرہ - لیکن اس مفہوم کو جب 'پر' کے ساتھ ادا کیا جائے گا تو ضمائر بالکل دوسری حالت میں ہوں گے مثلاً مجھ پر ، تجھ پر -

اختلاف ظاہر ہے ۔ ”میرے اوپر“ کی جگہ ”میرے پر“ کہنا فصاحت کے خلاف ہے ۔ وہ مکان پر ہے ، وہ مکان کے اوپر ہے ۔ ان جملوں میں پر اور اوپر کا اختلاف دیکھیے ۔ پہلے جملے میں 'پر' دراصل 'میں' کے معنی میں ہے ، دوسرے جملے میں 'اوپر' بلندی کے ربط کے لیے آیا ہے ۔

۳ ۔ سے :

خطاب کے لیے :

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے (غالب)

مقابلے کے لیے :

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ (حالی)

وجہ اور سبب کے معنی میں :

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے (غالب)

یہ چرچے ہیں ہمیں دونوں کے دم سے
نہ تم سے پھر زمانے میں نہ ہم سے (داغ)

ابتداء مکانی و زمانی کے لیے ، مثلاً اس سرے سے اُس سرے تک ، گھر سے بازار تک ، صبح سے شام تک ۔

تعلق ظاہر کرنے کے لیے :

ہو گا کسی دیوار کے سائے کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو (میر)

نفی تعلق کے لیے ، مثلاً کانوں سے بہرا ، آنکھوں سے اندھا ۔

تقابل اضداد کے لیے :

دنیا میں ان بتوں نے جلایا ہے اس قدر
دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں (داغ)

محض ربط کلام کے لیے :

بیعت خدا سے مجھ کو ہے بے واسطہ نصیب
دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا (ناسخ)

سپردگی اور حوالگی کے لیے :
بلا سے ، ہیں جو یہ پیش نظر ، در و دیوار (غالب)

'کی' کی جگہ ، مثلاً اسے کھانے پینے ، کپڑے پیسے سے کیا کمی ہے۔ (بیشتر اس جگہ 'کی' ہی مستعمل ہے) ۔

دہرا ربط ، مثلاً وہ شریف قوم میں سے ہے ۔ 'میں سے' یہاں 'منجملہ' کے معنی دیتا ہے ۔)

ذریعہ کے معنوں میں ، مثلاً سو سواروں سے قلعہ لے لیا ، ہاتھ سے زور لگاؤ ، پانو سے زور لگا کر سہارا نہ دو ۔

ساتھ اور ہمراہ کے معنی میں ، مثلاً سالن سے روٹی کھا لو ۔

ظرفیت کے ربط کے لیے ، مثلاً جب سے ، اب سے ، تب سے ، مکان سے ، شہر سے ۔

کچھ آنے لگا جب سے اثر آہ رسا میں
دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں (داغ)

طرف ، جانب کے لیے ، مثلاً مغرب سے ابر اٹھا ۔

'اندر سے' کے معنی میں ، مثلاً صندوق سے کپڑے نکال لو ۔

کثرت اور افراط کے لیے :
ہے مرا داغِ دلِ سوزاں وہ پُر نور آفتاب
جس سے ڈر کر بھاگتا ہے دور سے دور آفتاب (صابر)

علیحدگی اور دوری ظاہر کرنے کے لیے :
ع تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

شرح کے ظاہر کے لیے ، ع میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے
بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ، دو روپے سیر کے حساب سے ۔

متضاد چیزوں کے شمول کے لیے ، مثلاً عالم سے لے کر جاہل تک ، امیر سے لے کر غریب تک ۔

معیت کے ربط کے لیے :

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قدِ دل کش سے جو گلزار میں آوے (غالب)

ع بڑے تزک سے بڑی شان و اہتمام کے بعد (حسرت)

حالت کے اظہار کے لیے ، مثلاً وہ روزے سے ہے ، وہ دو دن کے فاقے سے ہے۔

چل میکدے میں شیخ بسر کر مہِ صیام
مسجد میں تنگ بیٹھا ہے کیوں اعتکاف سے (ذوق)

تعداد و مقدار کے لیے :

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

فقرہ : یہ صندوق دو من سے کچھ کم ہے ۔

انتزاع کے ربط کے لیے ، مثلاً میں نے اس سے قلم لیا ، کہاں سے تیر نکلا۔

رغبت اور توجہ کے لیے ، مثلاً غور سے سنو ، توجہ سے سنو ، تواضع سے پیش آؤ ، شوق سے آؤ۔

۴ ۔ تک :

حد ، انحصار کے لیے ، مثلاً اب کہاں تک سمجھاؤں ۔

انتہا کے لیے ، مثلاً صبح تک ، شام تک ، گھر تک ، باغ تک ۔

ع شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قربت کے لیے ، مثلاً مجھ تک ، تم تک ، وہ مجھ تک نہیں پہنچا ، اس تک کسی کی رسائی نہیں ۔

فرض کی عدم تعمیل کے لیے ، مثلاً سلام تک نہ کیا ، خط تک نہ بھیجا ، پانی تک نہ دیا ۔

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے کبھی
تمام عمر جلی شمع انجمن کے لیے (وحشت کلکتوی)

شرکت و شمول کے لیے : مثلاً عالم سے جاہل تک ، چھوٹے سے بڑے تک ۔

'بھی' کے معنوں میں :

آہ تک کر نہ سکے محفل جاناں میں ، فلک
یہ بھی حسرت تھی کوئی جس کو نکلنے نہ دیا (جلال)

۵ - اضافی حالت میں آنے والے حروف جار :

آگے ، سامنے ، روبرو : مترادف المعنی ہیں ، مثلاً میرے آگے ، آپ کے سامنے ، حامد کے روبرو -

طرف ، سمت ، جانب : میری طرف ، گھر کی سمت ، شہر کی جانب -

نزدیک ، پاس ، قریب : میرے نزدیک ، مکان کے پاس ، گھر کے قریب -

لیے ، واسطے ، مارے :

زیادہ حسن بھی اچھا نہیں حسینوں کا
ہمیں نظر نہیں آتے صفا کے مارے گال (رشک)

حروف غیر عاملہ

۱- کلمات حصر و تخصیص

ہی :-

یہ حرف حصر بہت سے کلمات کا جزو بھی بن کر آتا ہے ، مثلاً کبھی ، جبھی ، ابھی ، تبھی ، سبھی ، یہی ، وہی ، اسی ، اسی ، تجھی ، مجھی ، جونہی ، یونہی - یہ مرکب الفاظ ہیں جن کے آخر میں حرف حصر شامل ہے -

ہی جب اسماء و ضمائر وغیرہ سے مل کر آئے تو جملہ میں فاعلی ، مفعولی ، اضافی، مجروری علامتیں عموماً 'ہی' کے بعد آتی ہیں ، مثلاً ناخن ہی سے کھرچا ہے - صندوق ہی میں رکھا ہے - اس لڑکے ہی نے ایسا کیا ہے - حامد ہی نے کہا تھا ، دروازے ہی کو توڑا ہے - آپ ہی کو بلایا ہے - ذمہ داری تمھی پر ہے - لیکن مؤلف آئین اردو کے خیال میں یہ ہی سے پہلے بھی علامات ربط لا سکتے ہیں - ہمارے خیال میں اصولاً ہی کے بعد حروف ربط آنے چاہییں مگر ترتیب اس وقت بدلی جا سکتی ہے جب مزید تخصیص اور حصر کا فائدہ منظور ہو ، مثلاً :

دروازے کو ہی توڑا ہے ، آپ کو ہی بلایا ہے ، ذمہ داری تم پر ہی ہے - ان مثالوں میں ہمارے نزدیک حرف حصر ہی کو مؤخر کرنے کی وجہ سے مزید حصر کا مفہوم پایا جاتا ہے -

ضمائر شخصی میں سے ضمیر میں اور تو جب حالت فاعلی میں ہوں تو علامت فاعل سے پہلے ہی نہیں لاتے ، علامت فاعل کے بعد بولتے ہیں ، مثلاً میں نے ہی پکارا ہے ، تونے ہی یہ شیشہ توڑا ہے -

کبھی فعل کے درمیان بھی ہی آتی ہے مثلاً :-

داغ میں پرچا ہی لوں گا باتوں میں انھیں
شرط یہ ہے میرا ان کا سامنا ہونے لگے

مجھی ، تجھی ، اسی وغیرہ ضمائر میں چونکہ حرف حصر موجود ہے اور ان کی حیثیت مرکب الفاظ کی ہے ، اس لیے حروف جار ہمیشہ مجھی ، تجھی ، اسی وغیرہ کے بعد لانے میں ہی ہمیشہ حرف جار سے قبل ہی آئے گی کیونکہ وہ ضمائر کا جزو ہے -

لیکن اگر مجھی ، تجھی ، اسی وغیرہ کے بجائے (جو مرکب حالت میں ہیں) حرف حصر جدا کر کے بولا جائے یعنی مجھ ہی ، تجھ ہی ، اس ہی ، —تو پھر عام قاعدے کی رو سے حروف جار وغیرہ ہی کے بعد لائیں گے اور مزید حصر کے لیے ہی کو مؤخر بھی کر سکتے ہیں ؛ مثلاً :

مجھ ہی سے کہا - مجھ سے ہی کہا -
تجھ ہی پر ذمہ داری ہے - تجھ پر ہی ذمہ داری ہے -

نون غنہ زائد کے ساتھ تمھیں (بمعنی تم ہی) بھی لاتے ہیں ، مثلاً ہمیں پر کیا موقوف[1] -

تو :-

یہ کبھی فعل کی تاکید کرتا ہے ؛ مثلاً سنو تو ، دیکھو تو -

---

(۱) ہمیں اور ہم ہی دونوں طرح درست ہے - مثالیں :

اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب
یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

ع ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا (غالب)

ع ہمارے ہو کے ہمیں سے حجاب دیکھو تو (محمد علی جوہر)

اور کبھی اظہار تکمیل کرتا ہے، جیسے :

ع جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

کبھی خاص قسم کا زور ظاہر کرتا ہے؛ جیسے :

ع دل جس سے زندہ ہے وہ تمنّا تمہی تو ہو (ظفر علی خان)

(اس مثال میں دہری تاکید ہے کیونکہ ہی اور تو دو حروف حصر ایک ساتھ آئے ہیں) اسی طرح سہی کے قبل آ کر بھی تاکید پیدا کرتا ہے؛ مثلاً :

ع سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

'تو' کا ایک استعمال یہ بھی ہے :

موت ہی سے کچھ علاج درد فرقت ہو تو ہو
غسل میّت ہی ہمارا غسل صحّت ہو تو ہو

(اس استعمال سے مقصود کسی امر کی نسبت آخری چارہ کا بتلانا ہوتا ہے)
حصر کے لیے مندرجہ ذیل کلمات بھی بولے جاتے ہیں :

اک :— نوابی تو گئی اک نام رہ گیا ہے ۔

اکیلا، اکیلے، اکیلی :— اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا ۔

نرا، نرے، نری :— نرا پڑھنا کافی نہیں ۔

تنہا، صرف، محض، فقط، خالی، بس :— میں تنہا رہا ہوں ۔ خالی نام باقی ہے ۔ بس تم چلے آنا ۔ صرف تم سے بات کرنی ہے ۔ محض تم سے ملنے آیا ہوں ۔

آپ، خود : تم 'آپ' آئے تھے۔ ہم 'خود' آئے ہیں ۔ مزید حصر کے لیے ہی بھی آتا ہے ۔ مثلاً :

ع تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی (اقبال)

بعض حضرات معترض ہیں کہ خودکشی پر آپ ہی کا اضافہ کیوں ؟ مؤلف آئین اردو تین تین حروف حصر کی یکجائی کو بھی معیوب نہیں

سمجھتے ہیں ، چنانچہ مثال میں یہ فقرہ لکھا ہے : وہ خود آپ ہی آئے تھے۔ اور صراحت کی ہے کہ زور دینے اور تاکید کے لیے ایسا کیا جاتا ہے ۔

۲۔ حروف تاکید

بھر :۔

مثلاً دن بھر ، گھر بھر ، روپیہ بھر وغیرہ ۔

ہاں :۔

یہ لفظ اکثر ابتدا میں آتا ہے اور اسے مکرر بھی بولتے ہیں مثلاً

ع ہاں — تو سنوں میں اس کا نام (غالب)

ہاں ہاں محبت آپ سے کی اور ضرور کی

پر :۔

یہ فعل منفی کی تکرار کی صورت میں یوں آتا ہے :

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ہرگز ، ضرور ، بے شک ، بے شبہہ :۔

بصورت تکرار لاتے ہیں ؛ مثلاً میں ہرگز ہرگز نہ جاؤں گا (یہ صرف فعل منفی کے ساتھ آتا ہے) ۔ میں ضرور بالضرور آؤں گا ۔

اور مکرر لانے سے تاکید مزید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے

یہ اکیلے بھی آتے ہیں ، مثلاً میں ہرگز نہ جاؤں گا ۔ بے شک یہ درست ہے ۔

۳۔ کلمات قسم

یہ ایسے کلمے ہیں جو قسم کے لیے برتے جاتے ہیں ۔

قسم کے لیے ہندی کا لفظ تو صرف ایک ہے سوں جیسے تیری جان کی سوں ، مگر اس کا استعمال اردو میں متروک ہے ۔

عربی اور فارسی کے جو کلمات اردو میں قسم کے لیے مروج ہیں وہ یہ ہیں:
قسم:— خدا کی قسم، قسم خدا کی، تیرے سر کی قسم، اپنی جان کی قسم۔

ابھی باقی ہوں گے ستم اور بھی
تجھے میرے سر کی قسم اور بھی (شوق قدوائی)

سوگند:— بول چال میں مستعمل نہیں، البتہ شعر میں لاتے ہیں۔
واؤ:— واللہ۔ اردو میں صرف اللہ کے نام کے ساتھ بولتے ہیں۔

روح افزا بول اٹھی اجی واہ
ہم جانے نہ دیں گے تم کو واللہ (نسیم)

ب:— بخدا۔ باللہ (واللہ، باللہ)۔
الف:— حقّا۔ نظم میں لاتے ہیں۔

ع حقّا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

۴۔ حروف تشبیہ و مثال

(۱) سا، سی، سے

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا (میر)

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا (مومن)

(۲) کا سا، کی سی، کے سے

نہ جاؤں کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمھارے گھر کا سا (مومن)

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے (میر)

(۳) ایسا ، ویسا ، جیسا ، ایسی ، ویسی ، جیسی ، ایسے ، ویسے ، جیسے :-

کہا میں نے کہ مر جاؤں تو بولے
کہ تم جیسوں کے مر جانے کا غم کیا (شاہ نصیر)

یہ قلم بھی ایسا ہی ہے جیسا وہ تھا۔ یہ بچے ایسے ہی شریر ہیں جیسے ہمارے محلے کے ۔ یہ ایسی کتاب نہیں جیسی وہ توی ۔ یہ گھوڑا ویسا تیز نہیں جیسا تمھارا گھوڑا تھا ۔

شرم کو شرک کی حد تک نہ بڑھا
یوں نہ چھپ ہم سے خدا ہو جیسے (احسان دانش)

(۴) جوں :-نظم میں مستعمل ہے :

ع جوں برگ شجر سے چھن کے نکلے مہتاب
یوں دیتے ہیں لطف اب اس کے داغ سپید (حیرت)

(۵) مانند :

نوچ ہوں آفتاب کے مانند
کیوں جلوں میں کباب کے مانند (جان صاحب)

ہوا ہے داغ مرا دل انار کے مانند
جھڑے ہے آنکھ سے آنسو شرار کے مانند (سودا)

(۶) طرح :

ہماری قبر کو کیا احتیاج عنبر و عود
سلگ رہا ہے ہر اک استخواں اگر کی طرح (انیس)

(۷) گویا

حقہ جو ہے حضور معلیٰ کے ہاتھ میں
گویا یہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں (ناسخ)

(۸) مثل : ہو بیاں کس سے وہ شکوہ و شان
مثل اخروٹ تھے وہ دونوں کان (سودا)

(۹) مثال ع مثال آتش کے کوہ و صحرا گلوں سے سارا دمک رہا تھا

(۱۰) آسا : ہما آسا ہے پرواز ملخ اوج سعادت پر
کرے ہے سور چڑھ کر سینۂ دد پر سلیمانی (سودا)

یہ صرف نظم میں مستعمل ہے ۔

(۱۱) بسان : یہ بھی نظم ہی میں مستعمل ہے :
بسانِ نقش پائے رہروان کوے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت ، کیا کریں ، لاچار بیٹھے ہیں (انشا)

(۱۲) برنگ : صرف نظم میں مستعمل ہے :
نارنج مہ و مہر انہی آموں کے آگے
بد رنگ ، برنگ ثمر خام ہوئے ہیں (منیر)

(۱۳) مانا : صرف نظم میں مستعمل ہے :
یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے مانا
چاہتی ہے بسماجت کرے سبزے سے بدل (سودا)

(۱۴) نمط : صرف نظم میں آیا ہے ۔
یہ شوق شہادت کا تھا اس عاشق رب کو
یعقوب نمط جاتے تھے یوسف کی طلب کو (انیس)

(نمن بھی قدماء کے یہاں آیا ہے)

(۱۵) کاف بیانیہ (بجائے جیسے)
جب ستارہ طلوع ہو دم دار
دم ہو ایسی کہ چھوٹتا ہو انار (اسمٰعیل میرٹھی)

(۱۶) صورت : جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے ، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے (اقبال)

۵- کلمات تفریع

یعنی ایسے کلمے جو کسی کلام کے نتیجے کے لیے ، یا حاصل شدہ مطلب کے لیے بغرض وضاحت لائے جائیں ۔ کلمات تفریع یہ ہیں :

(۱) تو : تو اس سے یہ معلوم ہوا ۔ اچھا تو تمھارا مطلب یہ ہے ۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا ۔

(۲) پس : پس اس حکایت سے یہ نصیحت ملتی ہے ۔ پس تمھارا مدعا یہ ہے ۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہے ۔

۶۔ کلمات خلاصۂ کلام

یہ ایسے کلمے ہوتے ہیں جو سابقہ کلام کا خلاصہ پیش کرنے والے جملے کی ابتدا میں لاتے ہیں ؛ یعنی مختصر ، المختصر ، قصہ مختصر ، غرض ، غرضیکہ ، الغرض ، سخن کوتاہ ، قصہ کوتاہ ، خلاصہ ۔

مثالیں

مختصر یہ کہ میں رکنا نہیں چاہتا ۔ المختصر وہ آرام سے گھر پہنچ گئے ۔ غرض مہم کامیابی سے انجام کو پہنچی ۔ الغرض وہ مکان فروخت کر کے رہیں گے ۔ سخن کوتاہ، خانہ آباد دولت زیادہ ۔ قصہ کوتاہ ، نہ وہ اپنی عادت بدلیں گے نہ ہم اپنی وضع چھوڑیں گے ۔ خلاصہ یہ ، کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کرو ۔ ”القصہ مجھے اس کی بے قراری اور نالہ و زاری پر رحم آیا“۔ (باغ و بہار)

حالت القصہ جو دیکھی اپنی
کوئی کل نہ پائی سیدھی اپنی (حالی)

۷۔ کلمات ندا

وہ کلمات جو پکارنے کے وقت بولے جائیں ۔ جس کو پکارا جاتا ہے اس کو منادیٰ کہتے ہیں ۔

کلمات ندا یہ ہیں : اے (بعید کے لیے) ، او (قریب کے لیے) ، اجی ، ارے ، اری ، ابے ، ابے او ، او بے ، یا ، ہوت ۔

یا : اللہ کے اسم ذات اور اسماے صفات کے ساتھ آتا ہے ؛ مثلاً : یا اللہ ، یا خدا ، یا کریم ، یا رحیم ، یا غفور ، یا غفار ، یا ستار ۔

اے : مثلاً اے لوگو ۔ اے دوستو ۔ اے حضرت ۔

ع اے ذوق ! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

یہ کلمہ واحد و جمع دونوں کے لیے آتا ہے ۔

اجی : یہ واحد ہی کے لیے مستعمل ہے ۔ اجی حضرت ۔ اجی قبلہ ۔
ارے ، اری : ارے واحد مذکر اور جمع مذکر کے لیے ، اری واحد مؤنث اور جمع مؤنث کے لیے ؛ مثلاً ارے لڑکے ۔ ارے لڑکو ۔ اری لڑکی ۔ اری لڑکیو ۔ ارے نالائق ۔ ارے نالائقو ۔ اری پھوہڑ ۔ اری لاڈو ۔

یہ کلمات حقارت یا محبت کے اظہار کے لیے آتے ہیں ۔ اور بے تکلف دوستوں یا کم رتبہ شخص کے لیے بھی :

اے محتسب نہ پھینک ، مرے محتسب نہ پھینک
ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے (جگر)

ارے ، اری کے ساتھ او بڑھا کر لانے سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہے ، مثلاً ارے او بھنگی ۔ اری او مالن ۔
بے ، ابے او ، او بے : یہ صرف مذکر منادیٰ کے لیے مخصوص ہیں اور تحقیر کے لیے آتے ہیں :

یوں پکاریں ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے
ادھر آبے ابے او چاک گریباں والے (میر)

او : تحقیر ، تعظیم اور محبت تینوں صورتوں میں مستعمل ہے ؛ مثلاً او میاں ، او مردود ، او اندھے ، او پیارے ۔

شاہد رہیو تو او شب ہجر
جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

ہوت : میاں یا اجی کے ساتھ دور سے بلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً میاں ہوت ، اجی ہوت ۔ یہ لفظ خواص کی زبان پر نہیں اور شعر میں نہیں آتا ۔

رے : ارے کے ساتھ آتا ہے ۔ مثلاً ارے باپ رے ۔ ارے باپ رے باپ ۔ لیکن کبھی تنہا بھی آتا ہے :

اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب[۴] کو مدتوں رلایا

فارسی الف ندا : نظم میں آتا ہے : ناصحا ، ساقیا ، زاہدا ، دلا ۔

خواری کا نہ کر اپنی دلا یار سے شکوہ
رسوا جو ہوا عشق میں کامل تو وہی ہے (سودا)

کبھی حرف ندا کو حذف کر دیا جاتا ہے ؛ مثلاً :

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے (درد)

درد یعنی اے درد ۔ تخلص اکثر ندائی حالت میں اشعار میں آتا ہے گو الف ندا مذکور نہ ہو ۔

الف ندا ، رے ، ری اور ہوت کے علاوہ (جو منادیٰ کے بعد آتے ہیں) باقی سب کلمات ندا منادیٰ سے پہلے آتے ہیں ۔
ندائی حالت میں خواہ حرف ندا مذکور ہو یا محذوف ، جمع کا نون گر جاتا ہے ؛ مثلاً اے بھائیو ۔ اے لوگو ۔ صاحبو ۔ عزیزو ۔
ع اے ماؤ ، بہنو ، بیٹیو

۸۔ کلمات جواب

یہ وہ کلمے ہیں جو ندا کے جواب میں بولے جاتے ہیں ، مثلاً جی ، جی ہاں ، ہاں ، اچھا ، بہت اچھا ، حاضر ، جی حضور وغیرہ ۔ ان کا استعمال فرق مراتب کے ساتھ ہے ۔ ہاں اور اچھا میں تحقیر یا تعظیم کی کوئی خصوصیت نہیں ۔ جی ، جی ہاں ، بہت اچھا ۔ مقام ادب میں بولے جاتے ہیں ۔ حاضر ، حاضر ہوا حضور ، جی حضور بزرگی و تعظیم کے مقام پر بولے جاتے ہیں ۔

بیداد کر کے چاہتے ہو پھر جفا کی داد
بہتر ، بجا ، درست ، صحیح ، آفرین سہی (داغ)

۹۔ کلمات ایجاب (یا کلمات قبول)

وہ کلمے جو امر یا نہی یا متکلم کے کلام کی تصدیق کے لیے بولے جاتے ہیں ، جیسے ہوں ، جی ، جی ہاں ، اچھا ، بہت اچھا ، خوب ، بہت خوب ، ٹھیک ، بہت ٹھیک ، بہتر ، بالکل ٹھیک ، بجا ، درست ، صحیح ۔

ہوں اور جی یہ ظاہر کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں کہ ہماری توجہ بات کرنے والے کی بات کی طرف ہے ۔

کیوں نہیں ایجاب نفی کے لیے آتا ہے جبکہ کلام میں استفہام ہو، مثلاً:

سوال: کیا یہ آپ کا مکان نہیں؟
جواب: کیوں نہیں۔ (یعنی ضرور ہے)

اصل سوال اور اس کے جواب دونوں میں نفی موجود ہے، اس لیے نفی کی نفی اثبات بن گئی۔

امر کی تصدیق کے لیے: ''لو یہ دوا کھا لو''
''بہت اچھا''

نہی کی تصدیق کے لیے: ''اس وقت اور کوئی کام نہ کرنا''
''اچھا''

تصدیق کلام کے لیے: ''موسم بدل رہا ہے۔ میرے خیال میں سردی اور بڑھ جائے گی۔''
''درست''

۱۰۔ حرف تفسیر

اردو میں حرف تفسیر یعنی آتا ہے جو عربی کا لفظ ہے۔ قدما کی اردو تحریر میں دوسرا عربی حرف تفسیر اعنی بھی ملتا ہے لیکن بہت کم اور اب بالکل متروک ہے؛ صرف یعنی مستعمل ہے۔ یہ کلمہ سابق کلمے یا کلام کی تشریح کے لیے آتا ہے، مثلاً:

موت اک زندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

۱۱۔ کلمات تحقیق

بے شک، بلا شک، بے گماں، بے شبہہ، یقیناً، قطعاً، ضرور، تحقیق، مقرر، البتہ، بالیقین، فی الحقیقت۔

چند مثالیں:

بے شک وہ ایسا ہی ہے۔ خبر یقیناً درست ہے۔ اس میں قطعاً جھوٹ نہیں۔ بالیقین وہ اشعار بھی سودا ہی کے ہیں۔ ضرور ایسا ہوا۔ مقرر وہ کم اصل ہے ورنہ بے وفائی نہ کرتا۔ تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔ (ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر کا ترجمہ از شاہ رفیع الدین) اور یہ ہے

البتہ بڑی بات (و ان کانت لکبیرۃ کا ترجمہ از شاہ رفیع الدین) ۔

۱۲۔ کلمات تمنا

فارسی کے دو کلمات کاش اور کاشکے اُردو میں بھی بطور حرفِ تمنّا مستعمل ہیں ۔ کاش سے قبل اے بڑھا کر اے کاش بھی لاتے ہیں ۔

مثالیں :

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزایش دردِ دروں وہ بھی (غالب)

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں (غالب)

کُنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کُھلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھُلا (غالب)

۱۳۔ حروفِ شک و ظن

شاید اور مگر اُردو میں بطور حروف شک و ظن آتے ہیں۔ **ممکن ہے**، **مشکل سے** بھی شک اور ظن ظاہر کرتے ہیں ۔ **غالباً** کا کلمہ ظنِ غالب کے لیے آتا ہے ۔

مثالیں :

ممکن ہے آپ ہی کی بات صحیح ہو ۔ **شاید** وہ کل آئے ۔ **غالباً** آج جمعے کا دن ہے ۔ **مشکل سے** تین چار شعر عمدہ ہیں ۔

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے
الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے (آتش)
دل کو آنکھوں نے ستایا کیا مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمھارے دام کے

مگر اک مشت پر کی خاک سے کچھ ربط باقی ہے
ابھی تک شاخ گل کی شعلہ افشانی نہیں جاتی (اصغر)

(ان شعروں میں مگر بمعنی شاید آیا ہے ۔)

۱۴- حروفِ تزئینِ کلام

ایسے کلمے جن کے معنی کلام میں مقصود نہیں ہوتے ، البتہ کلام میں زینت اور خوبصورتی پیدا کرتے ہیں ، یعنی بھلا ، اچھا ، بارے ، ہاں ، آخر ، لو ، اے لو ، لے ، آؤ ، آؤ نہ ۔ عورتوں کی زبان سے اے ، اوہی ، اے ہے کلمات اکثر ادا ہوتے ہیں ؛ یہ بھی تزئین کلام کے حروف ہیں ۔

مثالیں : ع آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں (غالب)

کہتی ہے کہ میں پرتوِ چشمانِ نبیؐ ہوں
لو اور سنو ، نرگس بیمار کو دیکھو (امیر)

ع آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی (غالب)

ع بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد (غالب)

ع اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی (غالب)

ع اوہی در گور کیا یہ حال ہوا (جان صاحب)

آخر ہوئے نہ حضرتِ دل آپ واں ذلیل
ہاں اور دوڑ دوڑ کے مہمان جائیے (امیر)

ایلو میں بھی کہوں سبب کیا ہے
ارے تو ہی نواب مرزا ہے (نواب مرزا شوق)

(فقرہ) اے ہے یہ اتنا بچّے کو کیا بے طرح سُلا گئی ہے ۔

(دلی کی آخری شمع مرزا فرحت اللہ بیگ)

۱۵- حروفِ مفاجات

ایسے کلمے جن میں کسی امر کا اچانک اور اتفاقاً واقع ہونا ظاہر ہو ، اردو میں نا گہاں ، نا گاہ ، اچانک ، دفعةً ، یک لخت ، ایک دم سے ، یکبار ، یکبارگی ، اتفاقاً ، یکایک ، یک بیک ، بطور کلمات مفاجات آتے ہیں ۔

مثالیں : ناگہاں اک چیخ کی آواز اور صحرائے نجد
پردۂ محمل کو جنبش ، صاحبِ محمل خموش

ایک دن سیر کو اٹھے ناگاہ
کربلا پہنچے ہوئے ہم درگاہ (شوق)

یک بیک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اس کے آگیا ہوگا (درد)

ہوئی دفعۃً کیا مصیبت ایسی
کہ یک دم میں شکل اس کی یوں بن گئی (طپش)

زنِ ناقص العقل یکبارگی
یہ سنتے ہی دائی کی غم خوارگی
وہیں دم میں نادیدہ عاشق ہوئی
نہایت ہی مشتاق و شائق ہوئی
لگا عشق کا دل میں یکبار تیر
ہوئی قید الفت میں اس کی اسیر (طپش)

(فقرے) ''اتفاقاً ایک گنوار اس جنگل میں گذرا اور اس کے پاس آیا۔''
(ہفت گلشن)

''مجھے غافل پا کر منچلے نے اچانک پیچھے سے آ کر ایسا ڈھکیلا کہ میں بے اختیار پانی میں گر پڑا۔''

''ایک بارگی کسو چیز پر ہاتھ پڑا۔'' (باغ و بہار)

۱۶- کلماتِ طبعی

کلمات طبعی سے مراد وہ کلمے ہیں جو تنبیہ ، تاسف ، ندبہ ، تحسین ، نفرین ، نفرت ، سختی و شدت ، تعجب ، انبساط ، تہنیت یا قدوم کے لیے طبیعت کے اقتضا سے زبان پر آئیں ۔ ذیل میں ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

(۱) تنبیہ کے لیے : جھڑکنے اور کچھ سختی سے کسی کام سے روکنے کے لیے اور دھمکانے خبردار کرنے کے لیے یہ کلمے آتے ہیں : ہیں ، ہائیں ، ہوں ، ہا ، خبر دار ، دیکھو ، دیکھ ، سن ، سنو ، خیر ۔

زور پیدا کرنے کے لیے کلمے مکرر بھی لائے جاتے ہیں ، یعنی ہیں ہیں ، ہائیں ہائیں ۔

مثالیں

ہیں ! ابھی تک تم یہیں ہو ۔
ہائیں ! یہ کیا کر رہے ہو ۔
ہائیں ہائیں ! کیوں اس بیچارے کو مارے ڈالتے ہو ۔
ہوں ! تو یہ ہیں تمھارے لچھن ۔
ہا ! ایسا کام بھول کر بھی نہ کرنا ۔
سنو ! آئندہ سے میں یہ شکایت نہ سنوں ۔
خبر دار ! جو پھر یہاں قدم رکھا ۔
خیر ! دیکھا جائے گا ؛ تم سے بھی نمٹ لوں گا ۔
دیکھو ! اس قدر بد گمانی اچھی نہیں ۔

(۲) تاسف و ندبہ کے لیے : ندبہ اسم ہے ندب کا جس کے معنی مردے پر رونے کے ہیں ۔ اردو میں دکھ درد ، رنج و افسوس یا ماتم و تعزیت کے وقت یہ کلمے بولے جاتے ہیں : آہ ، ہائے ، ہائے ہائے ، افسوس ، افسوس صد افسوس ، حیف ، حیف صد حیف ، ہیہات ۔

بعض کلمات کثرتِ غم کے اظہار کے لیے مکرر بھی بولے جاتے ہیں : آہ آہ ، ہے ہے ، ہائے ہائے ، افسوس افسوس ، ہیہات ہیہات ۔

بعض کلمات صرف نظم میں مستعمل ہیں ، مثلاً وائے ، اے وائے ، دریغا ، وا دریغا ، واحسرتا ، و مصیبتا ۔

مثالیں :

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار (اقبال)

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے (آبرو)

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے (غالب)

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس ! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی (میر)

حیف ! کہتے ہیں ، ہوا گلزار تاراج خزاں
آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا (درد)

واحسرتا ! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر (غالب)

تشنہ لب سبط پیمبر ، وادریغا ! وادریغ !
کربلا کے بن میں بے سر ، وادریغا ! وادریغ ! (سودا)

(فقرہ) ''ہے ہے ! حضرت علی اکبر علیہ السلام ایک ریگستان میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔'' (گل مغفرت حیدری)

ع کہنے لگے رو رو کے حسن ، بھائی حسینا ! افسوس صد افسوس
(نوحہ ۔ گل مغفرت حیدری)

(۳) نفرین و نفرت کے لیے : لعنت اور پھٹکار کے لیے یہ کلمے آتے ہیں : تف ، لعنت ، خدا کی مار ، خدا کی سنوار ، دُر ، دُر دُر ، تھو ، تھو تھو ، پھٹے منہ ، پھٹ ، پھٹ پھٹ ، کالا منہ ۔

مثالیں :

ع اے شب ہجر ! تیرا کالا منہ (مومن)

(فقرہ) ''پھٹ پاپی رومی خاں نمک حرام، پھٹ پاپی نمک حرام۔''
(عہد ہمایوں کا ایک اردو فقرہ)

تجھ پر خدا کی مار ۔ تجھ پر خدا کی سنوار ۔ تف ہے تیری ایسی زندگی پر۔ لعنت ہے ایسی دولت پر ۔ درموے ۔ (یہ عورتوں کی زبان پر ہے)

نفرت کے اظہار کے لیے گھن اور بیزاری کے وقت **چھی، چھی چھی، ہشت** ۔ دھت ۔ دور ہو ۔ الگ ہو ۔ آخ تھو بولتے ہیں ۔

(۴) سختی اور شدت کے لیے: اُف ، اُف، **اُف اوفّو** ، **اوختّو** ، **توبہ** ، خدا کی پناہ، الحفیظ ، الامان۔

مثالیں :

اُف ! کیسی لو چل رہی ہے ۔ **اُف اُف** ! کیسی تپش ہے ۔ **اوفّو!** دھوپ کتنی تیز ہے ۔ اوختّو ! یہ دیدہ دلیری ۔ ایسا بخار تھا کہ خدا کی پناہ ۔ الحفیظ ! الامان ! کس قیامت کی گرمی ہے ۔توبہ ! توبہ !

(۵) تعجب کے اظہار کے لیے : **اللہ اللہ** ، **اللہ اکبر** ، **اللہ رے** ، **اللہ غنی** ، **العظمۃ للہ** ، **سبحان اللہ** ، **صل علیٰ** ، **اوہو** ، **اوفّو** ، **اوختّو** ۔ **ایں** ، **ہیں** ، **ہائیں** ۔ **چند مثالیں :**

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے (ذوق)

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا (غالب)

ع بد گمانی کی کوئی حد بھی ہے اللہ غنی

ع تیرہ العظمۃ للہ یہ گھر کس کا ہے (امیر)

سبحان‌اللہ ! ان پھولوں کی عجب بہار ہے ۔ ایں ! یہ کیا ہوا ۔ اوہو ! تم آگئے ۔ ہائیں ! کیا سب چلے گئے ۔

(۵) انبساط کے اظہار کے لیے : آہا ، اہا ہا ہا ، اوہو ، اہوہو ، اہو ہو ہو ، واہ وا وغیرہ ۔ مکرر بھی بولتے ہیں ۔

کہوں کیا رنگ اس گل کا اہا ہا ہا ، اہا ہا ہا
ہوا رنگیں چمن سارا اہا ہا ہا ، اہا ہا ہا (ظفر)

ظفر تاثیر فخر دیں سے میرے کام کا عقدہ
کھلا ہے کیا بہ آسانی اہو ہو ہو، اہو ہو ہو (ظفر)

ع واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا (ذوق)

آ ہا ! آ گئے آپ ۔ اہا ہا ! ہوا چلنے لگی ۔ اہا ہا ہا ! ہوا چلنے کے ساتھ ساتھ گھٹائیں بھی چھانے لگیں ۔ اہو ہو ! بوندا باندی ہونے لگی ۔

(۶) تہنیت کے لیے : مبارک ، مبارک ہو ، مبارک باد ، سلامت ۔ مکرر بھی بولتے ہیں ۔

ع مبارک باد اسد غم خوار جان درد مند آیا (غالب)

علی الرّغمِ دشمن شہید وفا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت (غالب)

(۷) تحسین کے لیے : شاباش ، آفریں ، آفریں صد آفریں ، خوب ، بہت خوب ، واہ ، واہ وا ، واہ رے ، واہ رے واہ ، کیا کہنا ، سبحان اللہ ، چشم بد دور ، ما شاءاللہ ، مرحبا ، صلِ علیٰ ۔

چند مثالیں :

واہ وا شاباش لڑکے واہ وا
تو جواں مردوں سے بازی لے گیا

وہ کہے صل علیٰ یہ کہے سبحان اللہ
دیکھے سکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا (ذوق)

ع حسن آفریں آفریں مرحبا (میر حسن)

(۸) قدوم کے لیے : خیر مقدم ، نظم میں آتا ہے ۔

ع خیر مقدم کہ خراساں ہے تو اے بادشاہ

اہلاً و سہلاً بول چال میں ہے ۔

۱۷- حروف استفہام

ان حروف کا بیان پیشتر آچکا ہے ۔

باب ہفتم

عطف

لغت میں عطف کے معنی ہیں پھیرنا ، اصطلاح نحو میں عطف سے مراد ہے کسی کلمے یا کلام کا دوسرے کلمے یا کلام کی طرف پھیرنا ۔ دوسرے لفظوں میں دو یا زیادہ جملوں یا لفظوں کے ملانے کو عطف کہتے ہیں ۔ جن حروف سے یہ کام لیا جاتا ہے ، انھیں حرف عطف کہتے ہیں ۔ ان میں شرکت و جمعیت ظاہر کرنے والے حرف بھی شامل ہیں اور تردید ، استدراک ، استثنا ، شرط ، علت اور بیان کے حرف بھی ۔

عطف کی دو صورتیں

(۱) مفرد کا مفرد پر
(۲) جملے کا جملے پر

معطوف علیہ اور معطوف

جس پر عطف کیا جاتا ہے اسے معطوف علیہ کہتے ہیں ، جس کا عطف کرتے ہیں وہ معطوف کہلاتا ہے ۔ معطوف حرف عطف کے بعد آتا ہے اور معطوف علیہ پہلے ؛ مثلاً ، ع دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں ۔
اس میں دیدہ معطوف علیہ ہے اور دل معطوف ۔ عطف کی مناسبت یہ ہے کہ دیدہ اور دل دونوں مبتدا ہیں ۔ معطوف علیہ دیدہ اور معطوف دل مل کر دیدہ و دل مرکب عطفی ہوئے ۔ جملہ معطوفہ یا جملہ عاطفہ وہ جملہ ہے جس میں حرف عطف ہو ، مذکور یا محذوف ۔ منفرد الفاظ کی طرح ، جملۂ

عاطفہ میں بھی حرف عطف سے قبل کا جملہ معطوف علیہ اور بعد کا معطوف کہلائے گا ؛ مثلاً بیٹا گیا اور باپ آیا ۔ اس جملے میں بیٹا گیا معطوف علیہ ہے ، باپ آیا معطوف ہے ۔ دونوں مل کر جملۂ معطوفہ یا جملۂ عاطفہ ہوا ۔

عطف سے متعلق بعض ضروری تصریحات

خبریہ جملوں کا عطف خبریہ پر ، اور انشائیہ جملوں کا عطف انشائیہ پر ہوتا ہے ۔

مثلاً (۱) میں اٹھا اور خط لکھنے لگا ۔ (خبریہ کا خبریہ پر)

(۲) ادھر آؤ اور توجہ سے میری بات سنو ۔ (انشائیہ کا انشائیہ پر)

خبریہ کا عطف انشائیہ پر درست نہیں ۔ لیکن انشا خبر کے معنی میں ہو تو عطف درست ہے ؛ جیسے :

رونے کی ہے جا کہ آہ کریے
اور دل میں ترے اثر نہ ہووے (میر)

میر اور دوسرے قدما کے ہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جملۂ انشائیہ کا عطف خبریہ پر کیا گیا ؛ مثلاً :

شست و شو کا اس کے پانی جمع ہو کر مہ بنا
اور منہ دھونے کے چھینٹوں کے یہ تارے دیکھیے (میر)

لیکن حق یہ ہے کہ اصولاً یہ بھی درست نہیں ۔

ایک مرکب جملے کے ذیلی جملوں میں عطف اسی وقت لاتے ہیں جب کہ دوسرے جملے کو پہلے کے اعراب کا حکم لگانا اور پہلے کو دوسرے کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو ؛ مثلاً پہلا مبتدا کی خبر ہو اور دوسرے کو بھی اسی مبتدا کی خبر بنائیں ، یا پہلا صفت ہو اور دوسرے کو بھی صفت بنائیں ؛ یا پہلا حال ہو اور دوسرے کو بھی حال بنائیں ؛ یا پہلا مفعول ہو اور دوسرے کو بھی مفعول بنائیں ۔

مثال : "سوچو کل تم کس مقام پر تھے اور آج کس مقام پر ہو"
اس مثال میں خط جلی والے دونوں جملے 'سوچو' کے مفعول ہیں ۔

بعض لوگ بغیر کسی مناسبت کے ، عطف لے آتے ہیں ، مثلاً :

بینش جسے ہو اس کا ہی عالم میں راج ہے
اس کی مراد حاصل و روشن چراغ ہے

یہ عطف معیوب ہے ۔ مراد حاصل ہونے اور چراغ روشن ہونے میں کوئی مناسبت نہیں ، اور بغیر مناسبت کے عطف لانا معیوب ہے ۔

صرف جمعیت و شرکت مقصود ہو تو واو عطف (و) یا اور لاتے ہیں ۔ لیکن اگر ترتیب یعنی تقدیم و تاخیر مقصود ہو تو حرف عطف پھر لاتے ہیں ۔ مثلاً ماں آئی ، باپ آیا ، پھر بیٹا آیا ۔

یا حرف تردید جب دو انشائیہ جملوں کے درمیان واقع ہو تو ہرچند صورت میں منفصلہ ہوں ، لیکن پہلا جملہ بحال رہتا ہے اور حرف عطف کے حذف کر دینے پر دوسرا جملہ شرطیہ متصلہ بن جاتا ہے ۔ مثلاً :

یا تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

(مراد یہ ہے کہ یا تو مجھے تنگ نہ کر ، اگر تنگ کرتا ہے تو مجھے ایسا دہن اور ایسی کمر دکھا دے ۔)

حذفِ حرف عطف : حرف عطف کبھی مذکور نہیں کرتے مگر وہ مقدر ہوتا ہے اور اس سے حسن بیان پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثلاً :

سمٹا ، جما ، اڑا ، اِدھر آیا ، اُدھر گیا
چمکا ، پھرا ، جال دکھایا ، ٹھہر گیا (انیس)

اعداد کے درمیان میں سے بھی حرف عطف کا حذف ہی بہتر ہے ۔ انشا کا یہ شعر مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے :

ایک دو تین چار پانچ چھہ سات
آٹھ نو دس ہوئے، بس انشا ! بس !!

کبھی مختلف نوعیت کے دو حرف عطف ساتھ لاتے ہیں - **اور** (حرف عطف) وصل کے لیے ہے، یا (حرف عطف) تردید کے لیے- **اور** اور یا دونوں معناً یکجا نہیں ہو سکتے ، لیکن کبھی دونوں کو جمع کر دیا جاتا ہے ۔

مثلاً : منزل مقصود تک حسرت مجھے پہنچائے گی
اور یا اے دل مری قسمت مجھے پہنچائے گی　　(ظفر)

ایسی صورت میں **اور** زائد ہوتا ہے ۔

جب معطوف علیہ اور معطوف میں نہایت اتصال منظور ہوتا ہے تو بعض لفظ جو معطوف علیہ پر لگے ہوتے ہیں وہ دوبارہ معطوف پر نہیں لگاتے ، جیسے : عید ہر سال مبارک ہو تجھے عالم میں
باشکوہ و حشم و جاہ و بعمر و صحت　　(ذوق)

اصل میں یوں ہے با شکوہ و با حشم و با جاہ و بعمر و بصحت ۔ لیکن چونکہ ایک ہی نوعیت کے الفاظ میں نہایت اتصال منظور ہے ، اس لیے معطوفوں کے اوپر سے با کو الگ کر دیا ۔

مفرد معطوف و معطوف علیہ مل کر اگر کسی اسم واحد اس کی خبر ہوں تو فعل ناقص پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ، فعل ناقص 'ہے' مفرد آئے گا: مثلاً ، لڑکا محنتی **اور** ذہین ہے -

ذوالعقول ہونے کی صورت میں اسم کا عطف اسم پر یا فاعل کا فاعل پر ، یا مفعول قائم مقام فاعل کا مفعول قائم مقام فاعل پر ہو تو خبر اور فعل کو جمع لانا ضروری ہے ، مثلاً سلیم اور اس کا چھوٹا بھائی بہت شریر ہیں -

غیر ذوی العقول ہونے کی صورت میں فعل مفرد آتا ہے مگر فعل اور خبر کی تذکیر و تانیث بلحاظ معطوف کے[1] ہوگی۔ مثلاً چارپائی پر بچھونا اور لحاف رکھا ہے ۔ قمیص اور پاجامہ پہنا ۔ جوتا اور ٹوپی اتاری -

---

[1] - ایک سے زیادہ معطوف ہوں تو بلحاظ آخری معطوف کے جو فعل سے قریب تر ہو گا ۔

غیر ذوی العقول ہونے کی صورت میں بھی ، اگر معطوف علیہ و معطوف کے بعد (جو صورت مذکورہ بالا کی طرح جملے میں بطور اسم [مبتدا] ، فاعل یا مفعول قائم مقام فاعل آئے ہوں) لفظ **دونوں** یا **تینوں** یا اسی جیسا لفظ آئے اس سے جمعیت کی تاکید کا مفہوم نکلتا ہے——اور اس حالت میں فعل اور خبر دونوں کو جمع بولنا ضروری ہے ؛ مثلاً چارپائی پر بچھونا اور لحاف دونوں رکھے ہیں ۔ (یا دونوں چیزیں رکھی ہیں) ۔ جبّہ ، قبّہ ، کرتہ ، ٹوپی چاروں کو چور لے گئے (یہاں حرف عطف محذوف ہے) ۔

اگر جمعیت میں تذکیروتانیث کا اختلاف ہو یعنی معطوف علیہ مذکر اور معطوف مؤنث یا اس کے برعکس ، تو اس صورت میں معطوف (ایک سے زیادہ معطوف ہونے کی صورت میں آخری معطوف) کا لحاظ کیا جائے گا ؛ مثلاً میز پر دو قلم اور ایک کتاب رکھی ہے ۔ میز پر دو کتابیں اور ایک قلم رکھا ہے ۔ ایک کتاب اور چار قلم رکھے ہیں ۔

اگر عطف حرف تردید کے ذریعہ ہو تو دو صورتیں ہیں :

(۱) معطوف علیہ اور معطوف دونوں مفرد ہوں اور جنس میں مطابقت رکھتے ہوں توخبر یا فعل مفرد آئے گا، مثلاً لفافہ یا پوسٹ کارڈ آیا ۔ گھڑی یا کتاب گر گئی ۔

(۲) معطوف علیہ و معطوف کی جنس و عدد میں مطابقت نہ ہونے کی صورت میں معطوف (یا آخری معطوف) کے مطابق فعل آئے گا ، مثلاً کوئی عورت یا مرد آیا ۔ کوئی مرد یا عورت آئی ۔

فعل معطوف

فعل معطوف وہ فعل ہے جس کی حیثیت دوسرے فعل کے ساتھ عطفی ہوتی ہے ، یعنی اس فعل کے آخر میں کے یا کر لگا ہوتا ہے (جسے علامت اتصال کہتے ہیں) یہ علامت اپنے ماقبل فعل کو اپنے مابعد کے فعل

سے ملاتی ہے ۔ اسی وجہ سے پہلے فعل کو معطوف کہتے ہیں ؛ مثلاً وہ تھوڑی دیر سو کر اُٹھ بیٹھا (یعنی وہ تھوڑی دیر سویا اور اُٹھ بیٹھا) ۔

فعل معطوف امر کے آگے کر بڑھانے سے بنتا ہے ۔ یہ مسند الیہ اور مسند دونوں کی وضاحت کے لیے آتا ہے ، مثلاً وہ نہا کر سو گیا ۔ وہ کام پورا کر کے گیا ۔ وہ بھیک لے کر ٹلا ۔ میں کتاب پڑھ کر آیا ہوں ۔

فعل معطوف کلام میں دو طرح سے آتا ہے : ایک اس صورت میں کہ دونوں اجزائے فعل کے مفعول اور متعلقات جدا جدا ہوں ؛ مثلاً وہ کمرے سے نکل کر سیدھا بازار پہنچا ۔ ایسے جملوں میں فعل اول صادر ہونے کے بعد دوسرا فعل صادر ہوتا ہے ۔ ایسے افعال حقیقت میں دو جدا گانہ جملوں کی شان رکھتے ہیں ۔ بلکہ صاحب مصباح القواعد نے تو اس طرح کے جملے کی ترتیب کر کے اسے جملہ معطوفہ قرار دیا ہے ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اجزائے فعل کے مفعول اور متعلقات جدا جدا نہ ہوں ، مثلاً خالد نے بیٹھ کر کھانا کھایا ۔ صاحب مصباح القواعد کے نزدیک اس صورت میں فعل معطوف کے دو حصے کرنے اور اسے جملۂ معطوفہ قرار دینے کی ضرورت نہیں ۔ بیٹھ کر کھایا فعل ، خالد فاعل ، نے علامت فاعل ، کھانا مفعول — مل کر جملہ فعلیہ ہے ۔

واضح رہے کہ بعض اوقات فعل معطوف کی حیثیت عطفی نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق دوسرے فعل سے بطور تمیز کے ہوتا ہے ؛ چنانچہ مثال مذکورۂ بالا کا بھی یہی حال ہے ۔ ”وہ کھل کھلا کر ہنسا“ ”وہ لنگڑا کر چلا“ ”وہ چیخ کر بولا“ — یہ سب مثالیں فعل کی کیفیت ظاہر کرتی ہیں ، یہ نہیں کہ ایک فعل کے بعد دوسرا فعل واقع ہو رہا ہے یا بیک وقت دو افعال صادر ہو رہے ہیں ، ایسا نہیں ہے ۔

حرف اور کے بجائے کبھی جملے میں حالیہ معطوفہ کا استعمال زیادہ فصیح ہوتا ہے ، مثلاً ”اس نے اجازت لی اور واپس گیا۔“

اس جملے کی جگہ یوں کہنا زیادہ فصیح ہے ''وہ اجازت لے کر واپس گیا۔''

بعض ایسے الفاظ ہیں جو دو دو ساتھ آتے ہیں اور مل کر ایک مفہوم پیدا کرتے ہیں ، خواہ معنوں میں متضاد ہوں یا مترادف ۔ یہ اردو روزمرہ کے مطابق ہوتے ہیں ۔ ان کے درمیان کسی حرف عطف کا نہ لانا ہی فصیح ہے ، مثلاً کھیل کود ، دن رات ، برا بھلا ، اونچ نیچ ، کام کاج ، دوست دشمن ، اپنا پرایا ، لین دین ، اکھاڑ پچھاڑ ، مار کاٹ ، رونا پیٹنا ، پھٹا پرانا ، آج کل ، چھوٹا بڑا ، امیر غریب وغیرہ ۔

نوٹ —یہ اردو زبان کی خصوصیت ہے ؛ فارسی میں ایسے مقامات پر عموماً حرف عطف آتا ہے ۔ مثلاً نشیب و فراز ، اور روز و شب ، امروز و فردا ، وغیرہ وغیرہ ۔

معنوی اعتبار سے کلمات عطف کی قسمیں

معنوی اعتبار سے کلمات عطف کی آٹھ قسمیں ہیں : (۱) حروف عطف (۲) حروف تردید (۳) حرف اضراب (۴) حروف استدراک (۵) حروف استثنا (۶) حرف بیان (۷) حروف شرط و جزا (۸) حروف علت ۔ یہ سب حروف اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب کہ مفرد کلموں یا مرکب جملوں کو ایک حالت یا ایک حکم میں جمع کرنا ہو ۔اب ہر ایک کی جدا جدا تفصیل درج کی جاتی ہے ۔

۱۔ حروف عطف :

حروف عطف کی اصطلاح اپنے مفہوم میں وسعت بھی رکھتی ہے (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے) اور کلمات عطف کی ایک خاص قسم کے لیے بھی مستعمل ہے یعنی اس سے خاص جمعیت و شرکت یا وصل ظاہر کرنے والے حروف بھی مراد ہوتے ہیں ۔ اس لحاظ سے حروف عطف یہ آتے ہیں——— اور ، و ، کر ، کے ، پھر ۔

اور

یہ ہندی حرف عطف ہے ۔ مرکب جملوں میں اور مفرد کلموں میں بہت عام ہے ۔ مفرد کلموں میں تو فارسی حرف عطف و بھی آتا ہے

لیکن مرکب جملوں میں تو صرف اسی کا رواج ہے اور فارسی عطف لانا غلط ہے ۔

(یہ لفظ اصل میں اپ بھرنش کا ہے ۔ اور اس کا تلفظ اَوَرْ ہے ، خبر کے وزن پر ۔ اب اس کی چھوٹی شکل اُر (تلفظ کے لحاظ سے) کو بعض حضرات شعر میں نظم کرنا معیوب سمجھتے ہیں ۔ گو کہ شعر میں یہ شکل بہت رائج ہے ۔ جیسے :-

تاب لاتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اورجان عزیز

صاحب کیفیہ کے خیال میں اس شکل کا جواز خود اس کی قدیم اپ بھرنش شکل میں موجود ہے) ۔

اور کے استعمالات یہ ہیں :

(الف) دو مختلف کاموں کے لگاتار ہونے کے اظہار کے لیے ، مثلاً : عزیزم! تم روئے اور میں نے تمھاری مرمت کی۔ تم گئے اور میں آیا ۔(ان جملوں میں ماضی سے مستقبل کے معنی نکلتے ہیں) ۔

(ب) ڈرانے دھمکانے کے معنی لینے کے لیے : مثلاً بس اب تم ہو اور میں ہوں ۔

(ج) بے تعلقی کے اظہار کے لیے : مثلاً تم جانو اور وہ جانے ۔

(د) لزوم کے لیے : مثلاً تیرا دامن ہے اور میرا ہاتھ ۔ اب میں ہوں اور تیرا در ۔ (یعنی ایسا تعلق ہے کہ جس میں جدائی یا علیحدگی ممکن نہیں) ۔ بعض اوقات نیز بھی اور کے معنوں میں آتا ہے ، مثلاً اس کا سارا دیوان غزلیات نیز مجموعۂ مثنویات و قصائد اس قسم کے عیوب سے پاک ہے ۔

و :

جب معطوف اور معطوف علیہ فارسی یا عربی زبان کے کلمے ہوں تو فارسی حرف عطف و کا استعمال جائز ہے ۔ ایک ہندی زبان کا ہو اور دوسرا فارسی کا ، تو فارسی کا واؤ جائز نہیں ؛ مثلاً رنگ و روغن جائز

ہے ، رنگ و روپ جائز نہیں (رنگ اور روپ کہنا چاہیے ، یا دونوں ملا کر ایک مدعا کے لانے کی صورت میں حذف حرف عطف کے ساتھ رنگ روپ کہنا درست ہے) ۔

مؤلف کیفیہ نے اس اصول کو غلط ٹھہرانے میں بہت کوشش کی ہے اور بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں اس اصول کو نہیں برتا گیا ہے ، بلکہ و کو فارسی کا واؤ عطف کے بجائے پراکرت کا واؤ لکھ کر بھی جواز پیدا کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ اصول درست ہے۔ مؤلف کیفیہ معترض ہیں کہ حسرت موہانی نے نکات سخن میں اپنے ہی اس شعر کو غلط استعمال کی مثال میں کیوں پیش کیا ہے :

حشر و پشتارۂ ثواب کا بار
میں کہاں اور یہ عذاب کہاں

ان کا اعتراض یوں ہے : ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ حسرت صاحب نے یہ اپنا شعر کیوں لکھ دیا ۔ یہ تو کسی کھینچ تان سے بھی ان کے قرار دیے ہوئے نقص کی مثال نہیں بن سکتا ، کیونکہ اول مصرع کی نثر بھی وہی رہے گی جو اس کی اس وقت صورت ہے۔'' (کیفیہ طبع دوم : ص ۱۵۸)

ہمارے خیال میں مؤلف کیفیہ کا اعتراض درست نہیں ۔ مصرع اول میں واؤ عاطفہ نہایت اتصال کی علامت بن کر 'حشر' اور 'پشتارۂ ثواب' دونوں کو مضاف 'بار' کا مضاف الیہ بنا رہی ہے یعنی شاعر کے منشا کے خلاف از روے قواعد یہ مفہوم نکل رہا ہے کہ 'حشر کا بار' اور 'پشتارۂ ثواب' کا 'بار'——اسی طرح مؤلف کیفیہ کے دیگر اعتراضات میں بھی وزن نہیں ۔

کر ، کے

یہ دونوں کلمے عطف کے لیے صیغہ امر واحد حاضر کے بعد آتے ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ برتے جاتے ہیں ، اور ایسے موقع پر بولے جاتے ہیں جہاں ایک فعل کی تکمیل کے بعد ، دوسرے فعل کے عمل میں لانے کا اظہار مقصود ہو ۔ مثالیں فعل معطوفہ کے ذیل میں پیش کی جاچکی ہیں ۔

امر ''کر'' کے ساتھ علامت کر لانا اب فصیح نہیں سمجھا جاتا ،

'کے' لاتے ہیں ، یعنی کر کر غیر فصیح ، کر کے فصیح ہے (سرسید کے زمانے تک کرکر کا استعمال عام تھا ، مگر اب متروک ہے) ۔

پھر :-

یہ علامت عطف کام کرنے کی ترتیب ظاہر کرتی ہے ، مثلاً پہلے منہ دھویا ، پھر کھانا کھایا ، پھر کچھ دیر آرام کیا ۔

نوٹ :- کر ، کے ، پھر——— ان علامات کے استعمال سے ایک فعل کی تکمیل کے بعد دوسرے فعل کا واقع ہونا تو ظاہر ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ وقوع فعل اتصال کے ساتھ ہو ، دونوں افعال کے زمانے میں فصل بھی ہو سکتا ہے ۔

۲- حروف تردید :-

یہ ایسے کلمے ہیں جن سے کلام میں تردد پیدا کرنے کا مفہوم نکلتا ہے - وہ کلمے یہ ہیں——— یا ، کہ یا تو ، خواہ ، چاہے ، چاہو ۔

یا ، کہ

یہ دونوں کلمے ابتدائے کلام پر نہیں آتے ، نیز ایک دوسرے کی جگہ بولے جاتے ہیں ، مثلاً وہ اچھا ہے یا برا ۔ وہ اچھا ہے کہ برا ۔

یہ کلمے اکثر دو چیزوں کے اجتماع کو روکنے اور دو میں سے ایک کی تعیین کے لیے آتے ہیں ، مثلاً یہ لو یا یہ ۔

یا کبھی اس غرض سے بھی آتا ہے کہ دو کے علاوہ تیسرا وہاں نہیں مثلاً میں ہوں یا خدا ۔ یعنی سوا میرے اور خدا کے تیسرا کوئی نہیں ہے۔ یا شک کے مقام پر بھی آتا ہے ، مثلاً دیکھیے اب کے فصل اچھی ہو یا نہ ہو ۔

یا تو :

یہ کلمہ جملے کی ابتدا یا اسم و ضمیر کے بعد ، جب کہ اسم یا ضمیر حالت مفعولی میں ہو ، آتا ہے ، اور اس کے جواب میں صرف کلمہ یا لاتے ہیں ، مثلاً یا تو آپ ہی خاموشی اختیار کیجیے یا اجازت دیجیے کہ میں چلا جاؤں ۔

یا تو پاس دوستی تجھ کو بت بے باک ہو
یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو (ذوق)

اس گلی میں صبا کو بھیجا ہے
یا تو آتی ہے یا نہیں آتی (داغ)

خواہ ، چاہے ، چاہو:

یہ حروف دو جملوں پر آتے ہیں اور پہلے جملے پر یا تو ابتدا انھی حروف سے ہوتی ہے یا اسم (یا ضمیر) کے بعد یہ آتے ہیں ۔ نیز پہلے جملے کا فعل مثبت اور دوسرے کا منفی ہوتا ہے ، مثلاً تم خواہ سنو ، خواہ نہ سنو ، چاہے تم سنو ، چاہے نہ سنو ۔ چاہو سنو ، چاہو نہ سنو ۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ پہلے جملے کی ابتدا میں ، خواہ ، چاہے ، چاہو میں سے کوئی کلمہ آتا ہے اور دوسرے جملے میں یا ، جیسے خواہ سنو یا نہ سنو ۔ چاہے سنو یا نہ سنو ۔

ان کلمات کا حذف بھی جائز ہے ، مثلاً

ع مانو نہ مانو ، آگے تمھیں اختیار ہے ۔

خواہ ، چاہے ، چاہو مساوات کے لیے بغیر فعل بھی آسکتے ہیں ، مثلاً خواہ یہ لو خواہ وہ لو ۔ چاہے کافی پیو چاہے چائے پیو ۔

۳۔ حرف اضراب

یہ ایسا حرف ہے جس کے ذریعہ سے اعلیٰ کو ادنیٰ اور ادنیٰ کو اعلیٰ ظاہر کیا جاتا ہے ۔ یہ کلمہ بلکہ ہے ، مثلاً وہ دراز قد نہیں ، بلکہ پستہ قد ہے

کبھی ایک چیز کی نفی کر کے دوسری چیز کا اثبات کرنے کے لیے بھی یہ حرف لاتے ہیں ، مثلاً سونا نہیں بلکہ پیتل ہے ۔

حرف اضراب کا حذف بھی کیا جاتا ہے ، مثلاً وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے (یہاں بلکہ مقدّر ہے) ۔

نظم میں بلکہ کی جگہ کبھی کہ بھی آتا ہے مثلاً :

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا
کہ ارکان دیں بھی اسی پر ہیں برپا (حالی)

کبھی ظاہر کردہ صفت کے علاوہ اور صفت یا صفات زائدہ کو حرف اضراب کے ساتھ بیان کرتے ہیں ، مثلاً وہ حافظ و قاری ہی نہیں بلکہ عالم بھی ہے ۔

۴ ۔ حروف استدراک

یہ ایسے کلمے ہیں جو پہلے جملے کے ابہام کو رفع کرنے کے لیے دوسرے جملے پر لاتے ہیں ۔ وہ حروف یہ ہیں : مگر، لیکن ، البتہ ، اگرچہ ، بلکہ ، گو ، پر ، پہ ، سو ۔

مثالیں :

(۱) سب اپنی کہہ رہے ہیں مگر دوسرے کی کوئی نہیں سنتا ۔

(۲) قیمت تو اس کی زیادہ ہے لیکن چیز اچھی ہے ۔

(۳) تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے (غالب)

(۴) آہ طول امل ہے روز افزوں
گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا (مومن)

(۵) آپ سے تو مجھے کچھ کام نہیں البتہ آپ کے بھائی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں ۔

(۶) دوا سے اس کی صحت اچھی تو کیا ہوتی بلکہ وہ اور کمزور ہو گیا ۔

(۷) ع سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے (غالب)

(۸) جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی (غالب)

(۹) ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے (غالب)

(۱۰) چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا (مومن)

مؤلف مصباح القواعد نے "مگر ہاں" کو بھی استدراک کا کلمہ بتایا ہے مگر یہ درست نہیں - استدراک کے لیے مگر ہے اور ہاں نہیں یا تاکید کے لیے ہے - ہاں استدراک کے لیے مگر کے ساتھ نہیں آتا۔

۵ - حروف استثناء

یہ ایسے حروف ہیں جن سے چند چیزوں یا شخصوں کو جدا کیا جائے - جو چیزیں جدا کی جائیں انھیں مستثنٰی اور جن سے جدا کی جائیں انھیں مستثنٰی منہ کہتے ہیں -

استثناء کے حروف یہ ہیں : **مگر ، الا ، لیکن ، بجز ، باستثنا -**

مثالیں :

(۱) اور سب کتابیں پڑھ لیں مگر ایک رہ گئی -

(۲) نماز ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے ، الا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو -

(۳) سارے چور بھاگ گئے لیکن ایک پکڑا گیا -

(۴) بجز ایک کے ، سارے طالب علم حاضر ہیں -

(۵) باستثنائے چند ، سب علمائے عصر اس مسئلے پر متفق ہیں -

استثنا کی دو قسمیں ہیں : ایک استثنائے منقطع جس میں مستثنٰی اور مستثنٰی منہ ایک ہی جنس سے نہ ہوں ، مثلاً نوکر کو آپ ساتھ لے جائیں مگر کتابیں نہ لے جائیں - دوسرے استثنائے متصل جس میں مستثنٰی اور مستثنٰی منہ ایک ہی جنس سے متعلق ہوں ؛ مثلاً بجز ایک طالب علم کے ، سارے طالب علم کامیاب ہو گئے -

واضح رہے کہ ہر دو قسموں کے لیے کلمات استثنا ایک ہی ہیں -

۶ ۔ حرف بیان

یہ فارسی حرف کہ ہے جسے کاف بیانیہ بھی کہتے ہیں ۔ اس کا کام یہ ہے کہ دوسرے جملے کی ابتدا میں آ کر اپنے سے پہلے جملے کی وضاحت کرتا ہے ۔ پہلے جملے کو مبیّن اور دوسرے کو جس کی ابتدا میں یہ حرف آتا ہے **بیان** کہتے ہیں ۔

مثالیں :

اس نے کہا کہ میں کل آؤں گا ۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے ڈر جاؤں گا ؟

۷ ۔ حروف شرط و جزا

کسی ایک بات کو دوسری بات پر منحصر کرنے کے لیے یہ **حروف** استعمال کیے جاتے ہیں ۔

جس بات پر حصر کیا جائے ، اس پر لائے جانے والے حروف شرط ، اور جس بات کو دوسری بات پر منحصر کیا جائے ، اس پر لائے جانے والے حروف ، جزا کہلاتے ہیں ، مثلاً اگر تم محنت کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے ۔

اس جملے میں اگر حرف شرط ہے اور تو حرف جزا ۔ پہلا جملہ ، جس کی ابتدا میں حرف شرط ہے ، موقوف علیہ کہلاتا ہے ، اور دوسرا جملہ جس کی ابتدا میں حرف جزا آتا ہے موقوف کہلاتا ہے ۔

حروف شرط یہ ہیں ـــــــ جو ، جب ، چونکہ ، تاوقتیکہ ، باوجودیکہ ، اگرچہ ، ہرچند ، گو ، گوکہ ، کیوں نہ ، نہیں تو ، ورنہ ، وگرنہ[1] ، باآنکہ ، جونہی ، اگر ، گر ، بسکہ ، ازبسکہ ۔

حروف جزا یہ ہیں ـــــــ مگر ، لیکن ، الاّ ، تاہم ، اس لیے ، اسی لیے ، اس واسطے ، اسی واسطے ، تب ، سو ، پر ، لہٰذا ، کہ ، پھر بھی ، تو ۔

۱ ۔ کلمات نہیں تو ، ورنہ ، وگرنہ نفی کے معنی شرط میں پیدا کرتے ہیں اور جزا میں شرط کے خلاف مضمون آتا ہے ۔

طریق استعمال

(۱) جو ، سو حرف شرط جو کی جزا میں سو آتا ہے ، مثلاً جو ڈھونڈے گا سو پائے گا - داغ کا شعر ہے :

ہم اپنے دل کے ہاتھوں سورد صد رنج و راحت ہیں
یہ سب حضرت کی خوبی ہے جو یہ کچھ ہیں سو حضرت ہیں

کبھی جو اگر کے معنی دیتا ہے ، جیسے جو تم نے دخل دیا تو اچھا نہ ہو گا - ذوق کے اس شعر میں جو اگر کے معنوں میں ہے :

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

کبھی حرف شرط جو اگر ملا کر لاتے ہیں ؛ مثلاً :

خادم شہ دیں کے ہیں تو عباسِ علی ہیں
اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

اس مثال میں جو اگر میں سے ایک حرف شرط اصلی ہے دوسرا صرف حسنِ کلام کے لیے ہے -

کبھی جو ——— جب کی جگہ آتا ہے ؛ جیسے جو وہ بولنے لگے تو پھر مسلسل بولتا ہی چلا جاتا ہے -

(۲) جب ، تب : کلمہ جب کی جزا میں 'تب' آتا ہے ؛ مثلاً جب میں کہوں تب یہ کام شروع کرنا -

جب ، کبھی جس وقت کے معنی میں بھی آتا ہے ، مثلاً جب تم خط لکھ چکو گے تب میں کچھ کہوں گا -

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

(۳) **چونکہ ، اس لیے** : حرف شرط چونکہ اس کے جواب میں اس لیے آتا ہے ، نیز اسی لیے ، اس واسطے ، اسی واسطے ، لہٰذا بھی چونکہ کے جواب میں لاتے ہیں ؛ مثلاً چونکہ آپ نے تاکید کے ساتھ بلایا تھا اس لیے میں فوراً چلا آیا ۔ چونکہ تم نے دوا پینے کے ساتھ پرہیز نہیں کیا لہٰذا مرض میں کوئی کمی نہیں ہوئی ۔ چونکہ آپ مقرر وقت پر تشریف نہیں لائے اس واسطے میں نے مزید انتظار نہیں کیا ۔

جب زور دینا مقصود ہو تو اس لیے کی جگہ **اسی لیے** اور **اس واسطے** کی جگہ **اسی واسطے** کہتے ہیں ۔

(۴) **اگرچہ ، لیکن** : اگرچہ کے جواب میں **لیکن** لاتے ہیں ، نیز مگر ، تاہم ، **پھر بھی** ، پر بھی بولے جاتے ہیں ۔

مثالیں :

———— اگرچہ وقت تنگ تھا لیکن میں نے کام پورا کر ہی لیا ۔
اگرچہ شادی کا دعوت نامہ ابھی تک نہیں ملا ہے مگر شرکت کا ارادہ ہے ۔
اگرچہ کام مشکل ہے تاہم کوشش ضرور کرنی چاہیے ۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا سکا سر نہ کھو سکا (سودا)

(اس مثال میں حرف جزا لیکن محذوف ہے)

(۵) **ہرچند ، لیکن** : ہرچند کی جزا میں بھی وہی کلمات آتے ہیں ، جو اگرچہ کی جزا میں آتے ہیں ۔

(۶) **گو ، لیکن** : گو کی جزا میں بھی لیکن ، تا ہم ، پھر بھی ، مگر ، پر لائے جاتے ہیں ۔

(۷) **تاوقتیکہ ، جونہی** : ان کلمات شرط کی جزا میں کسی کلمے کی ضرورت نہیں ؛ مثلاً تاوقتیکہ ضروری کاموں سے فارغ نہ ہو لوں تمھارے ساتھ نہیں چل سکتا ۔ جونہی دروازہ کھلا میں اندر داخل ہو گیا ۔

نوٹ :- جونہی کی جزا کے طور پر توں ہی پہلے بولا جاتا تھا مگر اب متروک ہے ۔

(۸) باوجودیکہ ، لیکن : باوجودیکہ کی جزا کے طور پر لیکن آتا ہے اور اس کے علاوہ مگر ، پھر بھی بھی آتے ہیں ؛ مثلاً باوجودیکہ مجھے تنگ کیا گیا ہے لیکن میں کسی کو نہیں ستانا چاہتا۔ باوجودیکہ وقت کم ہے تاہم کوشش کر دیکھو ۔ باوجودیکہ کام مشکل تھا پھر بھی خدا کے فضل سے پورا ہو گیا ۔

(۹) اگر ، تو : حرف شرط اگر کی جزا میں تو آتا ہے ؛ مثلاً :

رہی نہ طاقت گفتار ، اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے (غالب)

اگر کی جگہ گر بھی نظم میں آ جاتا ہے ؛ مثلاً :

ع پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے (غالب)

(اس مثال میں حرف جزا تو محذوف ہے ۔ نثر یوں ہو گی : اگر پیالہ نہیں دیتا تو نہ دے ، شراب تو دے ۔)

(۱۰) کیوں نہ ، لیکن : کیوں نہ بھی شرط کے معنوں میں آتا ہے اور اس کی جزا میں لیکن لاتے ہیں ۔ نیز پر ، مگر ، پھر بھی ، تاہم بھی لاتے ہیں ۔

مثالیں :

———تکلیف ہی کیوں نہ ہو لیکن میں یہ کام ضرور کروں گا ۔
کتنا ہی کیوں نہ ٹوکو ، پھر بھی یہ بچہ شرارت سے باز نہیں آتا ۔

(۱۱) نہیں تو ، ورنہ ، وگرنہ : یہ ایسے کلمات شرط ہیں جو فعل ماسبق کی نفی کے ساتھ فعل لاحق کا اثبات کرتے ہیں اور جملے میں شرط کا مفہوم پیدا کرتے ہیں ؛ مثلاً محنت کرو نہیں تو پچھتاؤ گے(یعنی اگر محنت نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے) ۔

پڑھو ورنہ فیل ہو جاؤ گے (یعنی اگر نہیں پڑھو گے تو فیل ہو جاؤ گے) ۔

لکھو اور لکھتے رہو و گرنہ تصنیف و تالیف کی صلاحیت ضائع ہو جائے گی ۔ (یعنی اگر مسلسل لکھتے نہیں رہو گے تو تصنیف و تالیف کی صلاحیت ضائع ہو جائے گی) ۔

(۱۲) اور کا ایک مخصوص استعمال

کبھی شرط و جزا کے کلمات حذف کرکے دونوں جملوں کے مابین اور کا کلمہ لاتے ہیں جو شرط کے ساتھ فوراً یا معاً کا مفہوم بھی ظاہر کرتا ہے ؛ مثلاً ہنسے اور پھنسے ۔ تم وہاں گئے اور پکڑے گئے ۔ (یعنی تم ہنسو تو فوراً پھنسو ۔ اگر تم وہاں جاؤ گے تو فوراً پکڑے جاؤ گے) ۔

نوٹ :۔ اس مثال میں ماضی کا صیغہ بمعنی مستقبل آیا ہے ۔

(۱۳) شرط و جزا کا ایک مخصوص استعمال :

کبھی شرط کا کلمہ لا کر یقینی امر کو مشتبہ طریق پر ظاہر کرتے ہیں ؛ مثلاً اگر خدا ہے تو میری ضرور سنے گا ؛ مراد یہ کہ خدا میری ضرور سنے گا ۔

حروف شرط و جزا کا حذف :۔

کبھی کلام میں سے حروف شرط ، کبھی حروف جزا ، اور کبھی دونوں حذف کر دیے جاتے ہیں ۔ معناً وہ مقدّر ہوتے ہیں ۔

(۱) حرف شرط کا حذف مثلاً

ع کوئی سنے تو سناؤں کوئی کہے تو کہوں

(رئیس امروہوی)

(۲) حرف جزا کا حذف مثلاً

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کو دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی (غالب)

(۳) **حرف شرط و حرف جزا دونوں کا حذف :** مثلاً پڑھنا ہے ، پڑھو - نہیں پڑھنا ، نہ پڑھو -

جب جزا شرط پر مقدم ہو تو کلمہ جزا نہیں لاتے ؛ مثلاً :

ع نہ سنو گر بُرا کہے کوئی (غالب)

(اس مصرع کی نثر بھی یوں ہی رہے گی)

کبھی جزا کو مقدم اس لیے لاتے ہیں کہ نحو کے عام قاعدے کے مطابق مقدّم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدّم کرنے سے حصر و تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے ؛ مثلاً اس جملے ''جب وہ آ جائے تب تم جانا'' میں اگر جزا کو مقدم کر کے یوں کہیں ''تم تب جانا جب وہ آ جائے'' تو حصر و تاکید کا مفہوم نکلتا ہے -

۸ - حروف علّت :

یہ ایسے حروف ہیں جو سبب اور علت ظاہر کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں :-

کیوں کہ ، اس لیے کہ ، اس واسطے کہ ، تاکہ ، کہ ، لہٰذا -

ان میں کہ اور لہٰذا سے قطع نظر ، باقی سب کے آخر میں کاف بیانیہ موجود ہے ، خواہ کاف بیانیہ متصل آئے یا فصل کے ساتھ مگر آنا ضرور ہے - مثالیں یہ ہیں :

(۱) **کیوں کہ :** ''اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہو کیوں کہ اتفاق و اتحاد میں برکت ہے'' -

(۲) **اس لیے کہ :** ''اس کی بات مانو اس لیے کہ وہ تمہارا خیر خواہ ہے'' - ''اس کی بات اس لیے مانو کہ وہ تمہارا خیرخواہ ہے''-

(۳) **اس واسطے کہ :** ''خدمت خلق کرو اس واسطے کہ خدا اس سے خوش ہوتا ہے''- بندوں کے حقوق اس واسطے ادا کرنے ضروری ہیں کہ خدا کی رضا حاصل ہو''-

(۴) تا کہ : ''پہلے سے مطلع کر کے آیے تاکہ میزبان کو تکلیف نہ ہو''۔

شعر میں تا کہ کی جگہ تا بھی آتا ہے (لیکن نثر میں نہیں آتا) ؛ مثلاً :

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو (غالب)

(۵) کہ : ''بُری صحبت سے بچو کہ اس میں رسوائی ہے''۔

(۶) لہٰذا : ''بے سوچے سمجھے قدم اٹھانے میں نقصان ہے ، لہٰذا بے سوچے سمجھے قدم نہ اٹھاؤ'' ۔ ''مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا لہٰذا رخصت کی اجازت چاہتا ہوں ۔''

باب ہشتم

املا اور علامات۔ وقف

املا

املا‌ دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے۔ اور جو طریقہ ان حرفوں کے لکھنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، وہ رسم خط کہلاتا ہے۔ لیکن ان دونوں کی حدیں چونکہ قریب قریب ہیں، اس لیے ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنے کو املا کہا ہے اور تقریباً یہی مفہوم انشاء اللہ خاں انشا اور غالب کے یہاں پایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کے لیے صحیح املا کے قواعد ضروری ہیں۔ لیکن یہ جس قدر ضروری ہیں اردو داں طبقے میں اتنی ہی ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک شخص جس طرح سے لکھ دیتا ہے، وہ دوسروں کے لیے سند بن جاتا ہے۔ اور جہاں کتابوں یا اخباروں میں اس کی تکرار ہوئی وہ مقبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے محققین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زبان کی یک رنگی اور یکسانی کو قائم رکھنے کے لیے صحیح بنیادوں پر املا کے اصول قائم کریں تا کہ بے ضابطگی بھی پیدا نہ ہو، اور ہر شخص آسانی سے اپنی زبان لکھ پڑھ سکے۔

املا کے قاعدے منضبط کرنے کے سلسلے میں علماء و فضلاء کی طرف سے عہد بہ عہد جو کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان میں خان آرزو، انشاء اور غالب کی تصریحات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ہمارے اپنے عہد کے فضلاء میں مولانا احسن مارہروی اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے گراں قدر کام کیا ہے۔

خان آرزو کی تصریحات:

خان آرزو غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے دخیل الفاظ کے تلفظ اور املا کے متعلق یہ رائے دی ہے کہ وہی صورت اختیار کی جائے جو

اہلِ زبان میں رواج پذیر ہو چکی ہو۔ اور ایسے لفظوں کے لیے اصلی زبان کی پیروی کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمانِ عالم گیری پر خان آرزو کا محاکمہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ عالم گیر کے عہد میں فضائل خاں کے عرض کرنے پر کہ ہندی رسم الخط میں اسم و کلمہ کے آخر میں ہ نہیں آیا کرتی، بلکہ الف ہوتا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے۔ عالم گیر نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دے دیا کہ آئندہ ایسے کلمے الف کے ساتھ لکھے جائیں۔ یعنی **مالوہ** کو **مالوا**، بنگالہ کو **بنگالا** ۔۔۔ اس فرمان کی تعمیل نہ صرف شاہی دفاتر اور ٹکسالوں میں ہوئی بلکہ اُردوخواں لوگوں نے بھی یہی املا اختیار کر لیا۔ خان آرزو نے اس عالم گیری فرمان پر محاکمہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

> ''بداں کہ ایں قسم لفظ کہ آخر آں ہائے مختفی بود، فارسیاں آں را بہائے مختفی تلفظ کنند و ہندیاں با الف مثلاً بنگالا و مالوا و روپیا کہ زرِ رائج ہندوستان ست آنہا بنگالہ و مالوہ و روپیہ گویند و نویسند چنانچہ از کلام اساتذہ و محاورۂ اہلِ زبان بہ ثبوت رسید۔ پس در ہندی ایں قسم الفاظ را بہ ہائے مختفی خواندن غلط باشد و در فارسی بہ الف، و آنچہ در عہد عالم گیری ایں قاعدہ برہم خوردہ بود و در دفاتر بنگالہ و مالوہ وغیرہا بہ الف می نوشتند محض غلط و منشاء آں غفلت از تحقیق است''۔

(رسالہ اُردو جنوری ۱۹۵۱ء ص ۳۰)

(بات صرف یہ ہے کہ بعض شعرا نے ایسے الفاظ کا قافیہ ہائے مختتمہ والے الفاظ کے ساتھ باندھا ہے، اس لیے خانِ آرزو نے یہ حکم لگایا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہندی الفاظ جو الف پر ختم ہوتے ہیں، محض عربی اور فارسی کی تقلید میں ہائے مختفی سے لکھے گئے تھے۔ اب **روپیا** کے بجائے **روپیہ** ہی سکہ رائج الوقت ہے۔)

انشا کی تصریحات :

(۱) انشا نے ''دریائے لطافت'' میں املا کے لیے اصول پیش کیے ہیں۔

انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کیجیے ، لیجیے وغیرہ پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے ۔ اور حقیقت بھی ہے کہ ہمزہ اور ے کا تلفظ ''اے'' ہوتا ہے ، یے نہیں ہوتا[۱] ۔

(۲) انشا کا دوسرا اصول یہ ہے کہ ترکی کی تقلید میں حرکات بالحروف کا استعمال اُردو لفظوں میں درست نہیں ۔ ایدھر ، اودھر ، اوس صحیح نہیں ؛ اِدھر اُدھر ، اُس لکھنا چاہیے[۲] ۔

(۳) انشا کا تیسرا اصول یہ ہے کہ جن ضمائر کے بعد ہی مستعمل ہوتا ہے ، وہاں ہی کو مستقل جزو کے بجائے ادغام کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''انھیں سے'' اصل میں ''اُن ہی سے'' ہے ۔ لیکن اب نقل کا استعمال اصل سے بہتر سمجھا جاتا ہے[۳] ۔

(۴) چوتھی چیز انشا کے نزدیک یہ ہے کہ ''جس لفظ کے آخر میں الف (ا ہ) ہو اور اُس کے بعد حروف جارہ ، فاعلیت ، مفعولیت اور اضافت کی حالت میں آئیں تو وہ الف (ا ہ) یے سے بدل جائے گا اور یہ تبدیلی دراصل تغیرات میں داخل نہیں[۴] ہے ۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ہم ''ایک لڑکا نے'' کے بجائے ''ایک لڑکے نے'' تو لکھتے ہیں ، لیکن ''اس معاملے میں'' کے بجائے ''اس معاملہ میں'' لکھنے پر اصرار کرتے ہیں ۔

(۵) پانچویں چیز انشا کے یہاں (مفرد اور جمع کے بیان میں) یہ ہے کہ اُردو الفاظ کے آخر میں ہ کے بجائے الف ہی ہونا چاہیے ۔ مثلاً پیڑا ، کیلا ، اندرسا ، کھیرا ، چیتا ، پپیہا وغیرہ کو وہ الف سے لکھتے ہیں[۵] ۔ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ عالم گیر

۱۔ دریائے لطافت (انجمن ترقی اُردو ، ص ۲۰۰ ، ۲۰۱) ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۲۲۷ ، ۲۲۹ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۳۰۹ ۔
۴۔ ایضاً ، ص ۳۰۹ ۔
۵۔ ایضاً ، ص ۲۳۹ ۔

نے فضائل خاں کی تجویز پر حکم جاری کیا تھا۔ پھر اسی پر خان آرزو کا محاکمہ بھی آ چکا ہے۔

غالب کی تصریحات :

غالب کے بعض اصول یہ تھے :

(۱) وہ ذ کو عربی حرف سمجھتے تھے اس لیے فارسی لفظوں (اور ہندی لفظوں) میں (ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، بھی) استعمال نہیں کرتے تھے۔ لیکن ذال کو غالب نے معلوم نہیں کس وجہ سے فارسی لفظوں سے خارج کیا جب کہ وہ آذر (آتش) اور کاغذ میں لکھا جاتا ہے۔ اس حرف کے متعلق صحیح تحقیق ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں : "گذشتن، گذاشتن، پذیرفتن، یہ سب ذال سے ہیں، البتہ گزاردن زے سے صحیح ہے"۔

(۲) اورنگ زیب اور انشا کی طرح غالب کا بھی یہ اصول تھا، اور یہ صحیح تھا کہ جن لفظوں کی اصل فارسی یا عربی نہیں ہے ان میں مختفی ہ نہیں آ سکتی۔

(۳) تیسری چیز غالب نے یہ قائم کی کہ فارسی کے لفظ بھی جب اردو محاورے میں آئیں تو ان کو الف سے لکھنا چاہیے۔ جیسے "اور مزا یہ کہ......" لیکن مزۂ طعام وغیرہ موقعوں پر وہ بے شک مختفی 'ہ' لکھتے تھے۔

(۴) چوتھی چیز جس پر غالب بہت زور دیتے تھے، وہ یائے تحتانی کے متعلق ہے۔ مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں : "یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے :

(الف) جزو کلمہ : ع ہمائے بر سر مرغاں ازاں شرف دارد۔ اور ع اے سر نامہ نام تو عقل گرہ کشائے را، یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے۔ اس پر ہمزہ لکھنا عقل کو گالی دینا ہے۔

(۲) دوسری یائے تحتانی مضاف ہے۔ صرف اضافت کا کسرہ ہے ۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے ، جیسے آسیائے چرغ یا آشنائے قدیم ۔ توصیفی ، اضافی ، بیانی ، کسی طرح کا کسرہ ہو ، ہمزہ نہیں چاہتا ۔ فدائے تو شوم ، رہنمائے تو شوم ، یہ بھی اسی قبیل سے ہے ۔

(۳) تیسری دو طرح پر ہے ، یائے **مصدری** ، اور وہ معروف ہو گی ۔ دو طرح **توحید و تنکیر** ، وہ مجہول ہو گی ۔ مصدری جیسے آشنائی ، یہاں ہمزہ ضرور ، بلکہ نہ لکھنا عقل کا قصور۔ توحیدی — آشنائے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا ۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے دانا نہ کہاؤ گے ...... خستہ ، بستہ ، غازہ ، خانہ وغیرہ ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں ۔ زرہ، گرہ ، کلاہ ، شاہ ، ایسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے تو زرہی ، گرہی ، کلاہی ، شاہی لکھ دیتے ہیں''۔

(اردوے معلیٰ ص ۳۷۳ ، ۳۷۴)

شبہہ اور جبہہ کو دو ہ کے ساتھ لکھتے تھے (خطوط غالب مہیش پرشاد نمبر ۹) اور یہی صحیح بھی ہے ۔

خرشید بغیر واؤ کے لکھتے تھے ۔ البتہ صرف ''خر'' کو التباس کے خوف سے ''خور'' (واؤ کے ساتھ) لکھتے تھے ۔ لیکن چلن اب بھی خورشید کا ہے ۔

پانْو ، گانْو ، چھانْو وغیرہ میں نون غنّہ پہلے اور واؤ بعد میں لکھا ہے ۔

ہاتھ کو وہ ہات اور ہاتھی کو ہاتی لکھتے تھے ۔ چاقو کو چاک کردن سے مشتق مان کر چاکو لکھتے تھے حال آں کہ چاقو ترکی لفظ ہے ۔

مولانا احسن مارہروی کی تصریحات :

ان فضلاء کے بعد مئی ۱۹۰۵ء کے رسالہ فصیح الملک میں مولانا احسن مارہروی مرحوم نے اسلا پر بہت زور دیا ۔ اور اس زمانے تک جو اصول قائم ہو چکے تھے ان پر بڑی پابندی کے ساتھ عمل شروع کیا ۔ انھوں نے خصوصاً ان باتوں پر زور دیا :

'ہی' کو جب ضمیر کا آخری جزو بنایا جائے تو ''وہ ہ '' اور ''یہ ہی'' کے بجائے ''وہی'' اور ''یہی'' لکھا جائے۔ (لیکن مولانا احسن نے تمھیں ، اُنھیں ، اور ہمیں میں اشباعی الف نیچے لکھ کو تمھیں ، اُنھیں اور ہمیں بجائے تمہی ، انہی کے ، لکھنا پسند کیا ہے۔ اسی طرح وہ ''یوں ہی'' کے بجائے ''یونہیں'' نثر نظم دونوں میں لکھتے تھے مگر یہ رواج نہیں پایا)۔

دیکھیے ، دیجیے ، اس لیے ، وغیرہ میں یے سے پہلے ہمزہ نہ لکھا جائے۔

ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی نہ ہو بلکہ الف ہو جیسے پتا ، بھروسا ، سامنا ، دھوکا ، کلیجا ، مہینا ، ٹھیکا وغیرہ ۔ اسی طرح حلوا ، معما ، تمغا ، چلیپا ، ناشتا وغیرہ میں خواہ مخواہ ہ نہ لکھی جائے ۔

جس لفظ کے آخر میں ہ آئے تو فاعلیت ، مفعولیت اور اضافت کی حالت میں اسے 'یے' سے لکھا جائے جیسے ''کسی زمانے میں''۔ اسی طرح حالت ترکیبی یعنی اضافت و عطف میں بھی عربی فارسی الفاظ اسی طرح لکھے جائیں جس طرح بولے جاتے ہیں مثلاً لب و لہجے میں ، مقدمے بازی میں ، وغیرہ ۔

یائے معروف و مجہول کا لحاظ تو عام طور پر کیا جاتا ہے مگر یائے ماقبل مفتوح کی کتابت کوئی خاص نہیں ، اس کے لیے نصف دائرہ مناسب ہے ، جیسے مے ، شے ، ہے وغیرہ ۔

درمیان لفظ میں اگر نونِ اعلان نہ ہو تو اس پر نقطہ کے بجائے الٹا جزم بنایا جائے ۔

جو الفاظ الگ لکھے جانے میں اجنبی نہیں معلوم ہوتے اور جن کی ترکیب بھی جداگانہ ہے اکثر جدا جدا لکھے جائیں گے ، جیسے آئیں گے ، ہوں گے ، جس کی ، آپس میں ، غرض کہ ، بل کہ ، کیوں کہ ، علاحدہ ، حال آں کہ ، چناں چہ ، چوں کہ ، کون سی ، اس واسطے کہ ، دل چسپ ، دل کش ، ہم سر ، کم یاب ، دست یاب ، خوب صورت وغیرہ ۔

اس طرح کے الفاظ اب عموماً جدا جدا ہی لکھے جاتے ہیں ، مگر

بلکہ ، چونکہ ، ہمسر وغیرہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو الگ لکھے جانے میں کچھ اجنبی معلوم ہوتے ہیں ۔

اژدہام کو اژدحام (یہ عربی ہے) ، فی زمانہ کو فی زماننا ، سینکڑوں کو سیکڑوں ، جھونٹ کو جھوٹ ، سونچ کو سوچ ، پرواہ کو پروا ، روپئے کو روپے، عش عش اور عبیر دونوں کو الف سے اور خود دونوں کو آخر نونِ غنّہ سے لکھا جائے ۔ (لیکن عش عش اور عبیر کے اس املا نے رواج نہیں پایا) ۔

عربی تے پر صرف تنوین لکھنے پر زور دیا جائے مثلاً فطرةً ، قدرةً ، ضرورةً ، دفعةً ، مقابلةً ، لسبةً وغیرہ ۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تصریحات :

ان کے بعد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے بار بار املا کی اصلاح اور ترمیم پر زور دیا ہے ۔ رسالہ اُردو (اکتوبر ۱۹۲۳ء) رسالہ ہندستانی (جنوری ۱۹۳۱ء ، جولائی ۱۹۳۸ء) وغیرہ میں وقتاً فوقتاً اپنے بلند پایہ مضامین لکھے ہیں ۔ پھر یہی اصول اخبار ''ہماری زبان'' (یکم اگست ۱۹۰۱ء) اور رسالہ اُردو (جنوری ۱۹۰۳ء) میں شائع ہوئے ہیں جو انجمن ترقی اُردو نے اختیار کیے ہیں ۔

ذیل میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تصریحات ملخّصاً پیش کی جاتی ہیں :

مختفی ہ یا الف ؟

اُردو میں مختفی ہ فارسی اور عربی لفظوں کے ساتھ مخصوص ہے[۱] (با

---

۱ - پرانی فارسی زبان کے بعض الفاظ کے آخر میں ایک ک تھا جو ک سے گ ہوا اور پھر گر گیا ۔ ک یا گ سے پہلے زبر ہونے کی صورت میں عربی رسم الخط اختیار کرتے وقت یہ تدبیر ٹھہری کہ ایک ہ اخیرمیں لکھیے اور اسے زبر کی طرح پڑھیے ۔ ہ کی آواز اس میں نام کو نہ ہو ۔ فارسی والوں نے عربی الفاظ درجۃ ، مدرسۃ وغیرہ کو مفرس کر کے درجہ، مدرسہ کر لیا تو ایسے لفظوں میں جہاں جہاں ۃ سے ہ ہو گئی وہ ہ مختفی ہی قرار پا گئی ۔ اُردو میں بھی فارسی کی پیروی میں یہی صورت رہی ۔

لفظ کے اخیر میں لکھی جاتی ہے اور زبر کی طرح پڑھی جاتی ہے ، ہ کی آواز اس میں نام کو نہیں - اس لیے اس کا نام مختفی پڑا (اس کے مقابلے میں اصلی ہ کو ملفوظ کہتے ہیں) - بد مذاقی سے ٹھیٹ اُردو لفظوں میں بھی لوگ مختفی ہ لکھنے لگے - ہندی میں دیوناگری خط میں تو ایک आ ہے ، اور اس کا نمائندہ اردو میں سوا الف کے کوئی حرف ہو ہی نہیں سکتا - ہندی لفظ تو ایک طرف رہے ، طرّہ یہ کہ وہ فارسی لفظ بھی جن کے آخر میں الف ہے ہ سے لکھے جانے لگے - یہ املا سراسر غلط ہے - قاعدہ اس کا یوں ہے :

(۱) ہندی لفظ ہو تو الف سے لکھا جائے (سوا بعض مقاموں کے ناموں کے، جیسے آگرہ ، پٹنہ، کلکتہ ، کس واسطے کہ یہ نام ہیں اور ہمیشہ سے اسی طرح لکھے جاتے ہیں) اِکاّ ، آنولا ، باجا ، باجرا ، بادلا ، باڑا ، بٹوا ، بٹوارا ، بچکانا ، بلبلا ، بنجارا ، بھانجا ، بھتیجا ، بھروسا ، تانگا ، پوا ، پتّا ، پِتّا ، پتلا ، پٹاخا ، پٹارا ، پچتاوا ، پڑاقا ، پسینا ، تارا ، چارا (گھاس وغیرہ) ، چبوترا ، چرائتا ، چرچا ، چرسا ، چکڑا ، چلاّ ، چھلاّ ، دُپٹاّ ، دھوکا ، ڈوریا ، راجا ، سروتا ، کتّھا ، کوئلا ، کھلونا ، مہینا ، میلا -

یاد رہے کہ مذکر صفتیں بھی الف ہی سے صحیح ہیں جیسے چلبلا ، دبنگا ، نچلا وغیرہ -

اسی طرح وہ لفظ بھی جو یورپ کی زبانوں سے آئے ہیں ، جیسے ڈراما ، فرما ، کمرا ، مارکا (شان) وغیرہ -

اور یہی حال ان لفظوں کا ہے جو فارسی یا عربی سے لیے گئے ہیں مگر خود ان زبانوں میں اُن کا وجود اس ہیئت میں نہیں ہے ، جیسے بدلا ، بے فکرا ، نو دولتا ، کبابیا ، خصا (اچھا خاصا پورا کے معنوں میں) ، بعضا (بعض) ، مسالا ، ملیدا (ف۔ "مالیدہ") دسپنا وغیرہ -

ان لفظوں کے آخر میں بھی الف ہی لکھنا چاہیے جو ایک اُردو اور

---

۱ - محمود شیرانی مرحوم کی تحقیق یہ ہے کہ کمرہ فارسی ہے

ایک فارسی یا عربی جز سے بنے ہیں ، جیسے تماہا ، چھاپا ، پھرنگا ، سترنگا ، وغیرہ ۔

اس سے یہ کلیہ ہاتھ آیا کہ جب کسی اور زبان کا لفظ اُردو میں دوسرے معنے اور اسی کے ساتھ دوسرا تلفظ اختیار کر لے تو اس کا املا ٹھیٹ اُردو لفظوں کی طرح ہونا چاہیے ۔

(۲) جو لفظ خود فارسی میں الف کے ساتھ لکھے جاتے ہیں وہ ہرگز ہ سے نہ لکھے جائیں ۔ ان لفظوں کی تفصیل یہ ہے :

——— وہ جامد اسم یا صفتیں جن کے آخر میں الف ہے اور حرف اصلی کی حیثیت رکھتا ہے ، جیسے اژدہا ، آسیا (چکّی) یا ، آشکارا ، آشنا ، بوریا ، چلیپا ، پارسا ، خارا ، دارا ، درا ، دوتا ، سیا ، شوربا ، شیوا (فصیح جیسے شیوا بیان ۔ مگر ڈھنگ اور حرکات و سکنات کے معنوں میں جو لفظ ہے وہ ہ سے لکھا جاتا ہے ''شیوہ'') ناشتا ، قرنا ، گندنا ۔

——— فارسی فعلوں سے بنے ہوئے اسم فاعل اور صفت مشبہ وغیرہ جیسے بینا ، دانا ، زیبا ، پذیرا ، جویا ، گویا ، جہاں آرا ، جاں فرسا ، جاں فزا ، دل کشا ، صبر آزما ، ہوش ربا وغیرہ ۔

——— بعض لفظ جن کے آخر سے کوئی حرف گر کر الف رہ گیا ہو ، جیسے پا (پاے) ، خدا (خداے) ، نا (ناے) وغیرہ ۔ یا جیسے آوا (آواز کا مخفف) ، آفتا (آفتاب کا مخفف) وغیرہ ۔

——— وہ لفظ جو ہا زیادہ کر کے جمع بنے ہوں ، جیسے صدہا ، ہزارہا ، دلہا وغیرہ ۔

——— بعض لفظ یا نام جن کے آخر میں پیار یا حقارت یا ندا کے لیے الف بڑھا دیا گیا ہو ، جیسے بشیرا ، رکنا ، طالبا ، حافظا ، سعدیا وغیرہ ۔ (یاد رکھنے کی بات ہے کہ شفیعا ایک قسم کا خط ہے جسے ملا شفیعا نے ایجاد کیا تھا۔ اس لیے خط شفیعا مشہور ہوا ۔ اسے شفیعہ لکھنا غلط ہے) ۔

(۳) ترکی لفظ جو فارسی اُردو میں مستعمل ہیں اور جن کا املا الف ہی سے ہونا چاہیے ، جیسے تمغا ، طغرا (آج کل یہ غلطی عام ہے کہ تمغا کو تمغہ لکھا جا رہا ہے ۔ تمغۂ خدمت ، تمغۂ جرأت ، تمغۂ پاکستان کے بجائے

تمغاے خدمت، تمغاے جرأت، تمغاے پاکستان صحیح ہے) ۔

(۴) عربی کے جو لفظ خود عربی ہی میں الف سے لکھے جاتے ہیں ، ان کو ہ سے لکھنا صحیح نہیں ۔ وہ الف ہی سے لکھے جائیں ۔ ان لفظوں کی تفصیل یہ ہے :

——— وہ اسم جو افتعال یا استفعال کے وزن پر مصدر ہیں اور ان کے آخر میں الف کے بعد ایک ہمزہ ہے ، یہ ہمزہ اُردو میں گر جاتا ہے ، جیسے ابتدا ، اجتبا ، ارتضا ، ارتقا ، اصطفا ، اقتدا ، اکتفا ، التوا ، امتلا ، انتہا ، استثنا ، استدعا ، استسقا ، استغنا ، استعفا ، استقرا ، استقصا ، استنجا ، استیلا وغیرہ ۔

——— یہ لفظ جن میں سے بعضے اسم جامد ہیں اور بعضے صفت ، ان کو بھی ہ سے لکھنا غلط ہے ۔ حلوا ، سقّا ، شہلا (نرگس شہلا) غرّا (شاعر غرّا) بیضا (ید بیضا) محابا ، مدارا ، مداوا وغیرہ ۔

——— بعض مذکر نام الف پر ختم ہوتے ہیں ، ان میں سے بعض کے آخر میں ایک ہمزہ بھی تھا سو وہ اُردو میں گر چکا ؛ اور بعضوں کے آخر میں ہمزہ تھا ہی نہیں صرف الف تھا ، برخیا ، زکریا ، عادیا ، مسیحا وغیرہ ۔

——— بعضے مؤنث ناموں کی حالت بھی یہی ہے ، زہرا (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام) [1] ، سارا ، حوّا وغیرہ ۔

——— بعض جمعیں ، جیسے بقایا ، برایا ، ثنایا ، رعایا ، عطایا ، وصایا ، ہدایا ، وغیرہ ۔

——— بعض متعلق فعل جن کی تنوین فارسی اور اُردو مین گر گئی ہے جیسے اصلا ، ظاہرا ۔

——— ان لفظوں کے آخر میں الف مقصورہ تھا ، جسے عربی کے قاعدے سے یوں (یٰ) لکھتے ہیں ، مگر فارسی اور اُردو میں اس کے لیے

---

۱ ۔ زہرہ اس سے مختلف ہے ۔ ایک سیارے کا نام زہرہ ہے ۔ کبھی بچیوں کا نام اس مناسبت سے بھی رکھا جاتا ہے (عبدالستار صدیقی) ۔

ایک معمولی الف لکھتے ہیں ۔ ہ سے ان لفظوں کو لکھنا سراسر غلط ہے ۔ تقاضا ، ماجرا ، مدعا ، معمّا ، مربّا ، مقفّا ، منقّا ، دعوا ، تقوا ، مصفّا ، مطلّا ، معرّا وغیرہ ۔ (بعض لوگ عربی املا کی پیروی میں دعوا اور تقوا یا مربا اور منقا کو الف مقصورہ کے ساتھ لکھتے ہیں جو جائز ہے ، مگر اُردو میں سیدھے سادے الف کو ترجیح ہونا چاہیے) ۔

وہ حالتیں جن میں ہ کی جگہ الف لکھنا چاہیے :

(۱) بعضے عربی یا فارسی لفظ ایسے ہیں کہ ان کے آخر میں ہ آتی ہے مگر جب ان کی جمع بناتے ہیں تو اس مختفی ہ کو الف سے بدلنا ضروری ہو جاتا ہے ، جیسے بیوہ سے بیوائیں ، دایہ سے دائیں ، قحبہ سے قحبائیں، اور قابلہ سے قابلائیں اور خلیفہ سے خلیفاؤں ، علّامہ سے علّاماؤں ۔ (ڈاکٹر عبد الستار صدیقی بیووں ، دایوں بولنے اور لکھنے کو غلط قرار دیتے ہیں اسی طرح خلفوں بھی درست نہیں) ۔

(۲) جب قافیے میں مختفی ہ ، الف کے مقابل ہو تو اس مختفی ہ کو لکھنے میں الف سے بدل دینا چاہیے، جیسے :

ع تغافلہاے بے جا کا گلا کیا

(۳) ایسے لفظوں میں جو اُردو میں گھل مل گئے ہیں اور ان کی غیریت محسوس نہیں ہوتی ، ہ کی جگہ الف لکھنا جائز ہے، جیسے مزہ کی جگہ مزا ۔ (غالب نے لکھا ہے کہ مزہ اگر منہ کے ذائقے کے لیے نہ ہو تو الف سے لکھیں) ۔

(۴) ایسے الفاظ جن میں اُردو والوں نے کوئی تصرف کر لیا ہو ، جیسے دوماہہ سے دماہا ، دخما (یعنی دو خم والا) وغیرہ ۔

مخفی ہ کیا ہے ؟

(۱) مختفی ہ پر ختم ہونے والے مذکر اسموں کا واحد ، محرّف حالت میں وہی تلفظ ہوتا ہے جو جمع قائم کی حالت میں ، اور انھیں لکھنا بھی ویسے ہی چاہیے ، یعنی یوں ، ''وہ چھٹے درجے میں پڑھتا ہے'' ۔ ''میں مدرسے جاتا ہوں'' ۔ ''اس بچّے نے اس معمّے کو حل کر لیا'' ۔ ''اس واقعے سے سب

کو عبرت ہوئی"۔

(۲) پانچ کے بعد کے عدد کو لوگ عام طور پر چھ لکھتے ہیں جو بہ پہ کی طرح صرف مخلوطی ھ کو ظاہر کرتا ہے، حالانکہ اس کا فصیح تلفظ چھِی ہے۔ اس کوئی وجہ نہیں کہ اس طرح نہ لکھا جائے۔

(۳) 'کیوں کر' کی جگہ پُرانے استادوں کے کلام میں کیونکے بھی آتا ہے جیسے ع نہ جانوں کیونکے مٹے داغ طعن بد عہدی (غالب)

لوگوں نے "کہ" اور "کے" کے معنوں میں فرق نہ کر کے کیونکے کو کیونکہ بنا دیا اور پُرانے استادوں (میر، سودا، درد) وغیرہ کے کلام میں "اصلاح" فرمادی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کر کا قائم مقام ہو تو 'کے'، اور نہیں تو 'کہ' لکھا جائے۔

نونِ غنّہ :

بعضے لفظوں میں سے نونِ غنہ ہے، کئی طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ ان میں صرف اسی طرز کو اختیار کرنا چاہیے جو تلفظ میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ "کُنوا"، "کُنوان"، "کُنواں" تین طرح سے لکھتے ہیں[1]۔ ان تینوں میں بہتر "کنوا" ہے، اسی طرح دھنوا، گانْو، (جمع گانْوؤں) چھانْو، آنْو، دانْو، (دانْوؤں)، پانْو (جمع پانْوؤں)۔

۱۔ سودا نے کُنوا شعر میں استعمال کیا ہے اور اس کے متقابل چُنوا، تھُنوا وغیرہ قوافی آئے ہیں۔

شعر جو یوں بھی گردشِ دوراں سے ہو خدا نہ کرے
تو وہیں ڈوب مروں جا کے واں جہاں ہو کُنوا

بعض لوگوں کو اس پر اصرار ہے کہ "کنواں" وغیرہ لکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس لفظ سے پہلے اور دوسرے دونوں بول غنہ رکھتے ہیں۔ (اور رواج بھی زیادہ تر اسی املا کا ہے) لیکن (بقول ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ غنہ پہلے ہی بول میں ہے اور دوسرا پہلے سے گویا متاثر ہو گیا ہے۔

———اس طرح پر کنواں ، دھنواں ، کواں ، دھواں ، پاؤں ، گاؤں ، داؤں ، چھاؤں وغیرہ صورتیں ترک ہو جائیں گی ۔

———البتہ ڈھلواں ، گُنتھواں ، چڑھواں اور ترتیبی گنتیاں جیسے پانچواں ، ساتواں ، آٹھواں ، نواں ، دسواں وغیرہ درست ہیں ۔

———گنتی کے لفظوں میں ۱۱ سے ۱۸ تک اخیر کا حرف ہ ہے ۔ بعضے لوگ ان کے آخر میں ا (یا الف) لکھ دیتے ہیں مگر یہ درست نہیں (گیارہ ، بارہ ، وغیرہ لکھنا چاہیے) کس واسطے کہ ان لفظوں میں ہ اصلی اور ملفوظ ہے ۔

——— بعض لوگ دونوں کو دونو بغیر ''ن'' کے لکھتے ہیں ۔ یہ غلط ہے — صحیح ہے دونوں، جیسے تینوں ، چاروں ، پانچوں ، چھیئوں ، ساتوں ، وغیرہ[1] ۔

——— جمع منادا کے ساتھ کبھی کبھی لوگ ایک ''ن'' بھی لکھ دیتے ہیں یعنی اے لڑکوں!'' یہ درست نہیں ۔ بغیر نون کے لکھنا چاہیے ، جیسے ''اے لڑکو'' ''صاحبو''۔

ہمزہ :۔

(۱) ہمزہ الف کا قائم مقام ہے ۔ پس جب دو حرف علت اپنی اپنی آواز الگ الگ دیں تو ان کے بیچ میں آ سکتا ہے ، نہیں تو نہیں ۔ اس لیے آؤ ، جاؤ ، گیت گاؤ، دو لڑکے آئے ، آپ آئے ، میں آؤں تو کیا لاؤں وغیرہ میں ہمزہ لکھا جائے ۔ مگر بناو سنگار ، بھاو تاو ، نبھاو، گھاو کڑھاو میں ہمزہ کا کچھ کام نہیں ۔ اسی طرح گاے ، چاے ، اے ، ہاے میں بھی ہمزہ نہ چاہیے اور یہی حال دیو ، سیو ، اور ریو و ریا وغیرہ کا ہے ۔ ان لفظوں

---

۱ ۔ لیکن مولانا حالی نے بغیر نون غنہ دونو نظم کیا ہے اور اس کے ساتھ قوافی اس کو ، سخن گو لائے ہیں ۔

دونو میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ
اور ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

(سخن سازی)

میں الف ہے ، الف و یا ے و مل کر ایک آواز دیتے ہیں اس لیے ان کے بیچ میں ہمزہ کی گنجائش نہیں ۔

(۲) لیے ، دیے (دونوں معنوں میں ۔ مثالیں ''اس نے اپنے لیے چار جوڑ موزے لیے''۔ ''اس نے دو سو روپے دیے''۔ ''سیکڑوں دیے جل رہے ہیں'') میں ہمزہ کہیں نہیں آنا چاہیے ۔ چاہیے ، دیجیے ، لیجیے وغیرہ میں بھی ہمزہ نہیں بلکہ 'ے' ہے ۔ ہمزہ اسی وقت آئے گا جب اس سے پہلے زر ہو ۔ اگر اس سے پہلے زیر ہو گا تو یے آئے گی ، یعنی گئے میں ہمزہ ہے مگر کیے میں 'یے' ۔

(۳) جہاں ہمزہ لکھنا ضروری ہے وہاں اسے لوگ کاہلی کے مارے چھوڑ جاتے ہیں ، جیسے بھؤوں کو بھوون ، لکھنؤ کو لکھنو ، ہندوؤں کو ہندووں یا ہندوں۔ یہ درست نہیں ۔

ن ب اور ن ب (نون اقلاب) :۔

جب کسی لفظ میں نون غنہ کے بعد ہی ب ہو تو یہ دونوں حرف مل کر 'م' کی آواز دیتے ہیں ؛ جیسے آنب سے آم (جس کی تصغیر انبیا کا تلفظ امبیا بلکہ امیا ہوتا ہے) ، نیب سے نیم ، سونب سے سیم ۔ ان لفظوں کو 'م' ہی سے لکھنا چاہیے ۔

فارسی عربی لفظوں زنبور ، تنبورہ ، شنبہ ، گنبد ، جنب میں جو ساکن 'ن' ہے وہ تلفظ میں 'م' ہو جاتا ہے مگر لکھا 'ن' ہی جاتا ہے ۔ البتہ جب ''گنبد'' اردو والوں نے ''گمز'' (گ م ز) بنایا اور اس کی تصغیر ''گمزی'' تو ان دونوں لفظوں کو 'م' ہی سے لکھنا پڑا ۔

پس قاعدہ یہ نکلا کہ فارسی عربی کا لفظ ہو تو املا میں انھیں زبانوں کی پیروی کی جائے ۔ نہیں تو 'م' لکھا جائے ۔

ذ یا ز ؟ :۔

واقعہ یہ ہے کہ ذ عربی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور حقیقت میں ث بھی مخصوص نہیں ۔ (ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے اس سلسلے کے حرفی

تغیرات کی تاریخ بھی بیان کی ہے ۔ اور بتایا ہے کہ عربوں نے ایرانیوں سے ''استاذ'' ہی سنا اور اسی طرح بولنے اور لکھنے لگے ۔ خود ایرانیوں میں بعد کو وہ 'ذ'، 'د' ہو گئی یا بعض لفظوں میں 'ذ' کا تلفظ 'ز' سے بدل گیا مگر آذر، گذشتن، پذیرفتن، تذرو، کاغذ کو ایرانی پرانی عادت کے مطابق 'ذ' ہی سے لکھتے رہے ۔ ایک گنبذ ایسا لفظ جو 'ذ' اور 'د' دونوں طرح بولا اورلکھا جاتا ہے)

اردو میں ''گذر'' اور ''گذار'' اور اس کے مشتقات کو زیادہ تر 'ز' ہی سے لکھتے ہیں اور یہ کچھ بے جا نہیں مگر 'ذ' بھی ان لفظوں میں صحیح اور جائز ہے ۔ آذر اور کاغذ کو ہمیشہ اور پذیرا وغیرہ کو اکثر 'ذ' سے لکھتے ہیں، ان کو یوں ہی رہنے دینا چاہیے ۔ ان فارسی لفظوں کے علاوہ جن لفظوں میں 'ذ' آتی ہے وہ عربی سے آئے ہیں ۔ اب چاہے وہ ٹھیٹ عربی ہوں یا کسی اور زبان سے عربی میں مستعار، ایسے لفظوں میں عربی املا کی پیروی لازم ہے گو کہ آواز کے لحاظ سے اردو میں ایک اکیلی 'ز' ہی 'ذ، ض اور 'ظ' کی قائم مقام ہے ۔

چند عربی اور فارسی لفظوں کا غلط املا رواج پا گیا ہے ؛ البتہ محتاط لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں ۔ اُن لفظوں میں سے یہ مثالیں زیادہ اہم ہیں:

(۱) بحر زخّار کو بعض کم سواد لوگ ''بحر ذخار'' لکھتے ہیں، غالباً اس دھوکے میں کہ ذخار ذخیرہ سے بنا ہو گا ۔ اصلیت یوں ہے کہ زخار کو ذخیرہ سے اصلاً تعلق نہیں، بلکہ زخار کے معنی ہیں بہت امنڈتا ہوا (سمندر) یا چڑھا ہوا (دریا) ۔

(۲) ذکی اور زکی اپنی اپنی جگہ پر دونوں صحیح ہیں ۔ مگر لوگ ''زکی'' کے محل پر بھی ''ذکی'' لکھا کرتے ہیں ۔ یعنی زکی الدین یا محمد زکی کسی کا نام ہو تو اس کو 'ز' ہی سے لکھنا چاہیے، اس لیے کہ زکی کے معنے ہیں پاک ۔ اور ذکی کے معنے تیز فہم بھی ہیں اور قابل سلامت بھی ۔

(۳) زکریا کو بعضِ لوگ غلطی سے 'ذ' سے لکھتے ہیں، بلکہ بعضے تو یہ

ستم کرتے ہیں کہ ملازم میں بھی ذ لکھتے ہیں ۔

(۳) آزوقہ عربی لفظ نہیں ہے ، فارسی ہے اور اس کا املا ز سے صحیح ہے ؛ غلطی سے لوگ ذ سے لکھ دیتے ہیں اور یہ غلطی فارسی کتابوں میں بھی دیکھنے میں آتی ہے ۔

(۴) آزر (حضرت ابراہیم کے والد کا نام ۔ قرآن شریف میں ہے " اذ قال ابراهیم لابیہ آزر أ تتخذ اصناما آلهۃ") ز سے ہے ۔ اسے فارسی لفظ "آذر" سے کوئی تعلق نہیں ۔

(۶) **ذات** عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں نفس یا نفس نفیس یا شخص ؛ نژاد یا قوم کے معنی نہیں ہیں ۔ ان معنوں میں جو لفظ اردو میں بولا جاتا ہے وہ حقیقت میں سنسکرت کے لفظ جاتِ जाति سے نکلا ہے کہ ہندی میں ت کا کسرہ اس وجہ سے گر گیا کہ کسی لفظ کا آخر حرف متحرک نہیں ہو سکتا ۔ اردو والوں نے ج کو ز کی آواز سے بدل دیا ۔ چاہیے تھا کہ اس لفظ کو ز سے لکھتے لیکن عربی لفظ **ذات** کے دھوکے میں اس کو بھی ذ سے لکھنے لگے ۔

(ڈاکٹر عبد الستار صدیقی فرماتے ہیں کہ اس غلط طریقے کو یقیناً ترک کرنا چاہیے اور جہاں نژاد ، قوم وغیرہ کے معنے ہوں وہاں ز ہی لکھنا چاہیے ۔ جیسے زات پات ، زات جماعت ۔ مگر ہمارے خیال میں یہ غلطی اس قدر عام ہو چکی ہے کہ غلط العام سمجھ کر اسے یوں ہی رہنے دینا چاہیے) ۔

(۷) عربی لفظ **ذرہ** سے اردو میں تھوڑا کے معنوں میں ایک نیا لفظ **ذرا** بنا ۔ ڈاکٹر عبد الستار صدیقی کا خیال ہے کہ ز سے لکھنا چاہیے ۔ تلفظ میں ایک چھوڑ دو دو تصرف ہونے ، معنوں میں بھی فرق ہوگیا ۔ یوں کہنا چاہیے کہ اردو نے یہ ایک بالکل نیا لفظ پیدا کیا ، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ز سے نہ لکھا جائے ۔ (لیکن رواج اب بھی **ذرا** کو ذال سے لکھنے کا ہے ۔ اور اسے یوں ہی رہنے دینا چاہیے)

ص یا س ؟

فارسی والوں نے اپنی زبان کے بعض لفظوں کو عربی حرفوں سے لکھنا شروع کر دیا ، اس لیے کہ ہم آواز لفظوں کا ایک دوسرے سے امتیاز ہو سکے -

''صد'' سو کے معنے میں ، حقیقت میں س سے ہے : مگر اس کا رواج ایسا متواتر ہے کہ اب غلطی کی اصلاح ناممکن سی ہو گئی ہے -

''شصت'' (ساٹھ) دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے ، اس لیے اگر اُردو میں کبھی اس فارسی لفظ کے استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو شست لکھنا بہتر ہو گا (ڈاکٹر عبد الستار صدیقی کی یہ رائے اصولاً درست سہی لیکن شست اُردو میں اور معنوں میں بھی مستعمل ہے ، یعنی ہدف ، نشانہ ، سیدھ ؛ اس لیے ہمارے خیال میں شصت ص ہی سے لکھنا بہتر ہے)

''مسالا'' ہر معنے میں س اور الف سے لکھنا چاہیے - (۱) گرم مسالا (۲) مسالا (گوٹا کناری وغیرہ) (۳) مسالا (کسی چیز کے اجزا یا ضروریات اور لوازمات وغیرہ) - ''مصالح'' لکھنا یوں غلط ہے کہ یہ 'مصلحت' کی جمع ہے ، مسالہ کو ان معنوں سے اصلاً تعلق نہیں - مزید بر آں یہ کہ تلفظ بھی مختلف ہے - یہی حال ''مصالحہ'' کا ہے - مصالحہ کے معنی ہیں ''لڑنے والے فریقوں کے درمیان صلح'' -

ط یا ت ؟

فارسی اور تُرکی کے بعض لفظ کسی نہ کسی وجہ سے ت کے بجائے کبھی ط سے بھی لکھے جاتے ہیں ، جیسے طپش ، طپیدن ، طشت ، طوطی - محتاط لوگ ت ہی سے لکھتے ہیں اور ہم کو یہی املا اختیار کرنی چاہیے ، یعنی تپش ، تشت ، تشتری ، توتا ، توپ ، تماچا - البتہ تیار کو طیار بھی لکھتے ہیں، ہم کو تیار اختیار کرنا چاہیے ، سوا اس کے کہ یہ لفظ ''اُڑنے والا'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہو -

کچھ اور لفظ :

بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ وہ صحیح لکھے جاتے ہیں لیکن ان کا غلط املا

بھی ایک حد تک رائج ہوگیا ہے۔ ان میں سے چند خاص توجہ کے قابل ہیں:

صحیح املا	معنی	غلط املا
ازدحام	ہجوم ، بھیڑ	ازدہام، اژدھام ، اژدحام
اسراف	فضول خرچی	اصراف
مسرف	فضول خرچ	مصرف
تباشیر	بنس لوچن	طباشیر
تریاق	زہر کا مارگ	طریاق
تلاطم	سمندر یا دریا کا تھپڑے مارنا	طلاطم
توتیا	سُرمہ	طوطیا
دوات	روشنائی کا برتن	داوات
عوض	بدلا بدلہ	عیوض
مرہم	زخم کی دوا	مرحم ، ملہم
مع	ساتھ ، معیت	معہ (بمعہ)

رسم الخط سے متعلق بعض ضروری تصریحات:

جہاں تک ہو سکے ہر لفظ الگ الگ لکھا جائے؛ مثلاً آپنے ، جسدن ، جسکو ، مجھسے وغیرہ کی بجائے آپ نے ، جس دن ، جس کو ، مجھ سے لکھنا چاہیے۔

ہر لفظ کا اخیر حرف اردو میں ساکن ہوتا ہے ، اس لیے اس پر جزم لگانے کی ضرورت نہیں۔

ہر مشدّد حرف پر تشدید کا نشان ضرور لگانا چاہیے۔

جب الف مضموم یا مکسور ہو اور اس کے بعد کا حرف ، حرفِ صحیح ہو تو الف پر اعراب ضرور لگانا چاہیے جیسے اِس ، اُس ، اِدھر ، اُدھر۔

دو لفظوں کے درمیان مناسب فاصلہ دیا جائے۔

جو مرکب لفظ دو یا تین لفظوں سے مل کر بنے ہوں اُن کے اجزا الگ الگ لکھے جائیں ، لیکن ان کے درمیان فاصلہ نہ دیا جائے؛ جیسے پن گھٹ ، پون چکی ، دل کش ، دل چسپ ، وغیرہ۔

البتہ جو دو لفظ ایک دوسرے کے ساتھ ایسے وصل ہوتے ہیں کہ آواز ہی جاتی رہی ہے، وہ ملا کر لکھے جائیں گے جیسے سیلاب۔

فارسی اضافت کے کسرے کو ہمیشہ تحریر میں لانا چاہیے۔

و اور ی جب حرف علت ہوں تو ان کی چار چار آوازیں ہوتی ہیں اور جب حرف صحیح ہو تو ایک ایک آواز، یعنی کل پانچ پانچ۔ ان مختلف صورتوں کے لیے حسب ذیل رسم الخط اختیار کرنا مناسب ہے۔

حرفِ علت

واو مجہول و (مثلاً چور، شور، مور، ڈھول)

واو معروف وُ (مثلاً دُور، اُور، بھُول جھُول)

واو ماقبل مفتوح وْ (مثلاً جوْ، سوْ، جوْر، دھوْل دھپّا)

واو مخلوط اور معدولہ و (مثلاً خوْاب، خوْاہر، درخوْاست، خوْاہش، خوْد)

یائے مجہول ے (آخر میں، مثلاً کے، سے ـیـ (بیچ میں، مثلاً سیر، شیر)

یائے معروف ی (آخر میں، مثلاً کی، پانی) ـیـ (بیچ میں، کھیر، بھیڑ)

یائے ماقبل مفتوح یٰ ہیٰ، شیٰ، میٰ) ـیٰـ (بیچ میں، مثلاً شیٰخ، سیٰل)

یائے مخلوط ـیٚـ (مثلاً کیٚا، پیٚاس، پیٚارا، جیٚوں، تیٚوں)

---

۱ - رسالہ ہندوستانی بابت جولائی ۱۹۳۶ء میں مولوی نعیم الرحمان ایم اے کا ایک مضمون ''اردو میں اوقاف قراءت'' نکلا تھا جس میں صاحب مضمون نے انگریزی علامات اوقاف کو بجنسہ اختیار کرتے ہوئے وقف کامل یا وقفہ (full stop) کے لیے نقطہ اپنے تمام مضمون میں استعمال کیا تھا مگر رواج انجمن ترقی اُردو کی منظور کردہ علامت (چھوٹے ڈیش) ہی کو ہوا۔

حرفِ صحیح

واو صحیح و (مثلاً کواڑ ، جواب ، ثواب ، وارث)

یاے صحیح یـ (مثلاً کیا ، یاد ، یار ، خیال)

نون غنہ ں ، ن (مثلاً کہاں ، یہاں ، ہنسنا ، پھنس)

ہاے ملفوظ ہ ، ھ (مثلاً بیاہ ، لباہ ، چاہ ، سیہ)

ہاے مخلوط ھ (مثلاً بھاؤ ، گھاؤ ، پھیر)

ہاے مختفی ہ ، ھ (مثلاً پردہ ، زردہ ، بندہ ، مورچہ ، درجہ)

جس واو کو کھینچ کر ادا کیا جائے اُس پر ہمزہ آئے گا ؛ جیسے کھاؤ ، لاؤ ، آؤ، جاؤ وغیرہ ۔ اور جس واؤ کو کھینچ کر ادا نہ کیا جائے اُس پر ھمزہ نہیں آئے گا ؛ جیسے فاو ، گاو ، سیو ، دیو ۔

ہاے ملفوظ کو ہاے مختفی سے ممیز کرنے کے لیے ہاے ملفوظ کے نیچے علامت (،) لگائی جا سکتی ہے ؛ مثلاً کہِ (کہنا کا امر جس میں ہاے ملفوظ ہے) اور کہ (کاف بیانیہ جس میں ہاے مختفی ہے) ۔

بعض لفظوں میں (مثلاً شکار پوُر ، کان پوُر) وٗ لکھا جائے مگر اس کی آواز خفیف ہو گی اس کا فصیح تلفظ شکار پُر ، کان پُر ہے ۔ پس ایسی صورتوں میں بہتر یہی ہے کہ لفظ کی اصل کا لحاظ کر کے اس کی کتابت کی جائے ، یعنی شکار پور ، کان پور ، گو کہ اُس کا تلفظ پُر کیا جائے ۔

علامات و رموز (اوقاف قراءت)

اوقاف قراءت سے مراد وہ علامات و رموز ہیں جو تحریری فقروں میں الفاظ کے مابین لکھے جاتے ہیں اور جن سے جملوں کی تقسیم ہوتی ہے ۔ اور صحیح مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ۔ اوقاف کی قرآنی علامات الفبائی حروف پر مشتمل ہیں ۔ دوسری صورت محض اشاری علامات کی ہے جو مغرب میں رائج ہوئی اور اب اُردو میں بھی رائج ہے ۔ اُردو میں اوقاف قراءت کا استعمال اٹھارھویں صدی عیسوی تک نہیں تھا ، حتیٰ کہ جملے کے خاتمے پر بھی کوئی نشان نہیں ہوتا تھا ۔ البتہ بعض قلمی کتابوں میں جملے کے ابتدائی لفظ پر شنگرفی روشنائی سے علامت بنی ملتی ہے ۔ فورٹ ولیم کالج اور بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی کی اُردو ٹائپ میں چھپی ہوئی

کتابوں میں ، جو انیسویں صدی عیسوی کی پہلی تہائی کی ہیں ، اختتام جملہ کی علامات کے طور پر ستارے کا نشان ملتا ہے جسے انگریزی میں (asterisk) کہتے ہیں ۔ یہی ستارے کا نشان سر سید کے تہذیب الاخلاق میں بھی ملتا ہے [1] ۔

اردو میں جس مطبوعہ کتاب میں سب سے پہلے اوقاف قراءت کی پابندی کی گئی وہ مولانا حالی کی کتاب یادگار غالب ہے جو ۱۸۹۷ع میں رحمت اللہ رعد نامی پریس کانپور میں چھپی تھی ۔ گویا تقدم کی اور بہت سی فضیلتوں کے ساتھ مولانا حالی کو اس میدان میں بھی فضیلتِ تقدم حاصل ہے ۔ پھر ستمبر ۱۹۰۰ع میں مولوی نظام الدین حسن نوتنوی نے علامات اوقاف کے استخراج کے متعلق انگریزی میں ایک رسالہ شائع کیا ۔ اس کے بعد ۱۹۰۲ع میں کتاب ''اوقاف العبارت'' لکھی جو ۱۹۰۳ع میں نولکشور کے مطبع میں طبع ہو کر لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور فلس کیپ

---

۱ ۔ سر سید نے تہذیب الاخلاق جلد ۵ بابت یکم رمضان ۱۲۹۱ھ میں علامات قراءت پر اپنے خیالات ظاہر کیے تھے ۔ یہ مضمون مقالات سر سید مرتبہ اسماعیل پانی پتی کے حصۂ ہفتم میں شامل ہے ۔ سر سید کے تجویز کردہ نام ان کی علامات یہ تھیں :۔

۱ ۔ کاما یعنی علامت سکتہ (،) ۔ سیمی کولن یعنی علامت سکون (؛) انگریزی علامت کو کاما کی طرح الٹ دیا ہے ۔ کولن یعنی علامت وقفہ (:) ۔ فل سٹاپ یعنی علامت وقفہ کامل (.) ۔ نوٹ آف انٹروگیشن یعنی علامت استفہام یا علامت سوال (؟) ۔ نوٹ آف ا کس کلامیشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت (!)۔ زیادہ اظہار تعجب و حیرت و مسرت کے لیے زیادہ نشان (!!) (!!!) ۔ ہائی فن یعنی علامت ترکیب (-) ۔ ڈیش یعنی خط یا لکیر (—) پرنتھسز یعنی علامت جملہ معترضہ ( ) ۔ کوٹیشن یعنی علامت اقتباس ('' '') ۔ انڈر لائن یعنی علامت توجہ (———) ۔ اسٹار یعنی نجم (*) ۔ سر سید نے ان استعمالات کی تفصیل بھی درج کی ہے ۔

کی بڑی تقطیع کے ۶۳ صفحوں پر محیط تھی - اس کتاب میں قابل مصنف نے ایشتر قرآن شریف کے رموز اوقاف سے بحث کی ہے اور آخر کے دو صفحوں میں ''رموز اوقاف عبارت بطرز مغربین'' کا ذکر کیا ہے - اور اس عنوان کے تحت ان سات علامتوں کا ذکر اور ان کی تشریح کی ہے :

''وقف خفیف (کاما ، Comma)
نصف وقف (سیمی کولن semicolon)
وقف کامل (فل سٹاپ ، Full stop)
اقتباس (ان ورٹڈ کاماز ، Inverted commas)
ندا (Sign of inter jection)
استفہام (query)
قوسین (Parenthesis)''

مولوی نظام الدین حسن نے اپنی اس تمام کتاب میں اوقاف کی ان علامات کو استعمال بھی کیا ہے - اس کے بعد علامات اوقاف کو رائج کرنے کی تجویز لاہور کے رسالہ ''کہکشاں'' میں مولوی سید ممتاز علی نے پیش کی تھی - پھر سنہ ۱۹۲۲ء میں رسالہ ''اردو'' کی اکتوبر کی اشاعت میں پروفیسر ہارون خاں شیروانی نے اردو کے رسم الخط پر بحث کرتے ہوئے ایک کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی جس میں یہ سوال اٹھانا تجویز کیا کہ ''اوقاف قراءت کے نہ ہونے سے اردو زبان کو نقصان پہنچتا ہے یا نہیں ؟ اس کے لیے انگریزی اوقاف بجنسہ استعمال کیے جا سکتے ہیں یا ان میں کسی ترمیم کی ضرورت ہے ؟'' - رسالہ اردو بابت اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ''ڈاکٹر عبد الستار صدیقی کے مضمون ''اردو رسم الخط میں اصلاح'' پر اداری نوٹ لکھتے ہوئے مولوی عبد الحق نے اس مجلس کے انعقاد اور فیصلوں کی اطلاع دی - انھی کو انجمن ترقی اردو نے اختیار کیا اور مولوی عبد الحق نے قواعد اُردو میں شامل کیا ، جو یہ ہیں :-

انگریزی نام	اُردو نام	علامت
Full stop	ختمہ	۔
Comma	سکتہ	،
Semi colon	وقفہ	؛
Colon	رابطہ	:
Colon & dash	تفصیلیہ	:۔
Mark of interrogation	سوالیہ	؟
Mark of exclamation	فجائیہ ، ندائیہ	!
Brackets	قوسین	() یا [ ]
Dash	خط	———
Inverted commas	واوین	" "
HyPhen	زنجیرہ	---

ان علامتوں کا محل استعمال یہ ہے :۔

ختمہ :

یہ بھرپور ٹھہراؤ کی علامت ہے اور مکمل جملے کے خاتمے پر لگائی جاتی ہے اور انگریزی کے مخففات کے بعد بھی لگائی جاتی ہے ، جیسے ایم ۔ اے ۔

سکتہ :

یہ سب سے چھوٹے ٹھہراؤ کی علامت ہے اور کثرت سے استعمال کی جاتی ہے بالخصوص ایک ہی قسم کے کلمے کے ان تین یا تین سے زیادہ لفظوں کے بیچ میں جو ساتھ ساتھ استعمال کیے گئے ہوں ۔ اس حالت میں یہ عطف کا بدل ہوتی ہے ، اور حرف عطف صرف آخری کلمے سے قبل لانا کافی ہوتا ہے ، مثلاً کتاب ، کاغذ ، قلم ، دوات اور پنسل لو ۔ نیز تشریحی اجزائے جملہ کے درمیان بھی اسی صورت سے آتی ہے ، مثلاً دس فٹ چوڑا ، پندرہ فٹ لمبا اور دس فٹ اونچا کمرا ۔

کسی مرکب جملے کے ذیلی جملوں کے درمیان بھی آتی ہے ، مثلاً
چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب ، عورت ہو یا مرد، بوڑھا ہو یا جوان،

اس اصول کی پابندی سب کے لیے ضروری ہے ۔

سکتہ کی علامت شرط و جزا یا صلہ و موصول کے جملوں کے درمیان
میں بھی آتی ہے ۔ نیز مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا بیان کرنے والے جملوں
کے درمیان بھی لاتے ہیں ۔ مثالیں :

(۱) اگر آپ پوچھتے ، تو میں ضرور سب حال کہہ سناتا ۔

(۲) جو غرور کی چال چلا ، وہ آخر کو ذلیل ہوا ۔

(۳) مکان خوبصورت ہے ، لیکن گنجائش میں کم ۔

توضیحی فقروں کے قبل بھی سکتے کی علامت لاتے ہیں ، مثلاً

(۱) کتاب اچھی ہے ، اس لیے کہ اس میں طول بیانی سے کام نہیں لیا
گیا ہے ۔

(۲) جو ہونا ہے ، ہو رہے گا ، پھر تردد سے کیا فائدہ ۔ (اس مثال میں
پہلا سکتہ صلہ و موصول کے جملوں کے مابین ہے ، دوسرا توضیحی فقرے
سے قبل) ۔

علامت افعال متصلہ (کر یا کے) مقدر ہو تو سکتہ لانا ضرری ہے ،

مثلاً ع آئینہ دیکھ ، اپنا سا منہ لے کے رہ گئے

مبتدا اور خبر کے درمیان کوئی اور لفظ نہ ہو تو فرق کرنے کے لیے
سکتہ درمیان میں لانا چاہیے ، مثلاً یادگار غالب ، حالی کی تصنیف ہے ۔
غالب ، غالب ہے ۔

تعقید کو دور کرنے کے لیے بھی سکتہ لگاتے ہیں ، مثلاً

بار سے ، آبِ رواں ، عکسِ ہجوم گل کے
لوٹے ہے سبزے پہ، از بس کہ ہوا ہے بیکل (سودا)

ع ہیں ، بسکہ جوش بادہ سے ، شیشے اچھل رہے (غالب)

وقفہ :

یہ علامت سکتہ سے زیادہ ٹھہراؤ ظاہر کرتی ہے ۔ اس کا استعمال ابھی تک عام تحریروں میں تو کیا ، اہتمام سے چھپی ہوئی کتابوں میں بھی کم ملتا ہے ۔ لوگ وقفہ کی جگہ بھی عموماً سکتے ہی سے کام چلاتے ہیں ۔ حالانکہ خلط مبحث سے بچنے کے لیے وقفے کے مقام پر وقفے کا استعمال ضروری ہے ۔ مولوی عبدالحق نے وقفے کے حسب ذیل چار استعمالات بیان کیے ہیں :

(۱) جملوں کے لمبے اجزا کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لیے (یہاں سکتوں کے علاوہ وقفوں کا استعمال اس وجہ سے ضروری ہے کہ خلط مبحث نہ ہو جائے) ۔

(۲) جہاں جملوں کے مختلف اجزا پر زیادہ تاکید دینا مدنظر ہوتا ہے وہاں بھی وقفے استعمال ہوتے ہیں ؛ مثلاً

"تم روئے اور ہمارا دل بےچین ہوا؛ تمھاری انگلی دکھی، تو ہمارے دل پر چوٹ لگی ؛ مصیبتیں ہم نے بھریں ؛ تکلیفیں ہم نے اٹھائیں ؛ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ہم بیٹھے ؛ کندھے سے لگایا ، چمکارا ، لوریاں سنائیں؛ غرضکہ جان ، مال ، آرام ، سب کچھ تمھارے لیے بیچ دیا ، کیا اس کا یہی صلہ ہے ؟" ۔

(۳) جن جملوں کے اجزا کے درمیان ورنہ ، اس لیے ، لہٰذا ، اگرچہ ، چہ جائیکہ ، درآں حالیکہ ، لیکن ——— اور اسی قسم کے ربط دینے والے الفاظ آئیں ، وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لیے ان لفظوں سے پہلے وقفے کی علامت لگاتے ہیں ۔

واضح رہے کہ جب مذکورہ بالا الفاظ چھوٹے چھوٹے جملوں کو ملاتے ہوں تو یہ علامت نہ لگائی جائے گی بلکہ سکتہ ہی کافی ہو گا ۔

(۴) جن صورتوں میں سکتہ لاتے ہیں ان میں وقفہ صرف ایسی حالت میں لائیں گے جب جملے کے بعض ایسے حصوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑے جن میں اندرونی طور پر سکتہ موجود ہے ؛ مثلاً

حالی کی مسدس ، یادگار غالب ، حیات جاوید ؛ نذیر احمد کی مراۃ العروس ، توبۃ النصوح، محصنات ، ایامٰی ؛ شبلی کی الفاروق ، موازنہ، سیرت النبی ، پڑھنے اور بار بار پڑھنے کے قابل ہے -

(قواعد اُردو ، طبع چہارم ، ص ۲۸۶ تا ۲۸۸)

مولوی عبد الحق کی ان تصریحات کے علاوہ ، ایک اور محل استعمال یہ بھی ہے کہ مثالیں پیش کرتے وقت ، الفاظ ''جیسے'' ، ''مثلاً'' سے پہلے وقفہ لاتے ہیں -

رابطہ :

یہ علامت وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ ظاہر کرنے کے لیے آتی ہے -

مولوی عبدالحق نے اردو میں رابطہ کے کئی استعمالات تجویز کیے ہیں، مگر ان کا رواج عام نہیں ہوا ہے، ہمارے خیال میں ہونا چاہیے - عموماً رابطہ بغلی سرخیوں (ذیلی عنوانات) کے بعد ، اور نقلِ قول کے لیے قائل کے نام کے بعد لاتے ہیں ؛ مثلاً بقول شخصے :

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

رابطے کی علامت کا محل استعمال ، مولوی عبد الحق کی تصریحات کے مطابق ، یہ ہے :

(۱) جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کے موقع پر ؛ مثلاً ع کیا خوب سودا نقد ہے : اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

(۲) کسی مختصر مقولے یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنے کے لیے - اس صورت میں تمہیدی جملے اور اصل جملے کے بیچ میں رابطہ لاتے ہیں ؛ مثلاً کسی حکیم کا قول ہے : آپ کاج ، مہا کاج -

(۳) ایسے دو متقابل یا متضاد جملوں کے بیچ میں بھی رابطہ آئے گا جو مل کر ایک پورے خیال کو ظاہر کریں ؛ مثلاً

من چاہتا ہے ؛ ٹٹو نہیں چلتا -

(۳) جب دو جملوں میں سے ایک دوسرے کی توجیہ کرے مگر کوئی حرفِ توجیہ ان کے بیچ میں نہ ہو ، تو ان کے درمیان میں رابطہ لاتے ہیں ، جیسے بچوں کو تنہائی میں نصیحت کرنا چاہیے : سب کے سامنے نصیحت کرنے کا اثر الٹا ہوتا ہے ۔

تفصیلیہ :

یہ علامت کسی طویل اقتباس کو یا کسی فہرست کو پیش کرتے وقت لاتے ہیں ، مثلاً عربی مہینوں کے نام یہ ہیں :— (۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الثانی ....

کسی اصول یا قاعدے کی مثال پیش کرتے وقت بھی، جب کہ ایسے موقع پر مثلاً یا جیسے کا لفظ ترک کر دیا گیا ہو ، یہ علامت استعمال کرتے ہیں ۔

جملے میں جب کئی کئی باتیں مسلسل پیش کرنی ہوں یا کسی امر کی تفصیل پیش کرنی ہو ، تب بھی اس علامت کا استعمال کرتے ہیں ، مثلاً اب میرا حال سنیے :— نماز فجر ادا کر کے قرآن مجید کی تلاوت کی ؛ ناشتہ کیا ؛ اخبار دیکھا ؛ اور پھر لکھنے پڑھنے کے کام میں مشغول ہو گیا ۔

سوالیہ :

یہ سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے ، مثلاً کون ہے ؟ مجھے کس نے پکارا ؟ (علاوہ ازیں یہ علامت کبھی کبھی جملے کے درمیان بھی آتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ جس لفظ یا ترکیب کے بعد لائی گئی ہے وہ مشکوک ، مجہول المعنی ، بعید الفہم یا محل نظر ہے ۔

تعجائیہ ، ندائیہ :

یہ علامت جذبہ ظاہر کرنے والے الفاظ اور جملوں کے بعد بھی لگائی جاتی ہے اور ندا و خطاب کے الفاظ کے بعد بھی ۔ مثالیں یہ ہیں :

(۱) ع آہ ! چپ بھی رہا نہیں جاتا

(۲) معاذ اللہ ! بس صاحب ! بس !! (یہاں جذبے کی شدت کی مناسبت سے دو علامتیں لگائی گئی ہیں) ۔

(۳) خواتین و حضرات ! بزرگو اور دوستو !

(۴) شاہد رہیو تو اے شب ہجرا!
جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

قوسین :

یہ علامتیں جملۂ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہیں ، مثلاً خواجہ میر اثر (جو خواجہ میر درد کے بھائی تھے) چھوٹی بحروں میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے ۔

جملے کے درمیان توضیحی کلمات کا اضافہ کرنے کے لیے اور عبارت یا جملے کے آخر میں ماخذ کا حوالہ دینے کے لیے بھی قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے ۔

زنجیرہ :

مولوی عبد الحق نے ہائفن کی جگہ زنجیرے کی علامت تجویز کی ہے ۔ مرکب اصطلاحوں میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن بالعموم اس کا رواج نہیں ہوا ہے ۔ مولوی عبد الحق کی تجویز کے مطابق Indo-Aryon کا ترجمہ ہند آریائی ہونا چاہیے ، لیکن عام طور سے بغیر زنجیرے کے ہند آریائی ہی لکھا جاتا ہے ۔ تا ہم سائنسی اصطلاحات میں اس علامت کے استعمال کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

خط :

جب کئی لفظ کسی لفظ کی تشریح اور تبادلے میں لکھے جائیں تو خط لگاتے ہیں ، مثلاً گھر کے سب افراد ـــــــــ چھوٹے بڑے ، مرد عورت ، میزبان اور مہمان ـــــــــ سب ملا کر پندرہ تھے ۔

واوین :

یہ علامت اقتباس کے اول و آخر میں لگائی جاتی ہے ۔ جب کسی کا

قول بعینہ اسی کے الفاظ میں نقل کیا جائے ، تب بھی واوین کا استعمال ضروری ہے ۔ اور کسی دوسرے شاعر کے مصرع کو اپنے شعر میں استعمال کیا جائے ، گرہ لگائی جائے یا تضمین کی جائے تو واوین کا استعمال چاہیے ۔

مثالیں :

(۱) مولانا ابو الکلام آزاد ایک خط میں لکھتے ہیں : ”یہاں نہ رنج کی گراں نشینیاں ہیں کہ لکھوں ، نہ صبر کی گریز پائیاں ہیں کہ سناؤں رنج کی جگہ صبر کی گراں نشینیوں کا خوگر ہو چکا ہوں۔ صبر کی جگہ رنج کی گریزپائیوں کا تماشائی رہتا ہوں“۔

(۲) والد مرحوم کے خادم خاص جھنجلا جھنجلا کر کہتے ”اگر تجھے کتاب ہی پڑھنی تھی ، تو گھر سے نکلا کیوں؟“

(۳) غالب اپنا یہ عقیدہ ہے ، بقول ناسخ
”آپ بے بہرہ ہے، جو معتقد میر نہیں“

اقتباس اندر اقتباس کی صورت پیدا ہو تو اندرونی اقتباس کے لیے اکہری واوین یعنی ' ' استعمال جاسکتی ہیں ، مثلاً پنڈت کیفی لکھتے ہیں : ”ڈاکٹر عبد الستار صدیقی فرماتے ہیں : 'مرزا غالب ذرا صرف ز سے لکھتے تھے' ذرا کیوں ز سے لکھتے تھے اور اب کچھ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں ؟ ....“ (کیفیہ ص ۲۰۱)

صاحب کیفیہ کی رائے :

علامتوں کے سلسلے میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی ، مولوی عبدالحق سے کچھ جداگانہ رائے رکھتے تھے ۔ ان کے خیال میں مولوی عبدالحق کی بیان کردہ سب علامات اردو میں داخل کرنی ضروری نہیں ۔

وہ لکھتے ہیں :۔ ”جو چار علامتیں ابتدا میں تھیں وہی اب یعنی ۱۹۴۰ء میں بھی رائج ہیں ، جہاں تک مذکورہ صوبوں (دہلی اور پنجاب) میں درسی کتابوں کا تعلق ہے ۔ لیکن قواعد اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے چوتھے ایڈیشن میں یہ تعداد گیارہ تک پہنچا دی گئی ہے ۔

موصوف نے انگریزی سے لے کر یہ علامتیں بھی شامل کر لی ہیں :- سیمی کولن ، کولن ، کولن اور ڈیش ، قوسین ، ڈیش ، واوین ، ہائفن ۔

وقفہ (کوما) کو وہ سکتہ کہتے ہیں اور اس کی صورت الٹا واؤ دکھاتے ہیں ۔ یہ صورت کومے نے سر سید کے زمانے میں علی گڑھ میں اختیار کی تھی - بعض اس کی نقل کرتے ہیں ۔ مگر میں اس بارے میں قدامت پرست ہوں ۔ لکھنے کا جہاں تک تعلق ہے وہ بہت کم ٹھیک جگہ پر لکھا جاتا ہے ، اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ دہلی کے چھاپے خانوں کا اب کچھ یہ دستور سا ہو گیا ہے کہ وہ واؤ معروف کے سر پر یہی علامت یعنی الٹا واؤ بنا دیتے ہیں ؛ جیسے اردو' ۔ اسی کتاب قواعد اردو میں ایسا ہے - اس لیے میری رائے ہے کہ سکتے یا وقفے کو اسی پرانی شکل میں رہنے دیا جائے ۔

کولن کی ہمیں ضرورت نہیں ؛ اسی طرح سیمی کولن بھی غیر ضروری ہے ، کیونکہ انگریزی میں جہاں سے یہ علامتیں لی گئی ہیں ان کا صحیح اور بجا استعمال کرنے والے انگریزی میں بھی سو میں پانچ سات ہی ہوتے ہیں ۔

کولن اور ڈیش کا استعمال اقتباس سے پہلے ضروری ہے ۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کلام حرف منقول ہے ۔

قوسین کا اب عام رواج ہو ہی گیا ہے ۔ ڈیش کی ضرورت بھی ایسی نہیں پائی جاتی کہ اسے املا کی علامتوں میں داخل کیا جائے ۔

واوین کی شکل اب تک ، اور ڈاکٹر صاحب کی زیر نظر کتاب تک، یہ ہے " " ۔ یہ علامت صاف کر دیتی ہے کہ جو کچھ اس علامت کے اندر ہے وہ صاحب تحریر کا نہیں بلکہ اور کسی کا قول ہے ۔ یہاں تک تو یہ علامت کارآمد رہی ۔ لیکن کبھی اقتباس اندر اقتباس ہوتا ہے ، اس لیے میری تجویز ہے کہ اندرونی اقتباس کو اکہری واوین میں لکھا جائے (' ') ۔

ہائفن کو زنجیرہ کہا گیا اور اس کی شکل یہ بنائی گئی --- یہ عجب

ابھریا ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں پڑتی ۔ ہمارا اصول خذ ماصفا ہونا چاہیے ۔

اب سوال صرف ختم جملہ کی علامت کا باقی رہتا ہے جیسا کہ دیکھا دونوں نقشوں میں یہ علامت اس شکل کی ہے چار نقطے بنا کر ان کو دو عمودی خطوں سے آپس میں ملا دینا یہ محض طول عمل ہے ۔ ڈاکٹر صاحب ،وصوف اس کے لیے چھوٹے ڈیش یا اصلی انگریزی ہائفن کی شکل قرار دیتے ہیں - یہ شکل اول تو بہت خفیف ہے اور دوسرے یہی علامت ذرا بڑی ہو کر اور علامتوں میں بھی موجود ہے اس لیے میری تجویز ہے کہ ختم جملہ کی علامت یہ × قرار دی جائے" ۔

(کیفیہ ؛ طبع دوم ؛ ص ۳۴۸ تا ۳۵۰)

صاحب کیفیہ کی ان آراء کو ہم نے جوں کا توں نقل کر دیا ہے ۔ مگر ہمارے خیال میں یکسانی کے لیے مولوی عبد الحق کی پیش کردہ علامتوں کو اپنانا ہی درست ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ بعض علامتوں کا رواج کم ہے اور شاید کم رہے گا ، لیکن معیاری علامتوں کا ہونا ضروری ہے ۔ بے شک سیمی کولن کا رواج عام نہیں ہوا اور زنجیرے کا بھی یہی حال ہے ۔ لیکن بوقت ضرورت کام آنے والی علامتیں ہیں۔ بعض اوقات عبارت میں گنجلک سے بچنے کے لیے سیمی کولن کا استعمال اور فنی اصطلاحات میں زنجیرے کا استعمال مفید مطلب ہے ۔ ختم جملہ کی علامت اور سکتے (کوما) کی علامت اب اس قدر رواج پا چکی ہیں کہ ان کے بدلنے کی تجویز درست معلوم نہیں ہوتی ۔

باب نہم

مستثنیاتِ نحو

ذیل میں اُردو کے نحوی اصولوں اور قاعدوں کے مستثنیات کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی کچھ مختصات بھی شامل کر لیے گئے ہیں :

(۱) صاحب مذکر ہے مگر عام بول چال میں ''بیگم صاحب'' کا لفظ مستعمل ہے ۔ مولوی عبدالحق کے خیال میں عالم ، فاضل ، شاعر ، لائق ، مصنف وغیرہ الفاظ جس طرح مردوں کے لیے بولے جاتے ہیں اسی طرح عورتوں کے لیے بھی استعمال ہونے چاہییں ۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی وکیل ، بیرسٹر ، ڈاکٹر ، حکیم ہی کہا جائے ۔ مولوی عبدالحق کے نزدیک عالمہ ، فاضلہ ، شاعرہ ، لائقہ ، مصنفہ (عربی علامت تانیث کے ساتھ) کہنا تکلف ہے ۔

(۲) بعض الفاظ مثلاً انسان ، آدمی ، شخص وغیرہ (اور ان کے مشتقات انسانیت ، آدمیت ، شخصیت) مذکر ہیں لیکن جمع کی صورت میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مستعمل ہیں ۔

(۳) دو لفظ بلا حرف عطف مل کر آئیں اور ایک کلمے کا حکم

رکھیں تو فعل واحد آتا ہے اور اس کی تذکیر و تانیث فعل کے قریب تر یعنی آخری لفظ کے لحاظ سے قرار دی جاتی ہے (مثلاً گھوڑا گاڑی بک گئی) لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے ؟ مثلاً تمھارے کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہوتا ہے :

ع جُبتہ ، قُبتہ ، کرتہ ، ٹوپی مستی میں انعام کیا (میر)

اس مثال میں چاروں الفاظ ایک کا حکم رکھتے ہیں اور ان کے لیے فعل واحد مذکر آیا ہے ، حالانکہ آخری یا فعل سے قریب ترین لفظ ٹوپی مونث ہے ۔ حرف عطف و کے ساتھ نشو و نما ، آب و گل ایک کلمے کا حکم رکھتے ہیں اور عام قاعدے کے خلاف مذکر و مونث دونوں طرح مستعمل ہیں :

ع آدمِ خاکی کا جس دم آب و گل پیدا ہوا

ع شرافت تھی جو آب و گل میں اس کی

"اُردو کی نشو و نما میں صوفیاے کرام کا کام" (مولوی عبدالحق کی ایک کتاب کا نام) :

ع خط کو روے یار پر نشو و نما ہوتا نہیں (ناسخ)

(۴) قیمت ، وقت ، ناپ ، تول ، سمت کے الفاظ جمع کے موقع پر بھی اکثر واحد ہی استعمال ہوتے ہیں ؟ مثلاً یہ قلم گیارہ روپے کا ہے (یہ نہیں کہتے کہ گیارہ روپوں کا ہے) ۔ اس کی قیمت تین سو روپیہ ہے یا چار اشرفی ہے ۔ وہ چار دن سے غائب ہے (نہ کہ چار دنوں سے) ۔ وہ پانچ مہینے سے گم ہے ۔ چار ہفتے میں فصل تیار ہو جائے گی :

ع سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

ع تم سلامت رہو ہزار برس :

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبال)

وہ ستر برس کا ہے ۔ چاروں طرف سے (نہ کہ چاروں اطراف یا چاروں طرفوں سے) ۔ اس باغ میں پانچ قسم کے آم ہیں ۔ پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ (نہ کہ مربع میلوں کا علاقہ) ۔

(۵) قِسم مونث ہے مگر اس کے ساتھ بول چال میں ''اچھے'' (مذکر) لاتے ہیں اور یوں بولتے ہیں ''اچھے قسم کی چیز ۔'' تذکیر و تانیث میں صفت و موصوف کے یکساں نہ ہونے کی یہ مثال بول چال کے لحاظ سے درست اور مستثنیات میں سے ہے ۔

(٦) بزرگوں اور بڑوں کے لیے تعظیماً ، واحد کے بجائے جمع کا لفظ لاتے ہیں ؟ مثلاً مولانا شبلی اُردو کے محسن ہیں ۔ آپ کے والد کب آئیں گے ؟ ۔

(۷) تعداد کثیر اور مقدار کثیر کے الفاظ کے ساتھ کبھی معدود واحد بھی لاتے ہیں ؛ مثلاً صدہا جانور ڈوب گیا ۔ ہزار ہا آدمی سیلاب کی نذر ہو گیا ۔ ہزاہا مکان ڈھے گیا ۔ دو ہزار پیدل کھیت رہا ۔ منوں آم خراب ہوگیا ۔ سیروں بیج سڑ گیا ۔

(۸) گنتی کے خاص خاص لفظ جو خاص خاص اشیا کے ساتھ مستعمل ہیں (نفر آدمیوں کی گنتی کے لیے ، راس گھوڑوں بیلوں گایوں کے لیے اور عدد عام بےجان اشیا کے لیے) ہمیشہ واحد ہی رہتے ہیں ؛ مثلاً بیس نفر مزدور ، دس راس بیل ، بیس عدد تولیے ، چار عدد کرسیاں ، پانچ عدد میزیں ۔

(۹) بعض الفاظ بطور جمع لاتے ہیں اگرچہ معناً وہ واحد ہوں مثلاً اس لفظ کے کیا معنے ہیں ۔ اس شعر کے کیا معنے ہیں (یعنی کیا مطلب ہے) ۔ اس قلم کے کیا دام ہیں (یعنی کیا قیمت ہے) ۔ بھاگ کھل گئے ۔ کرم پھوٹ گئے ۔ نصیب جاگے (یوں بھی مستعمل ہے نصیب جاگا ، نصیبہ جاگا) ۔ اس کے کرتوت اچھے نہیں ۔ لچھن اچھے نہیں ۔

یہ میرے دستخط نہیں ۔ اس بچے کے ختنے ہو گئے ۔
اوسان جاتے رہے ، مسیں بھیگیں ، درشن ہوئے ۔

(۱۰) بعض جمع کے لفظ واحد مستعمل ہیں ان کی جمع الجمع بھی لاتے ہیں ؛ مثلاً احوال ، اخبار ، اصول ، کرامات ، قلعۂ معلی کے روز مرے میں سلاطین (واحد) ارواح (واحد بمعنی روح) بھی مستعمل رہا ہے اور ان کی جمع الجمع سلاطینوں ، ارواحوں بھی ، اسی طرح یکتاتوں ۔

(۱۱) ضمائر اشاری یہ اور وہ کبھی ایسا کے معنوں میں بطور صفت لاتے ہیں مثلاً :

ع منہ نہ کھلنے پر وہ عالم ہے کہ دیکھا ہی نہیں (غالب)

یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں خم کے خم مے سے ، مگر پیمانہ خالی ہے

(۱۲) جہاں زیادہ تعظیم منظور ہو ، امر جمع حاضر کے الفاظ میں واؤ مجہول یائے مجہول سے بدل جاتی ہے ۔ مثلاً کھاؤ کے بجائے کھائیے ۔

(۱۳) مصدر امر کا حکم بھی رکھتا ہے ؛ مثلاً :

ع مگس کو باغ میں جانے نہ دینا

سے حفیظ بے نوا سے پرسش احوال مت کرنا
وہ دکھیارا نہ آ جائے کہیں رونے رلانے پر (حفیظ میرٹھی)

(۱۴) مصدر بطور اسم بھی آتا ہے ؛ مثلاً :

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے (مصحفی)

خندۂ اہل جہاں کی مجھے پروا کیا تھی
تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ ، رونا ہے یہی (ماہر القادری)

(۱۵) بعض مصدر اپنے اصلی معنوں کے خلاف ، تاکید و تنبیہ کے لیے آتے ہیں ؛ مثلاً دیکھو تساہل نہ برتنا ۔ دیکھنا کوئی اہم نکتہ چھوٹ نہ جائے ۔

(۱٦) جہاں مصدر امر کی جگہ بولا جائے وہاں اگر اظہار تعظیم مقصود ہو تو عام قاعدے کے مطابق حسب ذیل تبدیلیاں کرتے ہیں ، مگر کچھ مستثنیات کے ساتھ :

(الف) علامت مصدر کے ما قبل یاے معروف ہو تو علامت مصدر نا حذف کر کے آخر میں جیے کا اضافہ کرتے ہیں ؛ مثلاً پینا سے پیجیے ، سینا (کپڑے سینا) سے سیجیے ۔

مگر جینا اس سے مستثنیٰ ہے ۔

(ب) علامت مصدر کے ما قبل یاے مجہول ہو ، تو علامت مصدر نا حذف کرکے آخر میں جیے کا اضافہ کرتے ہیں اور علامت مصدر کے ما قبل کی یاے مجہول کو یاے معروف میں بدل دیتے ہیں ؛ مثلاً

لینا سے لیجیے ،
دینا سے دیجیے ۔

مگر مصادر سینا (انڈے سینا) کھینا (کشتی کھینا) اس سے مستثنیٰ ہیں ۔

(ج) علامت مصدر کے ما قبل یاے معروف و مجہول نہ ہو تو علامت مصدر حذف کرکے آخر میں یے کا اضافہ کرتے ہیں ؛ مثلاً

اٹھنا سے اٹھیے
چلنا سے چلیے
بولنا سے بولیے

مگر مصدر کرنا اس سے مستثنٰی ہے ، کرنا سے کیجیے ہوگا ۔ نیز علامت مصدر کے ماقبل الف یا واو ہونے کی صورت میں علامت مصدر کے حذف کے بعد ئیے کا اضافہ ہوگا ۔ رونا سے روئیے ، بونا سے بوئیے ، آنا سے آئیے ، جانا سے جائیے ۔

یہ اظہار تعظیم کے عام قاعدے ہیں ۔ مزید اظہار تعظیم کے لیے اس پر علامت استقبال کا اور بڑھا دیتے ہیں ؛ مثلاً مجھے اطلاع کر دیجیے گا ، مجھ سے کہہ دیجیے گا ۔

(۱۷) کبھی فعل حال ماضیٔ قریب کا فائدہ دیتا ہے ؛ مثلاً بھائی صاحب کا خط آیا ہے ، آپ کو دعا کہتے ہیں ۔

(۱۸) کبھی اثبات حال کے واسطے ماضی مطلق لاتے ہیں ؛ مثلاً تشریف رکھیے ، میں ابھی آیا ، تم چلو ، میں ابھی آیا ۔

(۱۹) کبھی اس کے برخلاف ، حال ماضی مطلق کے معنوں میں لاتے ہیں ؛ مثلاً خواب سے بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب میرے اردگرد جمع ہیں ۔

اسے حالِ تاریخی (Historic Present) یا حالِ حکائی کہتے ہیں ۔

(۲۰) کبھی فعل حال ، استقبال کا فائدہ دیتا ہے ؛ مثلاً :

؎ آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا ہوتا ہے (غالب)

(۲۱) کبھی ماضی تمنائی حال کے معنوں میں بھی آ جاتا ہے ؛ مثلاً غالب کو برا کہتے ہو ، اچھا نہیں کرتے

(۲۲) کبھی ماضی مطلق مستقبل کی جگہ آتا ہے ؛ مثلاً

آج مینہ برسا تو کل ہوائی ہوگی ۔

(۲۳) کبھی فعل حال بھی مستقبل کی جگہ آ جاتا ہے ؛ مثلاً
میں گاڑی فروخت کرتا ہوں ۔ بولو کیا دیتے ہو (یعنی کیا
دو گے) ۔

(۲۴) کبھی حال گزشتہ زمانہ بعید کو ظاہر کرتا ہے ؛ مثلاً

حدیث میں آتا ہے ۔ خدا نے فرمایا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''احیاء العلوم'' امام غزالی نے
لکھی ہے ۔

(۲۵) کبھی مضارع امر کے معنوں میں آتا ہے ؛ مثلاً :

آپ اس کام کا زنہار ارادہ نہ کریں (حسرت موہانی)

اور کبھی امر مضارع کا کام کرتا ہے ؛ مثلاً :

؎ اے چشمۂ آب زندگانی
گھٹیو نہ کبھی تری روانی (حالی)

؎ دل احباب پر نہیں چلتا
سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور (حالی)

(۲۶) ماضی بعید اپنے اصلی معنوں کے خلاف بھی بولا جاتا ہے ؛
مثلاً شکر ہے بارش ہو گئی ، نہیں فصل تباہ ہو گئی تھی
(یعنی تباہ ہو جاتی) خوب ہوا آپ نے آ کر بچا لیا ، ورنہ
یہ تو مارے گئے تھے (یعنی مارے جاتے) ۔

(۲۷) کبھی چاہیے کا لفظ حذف کرکے بولا جاتا ہے ؛ مثلاً :

؎ وہ آپ دوڑ کے آتے ، برا ہوا صبحی
ابھی کچھ اور تمھیں ہوش میں نہ آنا تھا

(آفتاب احمد صبحی)

(۲۸) کبھی ماضی مطلق ماضی قریب کے معنوں میں لاتے ہیں ؛

مثلاً : ایسا باکمال ہوا نہ ہو۔

ہوا ، یعنی ہوا ہے ۔ مزید یہ کہ ہو یہاں ہوگا کے معنی دے رہا ہے ۔

(۲۹) کبھی ماضی تمنائی ماضی استمراری کا فائدہ بھی دیتی ہے ؛ مثلاً چاروں طرف اس کے کمال کا ڈنکا بج رہا تھا ۔ جو آتا اسی کی طرف جھکتا ۔ (جھکتا یعنی جھک رہا تھا یا جھکتا تھا) ۔

(۳۰) بعض خاص مصادر ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ فاعل بظاہر مفعولی صورت میں آتا ہے ؛ مثلاً پڑنا ، آنا ، ہونا ، مجھے رکنا پڑا ، مجھے جانا ہے ، اسے لازم ہے کہ آپ کی تعظیم کرے ، تمھیں چاہیے کہ بڑوں کو سلام کرو :

ع شام فراق کچھ نہیں آتا نظر مجھے (ثاقب)

(۳۱) مستقبل کی ایک استثنائی صورت حروف اضافت کا ، کی ، کے کے ساتھ نفی کی صورت میں مستقبل کے معنے نکلتے ہیں اور اس میں عزم اور یقین پایا جاتا ہے ؛ مثلاً میں نہیں جانے کا ، میں نہیں کھانے کا :

ع ڈھونڈھو گے اگر ملکوں ملکوں ، ملنے کے نہیں ، نایاب ہیں ہم (شاد)

(۳۲) حال استمراری کی جگہ کبھی حال مطلق بھی آتا ہے ؛ مثلاً میں چند روز سے دیکھتا ہوں (یعنی دیکھ رہا ہوں) کہ تم وقت پر نہیں آتے ۔

(۳۳) فعل ماضی بعض اوقات حال اور مستقبل کے لیے بھی لاتے ہیں ؛ مثلاً تو چل ، میں آیا (یعنی میں آتا ہوں) ۔

وہ آیا ، اور میں چلا (یعنی اس کے آتے ہی میں چلا

جاؤں گا) :

نہ آیا نامہ بر اب تک ، گیا تھا کہہ کے اب آیا
الٰہی کیا ستم ٹوٹا ، خدایا کیا غضب آیا (داغ)

(۳۴) مصدر کے بعد تھا لانا مفاجات ظاہر کرتا ہے ؛ مثلاً میرا اتنا کہنا تھا کہ اس کا رنگ اُڑ گیا ۔ اس کا پہنچنا تھا کہ بھگدڑ مچ گئی ۔

(۳۵) مفاجات کے لیے حرف عطف اور کا استعمال : حرف عطف اور کبھی مفاجات بھی ظاہر کرتا ہے ؛ مثلاً :

تانت باجی اور راگ نکلا
رخصت منظور ہوئی اور میں چلا

کاتا اور لے دوڑی ۔

(۳۶) جب متکلم تاکید نفی بولتا ہے تو مخاطب بھی حرف نفی جواب میں کہتا ہے اور اس وقت مخاطب کا حرف نفی اثبات کا فائدہ دیتا ہے ؛ مثلاً اس جملے کے جواب میں کہ دیکھو مُکر نہ جانا ، کوئی یہ کہے ''نہیں" (یعنی بہت اچھا) ۔

(۳۷) فارسی میں جملہ شرطیہ میں حرف شرط آتا ہے اور حرف جزا نہیں آتا ۔ اس کے برخلاف ، اُردو میں حرف جزا آتا ہے اور حرف شرط کبھی حذف بھی کر دیتے ہیں ؛ مثلاً آپ آئیں گے تو میں بھی آؤں گا ۔ کوئی جگہ نکلی تو آپ کا خیال رکھوں گا ۔

(۳۸) کیا حرف استفہام ہے مگر اس کی تکرار (بالفصل) مساوات کا فائدہ دیتی ہے ؛ مثلاً کیا امیر کیا غریب ، کیا گورے کیا کالے ، قانون سب کے لیے یکساں ہونا چاہیے ۔ کیا تاکید توصیف و انبساط کے لیے بھی آتا ہے ؛ مثلاً کیا عمدہ

کتاب ہے ، کیا پیارا بچہ ہے :

؎ کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
اس پر کھلا ہی پڑتا ہے ، کیا خوش مزاج ہے (شاد)

(۳۹) جو حرف موصول ہے مگر مفاجات کے معنی میں بھی آ جاتا ہے ؛ مثلاً اٹھنے ہی والا تھا جو آپ آ دھمکے ۔

(۴۰) کبھی کو آمادگی اور فعل کے جلد تر واقع ہونے کو ظاہر کرتا ہے ؛ مثلاً وہ آنے کو ہے ، وہ لکھنے کو ہے ، وہ یہاں پہنچنے کو ہے ۔

(۴۱) کو کا ایک اور قابل ذکر استعمال : مفہوم میں رفد پیدا کرنے کے لیے یوں لاتے ہیں ، آج کو (یعنی آج کے دن) تمھارے والد زندہ ہوتے تو کیسے خوش ہوتے ۔

(۴۲) پیچھے کا ایک قدیم استعمال : مولوی نذیر احمد کے زمانے تک پیچھے کا لفظ فی کس اور فی نفر کے معنے میں مستعمل رہا ہے اور اب بھی کبھی کبھی بڑے بوڑھوں کی زبانی سننے میں آتا ہے ؛ مثلاً رقم تقسیم ہوئی ، آدمی پیچھے پچاس پچاس روپے آئے ۔

(۴۳) تو حرف جزا کے علاوہ تخصیص و تاکید اور استثنا کا فائدہ بھی دیتا ہے ؛ مثلاً وہ تو فرشتہ ہے فرشتہ ۔ مرنا تو ہے ہی ، عزت کی موت مرو ۔

(۴۴) ہی عموماً حرف تخصیص کے طور پر آتا ہے مگر کبھی تفصیل بھی ظاہر کرتا ہے ۔ بہت اچھا پر بہت ہی اچھا کو فضیلت ہے ۔ مجاز کا ایک شعر ہے :

؎ ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

یہاں نحوی اصول شاعر کی منشا کے برعکس مفہوم ظاہر کر رہا ہے ۔ اچھا تھا کو بہت ہی خوب پر فضیلت کیوں کر دی جائے اور اس سبب سے مصرعِ ثانی میں جو کم تر درجے کی کیفیت ، بلکہ انداز بیدلی ہے ، نحو کے نقطۂ نظر سے اس کی کیا توجیہ کی جائے ۔

(۳۵) علامتِ فاعل نے فعل متعدی کے ماضی مطلق تمام ، احتمالی اور حال قریب کے ساتھ آتا ہے مگر حسب ذیل متعدی افعال اس قاعدے سے مستثنٰی ہیں :

لانا ، بھولنا ، شرمانا ، بجھنا

اور بولنا دونوں طرح آتا ہے ۔ اس نے جھوٹ بولا ، وہ جھوٹ بولا ، اسی طرح کھیلنا ، سیکھنا ، جیتنا ، ہارنا میں نے بازی جیتی ، میں بازی جیتا ، میں نے شرط ہاری ، میں شرط ہارا ، میں ایک بازی کھیلا ، میں نے ایک بازی کھیلی :

ع سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوّری (غالب)

ہم نے مصوّری نہیں سیکھی ۔

(۳۶) علامت مفعول اور طرح کے مفعولوں کے ساتھ کبھی آتی ہے اور کبھی نہیں آتی ، لیکن مفعول مطلق کے ساتھ کبھی نہیں آتی ؛ مثلاً بھلے مانسوں کی سی چال چلو ، بڑا بول نہ بولو ۔

(۳۷) جب ضمائر شخصی کے بعد ہی آتا ہے تو علامت فاعل و مفعول و اضافی و صوری عموماً ہی کے بعد آتی ہیں ۔ یہ عام قاعدہ ہے البتہ علامت فاعلی اس سے مستثنٰی ہے ۔ وہ دونوں طرح استعمال ہوتی ہے ۔ مگر واحد متکلم میں ہی ہمیشہ نے کے بعد آتا ہے ۔

میں نے ہی کہا تھا ۔ میں نے ہی بلایا تھا ۔

(۴۸) نہ حرف نفی کبھی بطور حرف اثبات و تاکید کبھی آتا ہے ؛ مثلاً دیکھو نہ ، آؤ نہ :

ع آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی (غالب)

(۴۹) کہ کا استعمال بطور حرف بیانیہ عام ہے مگر بعض اوقات حرف تردید کا کام بھی کرتا ہے اور یا کی جگہ آتا ہے ؛ مثلاً :

ع میں وہی ہوں مومنِ مبتلا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(۵۰) شرط عموماً جزا سے پہلے آتی ہے مگر کبھی بعد میں لاتے ہیں اور ایسی صورت میں حرف جزا حذف کر دیتے ہیں ؛ مثلاً آؤ اگر آنا ہو ۔ چلو اگر چلنا ہو ۔

(۵۱) لفظ کی تکرار سے جہاں فرداً فرداً دلالت کا مفہوم نکلتا ہے (مثلاً پتّا پتّا ، بوٹا بوٹا :

ع پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے (میر)

یعنی ہر ایک پتّا ، ہر ایک بوٹا) ، وہاں اگر درمیان میں حرف کا لائیں تو کل اور تمام اور سارا کا مفہوم پیدا ہو جائے گا (مثلاً شہر کا شہر ، گانو کا گانو) نیز اگر ایسے واحد مذکر لفظ کی تکرار ہو جو الف یا ہائے مختفی پر تمام ہو تو لفظ اول امالے کے بعد آئے گا ؛ مثلاً

محلّے کا محلّہ ، قریے کا قریہ

عموماً لفظ کی تکرار بصورت واحد ہوتی ہے لیکن کبھی بصورت جمع بھی لاتے ہیں ؛ مثلاً :

ع ڈھونڈھوگے اگر ملکوں ملکوں ، ملنے کے نہیں ، نایاب ہیں ہم (شاد)

ملکوں ملکوں (یعنی ایک ایک کرکے سب ملکوں میں اور اس میں فرداً فرداً دلالت کے ساتھ کل اور تمام کا مفہوم بھی ہے -

(۵۲) آتے ، جاتے ، اترتے ، چڑھتے ، لگتے ، نکلتے کے الفاظ ابتدا اور انتہا کے معنوں میں آتے ہیں ؛ مثلاً آتے جاڑے موسمی پھولوں کے بیج بو دو - آج کیا جاتی دنیا دیکھی کہ ادھر کا رخ کیا - اترتے ساون آئے ، چڑھتے بھاگن چلے گئے - (چڑھنے کی جگہ آتے ، لگتے اور اترتے کی جگہ نکلتے اور جاتے بھی لاتے ہیں) - چاند کے ساتھ چڑھنے کا لفظ مسلم کلچر کا آئینہ دار ہے - چڑھا چاند بھی آتا ہے ؛ مثلاً چڑھے چاند کا وعدہ تھا - آئے کا لفظ دن کے ساتھ مل کر کثرتِ وقوع کے معنے دیتا ہے ؛ مثلاً وہ آئے دن بیمار رہتا ہے -

(۵۳) پانچ کا لفظ جب سو کے ساتھ آتا ہے تو کبھی پانچ کا حرفِ آخر حذف ہو کر پان اور سو ، سے بن جاتا ہے اور پانچ سو کے بجائے ''پانسے'' بولتے ہیں - انشا نے پانچ کو تنہا بھی **پان** بلکہ نون غنہ کے ساتھ پاں نظم کیا ہے :

ایک دو تین چار پاں چھی سات
آٹھ نو دس ہوئے ، بس انشا بس

فارسی میں بھی ''پانصد'' آتا ہے - علی گڑھ کالج کی تاسیس ''اٹھارہ سے پچھتّر'' (حیات جاوید) .

(۵۴) تابع مہمل ، عام قاعدے کے مطابق متبوع کے بعد آتا ہے ، مگر بعض مرکبات تابع اس قاعدے سے مستثنٰی ہیں - ان میں تابع مہمل پہلے آتا ہے ؛ مثلاً آمنے سامنے ، آس پاس ، اردگرد -

(۵۵) مرکبات اضافی میں ہندی لفظ ، عربی فارسی لفظ ساتھ نہ مضاف بنتا ہے ، نہ مضاف الیہ ۔ مگر بربنائے رواجِ عام ، چند مرکبات اس سے مستثنٰی ہیں۔ لبِ سڑک ، فوق البھڑک ، جو اگرچہ علم و ادب کی زبان میں کم تر مستعمل ہیں[۱] مگر بول چال کی زبان میں بے تکلف آتے ہیں۔ (عربی علامت اضافت کے ساتھ عربی اور فارسی کی ترتیب بھی از روے قاعدہ درست نہیں مگر خلاف قاعدہ بعض ترکیبات رواج پا گئی ہیں ؛ مثلاً دعاے گنج العرش یہ مستثنیات میں سے ہیں ۔

(۵۶) بعض اوقات جب حرف اضافت ، مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان نہ ہو بلکہ آخر میں آئے تو عام قاعدے کے خلاف کی کے بجائے کے لاتے ہیں ؛ مثلاً :

ع میدان میں تھا حشر بپا چال سے اس کے (انیس)

اسی طرح ''میری'' کی جگہ ''میرے'' لاتے ہیں :

کہتی ہوں میں خدا سے یہ شام اور سویرے
جم جم رہیں سلامت باجی کے بچے میرے (جان صاحب)

(۵۷) جملے میں الفاظ کی عام اور مقررہ ترتیب کے خلاف کبھی مقدم کو مؤخر کر دیتے ہیں اور اس سے زور دینا مقصود ہوتا ہے اور یہ نحو کا ایک اہم قاعدہ ہے ''تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر ۔''

۱۔ سودا نے خوب ''بدپرہیزی'' کی ہے ۔ چنانچہ سودا کے کلام میں (پوشش چھینٹ قلمکار بھر دشت و جبل) جیسی مثالیں ملتی ہیں ۔

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۳	فاعل	قائل
۱۵	۱۰	(۲) امر	(۳) امر
۲۸	۷	ترتیت	ترتیب
۵۴	۱	فعل اور فاعل کی مطابقت	۵۔ فعل اور فاعل کی مطابقت
۷۷	۲۶	جزیرہ شہر دوم	جزیرہ دوم شہر دوم
۸۸	۱	کی مطابق	کی مطابقت
۸۸	۳	کے مطابقت	کی مطابقت
۹۰	۱۶	: سطر ۱۶ کو صفحے کی آخری دو سطروں سے ملا کر پڑھیے۔	
۱۱۵	۱۱	Comperatives	Comparatives
۱۱۶	٦	Comperatives	Comparatives
۱۲۳	۱٦	جاری کرتے ہیں	جاری نہیں کرتے
۲۰۴	۱۲	Hyphen	Hyphen
۲۰۹	۱۷	IndoAryon	Indo-Aryan
۲۰۹	۱۷	ہند آریائی	ہندسہ آریائی*
٦۵	۲۲	ضمائر شخصی ، (	ضمائر (شخصی ،
۱۱۹	۲۲	حذف ، موصوف	حذفِ موصوف

جامع القواعد حصہ صرف

مصنف : ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

صفحات : ۵۶۰

قیمت : چھ روپے

زیر نظر کتاب اُردو گرامر کے ''حصہ صرف'' پر مشتمل ہے جسے جناب ڈاکٹر ابواللیث صاحب صدیقی نے تصنیف کیا ہے۔

جدید لسانیات نے قواعد نویسی کے تصور کو بڑی حد تک بدل دیا ہے اور اس کے نتیجے میں قواعد کے موضوعات و مباحث بھی متاثر ہوئے ہیں۔ یوں تو اُردو میں اور اُردو کے علاوہ دوسری زبانوں، بالخصوص انگریزی میں اُردو قواعد کی بہت سی تالیفات موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی تاریخی قواعد نہیں ہے۔ اور نہ ان کے مؤلفین نے جدید لسانیاتی مطالعے کے طریق کار کو پیش نظر رکھا ہے۔

جامع القواعد اُردو قواعد نویسی میں اس طرح کا پہلا تجربہ ہے۔ پیش نظر حصہ صرف میں بہت سے نئے موضوعات و مباحث ایسے ہیں جو اس سے پہلے اس عنوان میں شامل نہیں کیے جاتے تھے اور تجزیہ کا پورا انداز لسانیاتی اور تحقیقی و تاریخی ہے۔ مؤلف نے اس سارے مواد کو پیش نظر رکھا ہے جو اب تک اس موضوع پر دستیاب ہو سکتا تھا اور جدید لسانیات کے فن میں اپنی تخصیص کی وجہ سے اسے ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے اُردو قواعد کے اس کے اپنے مزاج کے مطابق مرتب کرنے کی راہ نظر آتی ہے اور اُردو زبان کے عہد بہ عہد صرفی ارتقاء کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

چند عنوانات یہ ہیں :

تاریخی پس منظر، اُردو کا لسانی ڈھانچہ، اُردو کی قواعد نویسی کا آغاز اور ارتقا، اُردو کا صوتی نظام، اُردو املا یا ہجا، صرف اور اس کے مباحث اور موضوعات، اُردو میں مشتق اور مرکب الفاظ۔

کتاب سفید کاغذ پر نہایت عمدہ ٹائپ میں طبع ہوئی ہے۔ گرد پوش رنگین و دیدہ زیب۔

مرکزی اُردو بورڈ ، گلبرگ ، لاہور